تاریخِ حدیث

برائے ایم اے علوم اسلامیہ

(تخصص فی الحدیث)

کوڈ نمبر ۴۵۵۶

یونٹ ۱-۱۸

شعبہ حدیث وسیرت
کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

اشاعت دوم	....	2005ء
سن اشاعت	....	2005ء
تعداد	....	1000
کمپوزنگ	....	دار العلم، آبپارہ مارکیٹ، اسلام آباد فون: 051-2875371
طابع	....	شجاع سنز پرنٹرز، اسلام آباد فون: 051-2829998
ناشر	....	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
قیمت	....	-/130 روپے

کورس ٹیم

چیئرمین:

ڈاکٹر علی اصغر چشتی

تحریر:

ڈاکٹر علی اصغر چشتی

تدوین:

انوار الحق

کورس رابطہ کار

ڈاکٹر علی اصغر چشتی

کورس کے مقاصد

اس کورس کے مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ حدیث کے ابتدائی دور کے بارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کرسکیں۔

⇦ حدیث کے دوسرے دور میں روایات کے پھیلنے اور اسلامی ریاست کے مختلف اطراف میں حدیث کے مراکز کے قیام پر بحث کرسکیں۔

⇦ حدیث کے تیسرے اطراف میں تدوین حدیث کے لئے علماء حدیث کی کوششوں کے نتیجہ میں جو مجموعے تیار ہوئے ان کا تذکرہ کرسکیں۔

⇦ حدیث کے چوتھے دور میں جن محدّثین نے علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لئے جدوجہد کی ان کی خدمات پر تبصرہ کرسکیں۔

⇦ حدیث کے پانچویں اور چھٹے دور میں علماء حدیث نے جن نئی جہات کو متعارف کرایا اور تالیفات کیں ان پر روشنی ڈال سکیں۔

⇦ طبقات رُواۃ کی اہمیت اور افادیت پر بحث کرسکیں اور طبقہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے اہم رواۃ کی نشاندہی کرسکیں۔

⇦ تاریخ حدیث کی اہمیت پر تفصیل کے ساتھ بحث کرسکیں۔

⇦ علماء رجال اور فن رجال کی اہم تالیفات کا تذکرہ کرسکیں۔

فہرست

کورس کا تعارف

ایم اے علومِ اسلامیہ (تخصص فی الحدیث) کے طلبہ وطالبات کے لیے 'تاریخ حدیث' کا کورس پیش کیا جارہا ہے، ہمارے ہاں جتنے علوم اورفنون رائج اور متداول ہیں ان میں سے ہر ایک علم وفن کی باقاعدہ اور منضبط تاریخ ہے۔ حدیث جو کہ سند اور متن سے مرکب ہوتی ہے اور سند کئی رواۃ پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے حدیث کے ذخائر میں رواۃِ حدیث کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان رواۃِ حدیث کی تاریخ پہلی صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے اور پورے تسلسل کے ساتھ صدی بہ صدی جاری رہتی ہے۔ پہلی صدی ہجری میں چونکہ سند میں رواۃ کی تعداد بہت کم ہوتی تھی اور رواۃ معروف ومشہور ہوتے تھے اس لیے رواۃِ حدیث کے بارے میں قیل وقال کا سلسلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے نشیب وفراز پر یکساں چلنا شروع کردیا تو ہم نے روایات لینے میں احتیاط شروع کی۔ امام ابن شہاب زہری اور امام ابن سیرین سے بھی اسی نوعیت کے اقوال منقول ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں جب اسناد میں رواۃ کی تعداد بڑھنے لگی اور ایک ایک روایت مختلف طرق کے ساتھ پھیلنے لگی تو علماء حدیث نے رواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال کی طرف خصوصی توجہ دی۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری، اور امام اوزاعی وغیرہ نے رواۃِ حدیث کو بڑی دقتِ نظر سے دیکھا۔ دوسری صدی ہجری کے وسط میں جب احکام سے متعلق بیشتر روایات پر تحقیق وتدوین کا کام مکمل ہوا تو علماء نے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ بحث بنایا۔ اس دور میں امام عبداللہ بن المبارک، امام یحیٰ بن معین، اور امام علی بن المدینی نے خاص طور پر رواۃِ حدیث کی تاریخ پر تالیفات کیں۔ امام ابن معین کی تاریخ کو اگر اس ضمن میں سنگِ میل اور حجرِ اساس قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

تیسری صدی ہجری میں ائمہ حدیث نے جہاں روایات کی تبویب وتدوین پر معرکۃ الآ راء کام کیا وہاں تاریخ کے رواۃ پر بھی بہت ہی وقیع، بنیادی اور مفید تالیفات مرتب کیں۔ امام بخاریؒ نے جس طرح اپنی 'صحیح' کی

ترتیب وتبویب میں انتہائی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا اسی طرح 'تاریخ' کو بھی بہت انہماک اور اہتمام کے ساتھ مرتب کیا۔ اس کورس کے یونٹ نمبر ۹ میں 'علماء رجال' کے تحت ان ائمہ حدیث کا ترتیب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے تاریخِ رواۃ پر تالیفی اور تصنیفی خدمات انجام دی ہیں۔

اس کورس کے ابتدائی نو یونٹ تاریخ حدیث، طبقاتِ رواۃِ حدیث، تاریخ حدیث کی اہمیت اور علماء رجال پر مشتمل ہیں۔ جبکہ دوسرے حصہ میں برصغیر میں علم حدیث، تحریک استشراق و مستشرقین، فتنہ انکار حدیث اور پاکستان میں علم حدیث کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

ہمارے ہاں عام طور سے حدیث کے طلبہ متون کا براہِ راست مطالعہ کرتے ہیں اور حدیث سے متعلق دیگر علوم وفنون کو نظر انداز کرتے ہیں۔ خاص کر تاریخ رواۃِ حدیث کے مطالعہ کا رواج ہمارے ہاں بہت کم پایا جاتا ہے۔ جو طلبہ تاریخ رواۃِ حدیث کا مطالعہ کیے بغیر مصادرِ حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ روایات کی صحت وسقم اور حیثیت کے بارے میں صحیح نتائج تک پہنچنے میں بڑی دقت محسوس کرتے ہیں۔ تاریخ رواۃِ حدیث کے بارے میں چونکہ زیادہ تر تالیفات عربی زبان میں ہیں۔ اور ہمارے طلبہ عربی کی کتب سے استفادہ نہیں کر پاتے اس لیے وہ اس فن سے عموماً بیگانہ رہتے ہیں۔ اس کورس کی تخطیط، ترتیب، تبویب اور تدوین میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جو بھی بنیادی اور اساسی مواد مل سکے اسے آسان، عام فہم اور سلیس زبان میں طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور اس اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے کہ طلبہ اس کے پڑھنے سے اکتاہٹ محسوس نہ کریں۔

اس عاجز نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس ہدف کو حاصل کیا جا سکے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کورس کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات اور عام قاری کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ اس کورس میں جو بھی خوبی اور بھلائی ہے وہ اللہ جل شانہٗ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے اور اس میں جو بھی خامی اور کمی بیشی ہے وہ میری کم علمی اور بے بضاعتی کا نتیجہ ہے۔

علی اصغر چشتی
صدر شعبۂ حدیث وسیرت



یونٹ نمبر ①

حدیث کا پہلا دور

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع ''حدیث کا پہلا دور'' سے ہے۔ حدیث کے پہلے دور میں دور رسالت اور خلافت راشدہ کے دور کو رکھا گیا ہے۔ عربوں کے ہاں چونکہ کتابت کا رواج بہت کم تھا۔ زیادہ تر دارومدار حافظہ پر تھا۔ اس لئے ان حضرات کی قوت حافظہ بہت زبردست تھی۔ انسان اپنی جس صلاحیت کو استعمال کرتا ہے اور خوب استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کی وہ صلاحیت بڑھتی ہے اور تقویت حاصل کرتی ہے۔ مثلاً جو لوگ پیدل چلتے ہیں اور خوب چلتے ہیں تو ان کی پیدل چلنے کی صلاحیت ان لوگوں کے مقابلہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ جو گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں اور پیدل نہیں چلتے۔ عرب اپنے شعراء کی شاعری زبانی یاد کرتے تھے اور ہزاروں اشعار انہیں ازبر ہوتے تھے۔ انساب کا علم ان کے ہاں بہت معروف تھا۔ وہ اپنے نسب پر فخر کرتے تھے اور نسب کے بارے میں باریک سے باریک گوشے ان کے ذہن میں محفوظ ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دور رسالت میں صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھا۔ ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو کتابت کے ذریعے محفوظ کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور میں جب آیات قرآنیہ کی باقاعدہ تدوین عمل میں آئی۔ تو صحابہؓ کرام نے کتابت حدیث کی طرف توجہ دی۔ حدیث کی روایات جو صحابہ کرامؓ کے سینوں میں تھیں اب رفتہ رفتہ سفینوں میں منتقل ہونا شروع ہو گئیں۔ عمر فاروقؓ کے دور میں عبداللہ بن مسعودؓ کی وجہ سے کوفہ میں حدیث کا مرکز قائم ہوا۔ ابوالدرداء کی وجہ سے دمشق میں اور عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے مصر میں مراکز قائم ہوئے۔ اس طرح حدیث کی روایات حجاز سے نکل کر مختلف اطراف واکناف میں پھیلنا شروع ہو گئیں۔ اس یونٹ میں اختصار کے ساتھ اس موضوع پر بنیادی مواد جمع کیا گیا ہے۔ آپ پوری توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ قبل از اسلام کتابت کے رواج پر گفتگو کر سکیں۔

⇦ کتابت حدیث کی ممانعت اور اس کے جواز پر مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر بحث کر سکیں۔

⇦ دور رسالت میں مکتوبہ روایات پر ایک جامع مضمون لکھ سکیں۔

⇦ ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں سنت نبویؐ کی حفاظت اور روایت کے اہتمام پر روشنی ڈال سکیں۔

⇦ عمر فاروقؓ کے دور میں سنت نبوی سے متعلق روایات کی ترویج واشاعت کے حوالہ سے تبصرہ کر سکیں۔

⇦ سیّدنا عثمان بن عثمانؓ کے دور خلافت میں سنت نبویؐ کے ترویج کا جائزہ لے سکیں۔

⇦ سیّدنا علیؓ کے دور خلافت میں حدیث وسنت کی اشاعت کے بارے میں سیدنا علیؓ کی پالیسی کی وضاحت کر سکیں۔

① حدیث کا پہلا دور

1.1 قبل از اسلام کتابت کا رواج

کتابت تہذیب وتمدن اور ثقافت وحضارت کی علامت اور نشان ہے اس لیے دنیا کی تمام متمدن قومیں اس کی طرف خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ اور بادیہ نشین قومیں اس سے دور رہتی ہیں۔ عرب زیادہ تر خانہ بدوشانہ زندگی گزارتے تھے۔ لکھنے پڑھنے سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اس لیے اسلام سے پہلے اس دور کے لوگوں کو امیّین کہا گیا ہے۔ لیکن جزیرہ نمائے عرب کے وہ علاقے جہاں تمدن کی روشنی آ گئی تھی جیسے یمن کا خطہ، وہاں کے باشندے لکھنے پڑھنے سے کچھ واقف تھے۔ تاہم یمن میں کتابت عام طور سے مروج نہیں تھی۔ یمن میں خواص کا طبقہ خط کی طرف مائل تھا۔ یہیں سے خط حیرہ اور انبار کے علاقوں میں منتقل ہوا اور خط جزم کے نام سے موسوم ہوا۔ ان علاقوں میں باہمی ارتباط کی وجہ سے یہ خط منتقل ہوا تھا۔ حیرہ سے خط مکہ مکرمہ میں منتقل ہوا اور یہ کام حرب بن امیہ نے انجام دیا جو اکثر وبیشتر سفر میں رہا کرتا تھا۔ اسی کے دور میں مکہ میں خط کی ابتداء ہوئی اور قریش کے کچھ لوگوں نے لکھنا سیکھا۔ لیکن عرب کے وہ قبائل جو خانہ بدوش تھے کتابت سے بالکل نابلد رہے۔ بلکہ وہ لکھنے پڑھنے کو عار اور ذلت سمجھتے تھے اور ان کا تمام تر اعتماد قوت حافظہ پر تھا۔ وہ قوت حافظہ کے مالک تھے اور اسی میں بہت زیادہ ملکہ رکھتے تھے، اسی قوت حافظہ کی بدولت وہ اپنے شعراء کے ہزاروں اشعار، انساب، مفاخر، ایّام اور واقعات کو محفوظ رکھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے تاریخ میں عرب ''احفظ الامم'' کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ مشیّتِ ایزدی یہی تھی کہ اسلام سے پہلے عرب میں کتابت کا سلسلہ جاری ہو جائے تاکہ نزولِ قرآن کے بعد اس کی اور سنت نبوی ﷺ کی کتابت ہو سکے۔

اسلام جب آیا اس وقت مکہ مکرمہ میں گنتی کے چند لوگ لکھنا جانتے تھے جن کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے۔ ان میں عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابوعبیدۃ بن الجراح، طلحہ، یزید بن ابی سفیان، معاویہ بن ابی سفیان، ابوسفیان بن حرب، ابوحذیفہ ابن عتبہ بن ربیعہ، حاطب بن عمرو، ابوسلمہ عبدالاسد مخزومی اور بعض خواتین بھی لکھنا جانتی تھیں۔

1.2 مدینہ میں کتابت کا حال

مدینہ منورہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو یہاں اوس وخزرج میں کتابت کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا۔ ہاں بعض یہود نے عربی کتابت سیکھ لی تھی جو پہلے زمانہ میں اہل مدینہ کے بچوں کو کتابت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے اس وقت اوس وخزرج کے مندرجہ ذیل افراد کتابت جانتے تھے: سعد بن عبادۃ، منذر بن عمروؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن مالکؓ، اسید بن حضیرؓ...... مورخ بلاذری نے مدینہ میں کتابت جاننے والوں کی تعداد گیارہ بتائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد کتابت کی طرف خاص توجہ فرمائی کیونکہ وحی کی حفاظت، شاہانِ عالم اور اہل آفاق میں رسالت کی دعوت وتبلیغ کے لیے تحریر کی بہت ضرورت تھی۔ اہل مدینہ میں کتابت کی ترویج کے لئے بھی آپؐ نے توجہ مبذول فرمائی۔ بدر کی جنگ میں جتنے مشرکین گرفتار کئے گئے تھے ان میں جتنے افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی رہائی کے لیے زرِفدیہ کے بدلہ میں آپؐ نے یہ حکم فرمایا کہ ایک ایک قیدی مسلمانوں کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے۔ اور مکمل تعلیم کے بعد ان کی رہائی عمل میں آ جائے گی۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور کافی تعداد میں مدینہ کے مسلمان بچوں نے کتابت سیکھ لی۔

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ابی بن کعبؓ کو کاتب مقرر فرمایا اور ان کی غیر موجودگی میں زید بن ثابتؓ آیات بھی لکھتے تھے اور مراسلات بھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ بھی وحی لکھنے کی خدمت انجام دینے لگے۔ ان کے علاوہ اور حضرات بھی آپ ﷺ کے لیے کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے جیسے خلفائے راشدین ابان بن سعیدؓ، زید بن ارقمؓ اور حنظلہ بن ربیع۔

شیخ محمد عجاج الخطیب لکھتے ہیں کہ کاتبانِ وحی کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تھی اور صدقات، دیون، معاملات اور مراسلات کے کاتبین اور مختلف زبانوں کے کاتب بھی تھے۔ اور مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ مدینہ کی نو مساجد میں طلبہ قرآن مجید اور تعلیمات اسلام کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے تھے اور معلمین جو اوائل اسلام میں تعلیم دیتے تھے ان میں سعد بن ربیع خزرجی جو بارہ نقباء میں ایک تھے کے علاوہ بشیر بن سعد بن ثعلبہ اور ابان بن سعید

بن العاص تھے۔ یہ سب بغیر اُجرت کے تعلیم دیتے تھے۔ ان مساجد کے علاوہ بھی مدارس اور مکاتب تھے جہاں قرآن کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن کی کتابت کھال کے ٹکڑوں، باریک چکنے پتھروں، درخت اور کھجور کی چوڑی شاخوں اور اونٹ کی چوڑی پسلیوں پر ہوتی تھی۔

1.3 کتابتِ حدیث کی ممانعت

قرآن کریم کی آیات کی کتابت ابتدائے نزول سے برابر تسلسل کے ساتھ ہوتی رہی۔ لیکن حدیث کی کتابت ہجرت سے پہلے اور پھر مدینہ میں ہجرت کے بعد ایک عرصہ تک ممنوع کر دی گئی تھی۔ سوائے ان احکام، عہد ناموں اور مراسلات کے جو آپ ﷺ کے حکم سے لکھوائے جاتے تھے جیسے یہودِ مدینہ کے درمیان عہد نامہ، حدیبیہ میں کفارِ مکہ سے صلح کا عہد نامہ، قبائلی سرداروں کے نام فرامین، سلاطین عالم کے نام خطوط وغیرہ۔ اس دور میں آپ ﷺ نے حدیث کی کتابت کی عام اجازت صحابہؓ کو نہیں دی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تكتبوا عنّي غير القرآن، ومن كتب عنّي غير القرآن فليمحه)).

''قرآنی آیات کے علاوہ آپ لوگ مجھ سے جو کچھ سنیں وہ قلم بند نہ کریں۔ اگر کسی نے آیات کے علاوہ کوئی چیز لکھ دی ہو تو اسے چاہیے کہ اسے مٹا دے''۔

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اس بات کی کوشش کی کہ آپ ﷺ ہمیں حدیث لکھنے کی اجازت دیں لیکن آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے اجازت نہیں دی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایسے وقت تشریف لائے کہ ہم روایات لکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم لوگ کیا لکھ رہے ہو؟ ..... ہم نے عرض کیا: وہ روایات جو آپ سے سنتے ہیں۔ ..... آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب۔ تم سے پہلے کی قومیں اس لیے گمراہ ہوئیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتابیں بھی لکھیں۔

1.4 کتابتِ حدیث کی ممانعت کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے اوائل میں کتابتِ حدیث سے جو ممانعت فرمائی تھی اس کی حکمت پر علمائے حدیث نے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ یہاں چند نکات پیش کیے جاتے ہیں:

۱) قرآن مجید بلحاظ بلاغت اعجاز کے جس اعلیٰ مرتبہ میں ہے اس کا مقابلہ کوئی دوسرا کلام نہیں کر سکتا ہے۔ صحابۂ کرام چونکہ فہم وادراک میں متفاوت درجہ رکھتے تھے اس لیے یہ اندیشہ تھا کہ اگر حدیث کی کتابت ہوئی تو اکثر لوگ قرآن اور حدیث کے درمیان فرق نہ کر سکیں گے اور حدیث کو بھی قرآن لکھیں گے۔ جب کہ قرآن کی اشاعت ابھی عام طور سے نہیں ہوئی تھی اور نہ حفاظ قرآن کی تعداد زیادہ ہوئی تھی۔ اس لیے قرآن اور حدیث میں التباس واشتباہ ہو جائے گا۔ اس التباس کے خطرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور قرآن کی آیات میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ آنے کے لیے حدیث کی کتابت ممنوع قرار دی گئی تھی جیسا کہ اسلام سے پہلے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اس التباس واشتباہ کے خطرہ میں پڑ گئے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث کی ممانعت اس وقت تک قائم رکھی جب تک قرآن مجید کی اشاعت عام نہ ہوگئی اور اس کے حفاظ بہت کافی تعداد میں پیدا نہ ہو گئے۔ اس دور میں آپ ﷺ نے صرف حدیث کی روایت اور زبانی نقل اور زبانی حفظ حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔ ساتھ ہی روایت حدیث میں کذب سے منع فرمایا۔

۲) ابتداء میں لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابت عام طور سے اس وقت رائج نہیں ہوئی تھی ...... جو اچھے کاتب تھے وہ قرآن مجید کی کتابت میں مشغول تھے۔ اگر حدیث کی کتابت بھی اس وقت جاری ہو جاتی تو کاتبوں کی توجہ بٹ جاتی اور یکسوئی سے قرآن مجید کی کتابت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے کچھ عرصہ تک کتابتِ حدیث کی ممانعت کی گئی تھی۔

۳) صحابۂ کرام کی اکثریت ایسی تھی کہ اعلیٰ درجہ کی قوتِ حافظہ رکھتے تھے۔ ان کے اس قدرتی قوتِ حافظہ کے ملکہ کو برقرار رکھنے کی خاطر کتابتِ حدیث کی ممانعت کی گئی تھی۔

۴) اس دور میں چونکہ کتابت کا عام رواج نہ تھا اس لیے عام طور پر کتابت ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ لوگ طول طویل نظمیں زبانی یاد کرتے تھے۔ انساب اور تاریخی روایات لوگوں کو ازبر ہوتی تھیں۔ معلومات کے حصول اور انتقال کا دارومدار حافظہ پر تھا۔ آپ ﷺ نے روایات بیان کرنے کی عام اجازت عطا فرمائی تھی البتہ کتابت کی عام اجازت نہیں تھی۔ خواص کو اجازت تھی۔

1.5 کتابتِ حدیث کی اجازت

جب حفاظِ قرآن کی تعداد بڑھ گئی، لکھنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہوگئی اور قرآنِ مجید کا نزول اور اس کی اشاعت بھی بڑی حد تک ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہؓ کو جنہوں نے کتابت حدیث کی اجازت طلب کی تھی اجازت دے دی۔ کیونکہ قرآن اور حدیث میں اب التباس و اشتباہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ انصار کے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کے ارشادات سنتے تھے لیکن یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ مجھ سے پوچھتے تھے تو میں بتا دیتا تھا۔ بعد میں انہوں نے اپنی اسی کمزوری کے بارے میں آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی:

((استعن علی حفظک بیمینک))

''اپنے حافظہ کی مدد اپنے دائیں ہاتھ سے کر لیا کرو۔ (یعنی لکھ لیا کرو)''

اس صحابیؓ کو اجازت مل جانے کے بعد دیگر صحابہؓ نے بھی اجازت طلب کرنے کی جسارت کی۔ حضرت رافع بن خدیج نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ سے بہت ساری باتیں سنتے ہیں کیا ان کو لکھ لینے کی اجازت ہے؟...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھ لیا کرو۔ کوئی حرج نہیں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیدوا العلم بالکتاب...... ''علم کو لکھ لیا کرو''۔

سعید بن بلالؒ کہتے ہیں: جب ہم حضرت انس سے زیادہ پوچھنا شروع کر دیتے تو آپ اپنے پاس سے چونگہ نکالتے اور فرماتے: یہ ہیں وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ حضرت انسؓ کو دس سال کی عمر میں ان کی والدہ ام سلیم نے رسول ﷺ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا تھا کہ: هذا ابنی وهو غلام كاتب ...... ''یہ میرا بیٹا ہے جو کتابت جانتا ہے''۔ حضرت انس آخر وقت تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہے۔ خود فرماتے تھے کہ نو سال تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا۔ بارگاہ نبوت میں اس رسوخ کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات آپ ﷺ ان کو یا بنیّ! کے لفظ سے پکارتے تھے۔ انہی وجوہ سے ان کو کتابتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی۔

محمد بن سعید کی روایت ہے کہ محمد بن مسلمہ انصاری (م ۴۲ھ) کی جب وفات ہوئی تو ہمیں ان کی تلوار کی نیام میں ایک تحریر ملی۔ محمد بن مسلمہ خواص صحابہؓ میں سے تھے۔ آپ ان تین اصحابؓ میں ایک تھے جنہوں نے کعب بن اشرف یہودی کو جو سخت دشمن رسول تھا، قتل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو بعض غزوات میں اہم ذمہ داری بھی سونپی تھی۔ آپ ''جمل'' اور ''صفین'' کے مواقع پر موجود تھے لیکن ان ہنگاموں سے دور رہے۔ آپ کے پاس جو روایات تحریری شکل میں موجود تھیں غالباً اس دور کی ہوں گی جب کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی گئی تھی۔

صحابہ کرام میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ وہ صحابیؓ ہیں جنہوں نے کتابتِ حدیث میں سب سے زیادہ دلچسپی لی۔ آپ کی ولادت ہجرت سے تقریباً سات سال پہلے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں ایک ۱ھ میں مدینہ آئے۔ یہاں آ کر آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ جب آپ کی عمر چودہ سال تھی تو آپ اچھی طرح پڑھ لکھ سکتے تھے۔ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ صحابہ کرام میں آپ کا زہد و تقویٰ اور عبادت بہت مشہور تھی۔ آپ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ آپ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابتِ حدیث کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کی درخواست قبول فرمائی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابتِ حدیث کی اجازت کے لیے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اس ضمن میں اجازت

دی۔ اجازت مل جانے کے بعد میں نے لکھنا شروع کیا۔ آپ نے روایات کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام ''صادقہ'' رکھا تھا۔

عبداللہ بن عمرؓ اپنی کتابت حدیث کی مزید تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا اسے اپنے پاس لکھ لیا کرتا تھا اور نیت تھی کہ اسے زبانی یاد کرلوں۔ جب قریش نے دیکھا کہ میں آپ ﷺ کے ارشادات لکھتا رہتا ہوں تو انہوں نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں۔ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصہ میں ہوتے ہیں اس لیے ہر قسم کی روایات نہ لکھ لیا کرو۔ میں ان کی باتوں میں آ گیا اور لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قریش کی بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنی انگشت مبارک سے زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''اکتب! فوالذی نفسی بیدہ ما خرج منہ إلا حق''

''تم مجھ سے جو کچھ سنتے ہو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری اس زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ حق ہوتا ہے''۔

1.6 صحیفۂ صادقہ کا تعارف

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات اور با قاعدہ اجازت کے بعد عبداللہ بن عمرؓ نے کتابتِ حدیث کا کام جاری رکھا اور جو روایات جمع کیں ان کے مجموعہ کا نام ''الصحیفة الصادقة'' رکھا۔ اس کوشش کو عہد نبوی ﷺ میں تدوین حدیث کی ابتدا سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس صحیفہ کو مجاہد بن جبر نے ابن عمرؓ کے پاس دیکھا تھا۔ مجاہد نے اس کو لے کر دیکھنا چاہا تو ابن عمرؓ نے فرمایا: مہ یا غلام بنی مخزوم (''اے بنی مخزوم کے لڑکے! رک جا'')۔ مجاہد کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یہ کس قسم کی تحریر ہے؟ آپؓ نے فرمایا: یہ 'صادقہ' ہے۔ اس میں وہ احادیث لکھی ہوئی ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سنی ہیں۔ یہ مجموعہ حضرت ابن عمروؓ کو اتنا عزیز تھا کہ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: میری زندگی میں ''صادقہ'' اور ''رہط'' سے زیادہ کوئی چیز مجھے پسندیدہ نہیں۔ حفاظت کی خاطر آپ اس مجموعہ کو صندوق میں رکھتے تھے۔ آپ کا یہ مجموعہ آپ کے خاندان

میں محفوظ رہا۔ آپ کے پر پوتے عمرو بن شعیب اسی سے روایت کرتے تھے۔ مصادر حدیث میں جتنی روایات ''عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده'' کی سند سے وارد ہیں وہ صحیفۂ صادقہ سے منقول ہیں۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اسی کی بیشتر روایات اخذ کی ہیں۔ حافظ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس صحیفہ میں تقریباً ایک ہزار روایات تھیں۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ روایات سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں جن کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر بنتی ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ ان کے مقابلہ میں زیادہ روایات کے حامل تھے اس لیے کہ وہ لکھتے تھے اور ابو ہریرہؓ نہیں لکھتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب وعوامل کی بنا پر عبداللہ بن عمروؓ کی ساری روایات مصادر حدیث میں منتقل نہیں ہو سکیں۔ ورنہ ابو ہریرہؓ کے مقابلہ میں ان کی روایات زیادہ ہوتیں۔ عبداللہ بن عمروؓ چونکہ عبادت وریاضت اور خلوت میں زیادہ رہنے لگے تھے اس لیے جو روایات ان کے حافظہ میں تھیں وہ حافظہ میں رہ گئیں۔ البتہ جو مخطوطہ کی شکل میں تھیں وہ منتقل ہو گئیں۔ ۲۱ھ میں جب سیدنا عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کر لیا تو عبداللہ بن عمروؓ بھی ان کے ساتھ مصر تشریف لے گئے۔ مصر اگرچہ بہت متمدن اور مہذب علاقہ تھا لیکن حجاز میں صحابہؓ کی جتنی تعداد تھی وہ یہاں نہ تھی۔ اس لیے ابو ہریرہؓ کو مرکز میں رہنے سے جو فائدہ ہوا وہ عبداللہ بن عمروؓ کو مرکز سے دور رہنے کی وجہ سے نہیں مل سکا۔

1.7 خطبۂ فتحِ مکہ کی کتابت

۸ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ حدیث وسیرت کے مصادر میں موجود ہے۔ اس کے راوی سیدنا ابو ہریرہؓ ہیں۔ اس موقع پر سامعین میں ابوشاہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ خطبہ میرے لیے لکھوا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اكتبوا لأبي شاه۔ اس حدیث کے منجملہ رواۃ میں ولید بن مسلم اور ان کے شیخ امام اوزاعی بھی ہیں۔ ولید نے امام اوزاعی سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے اس قول: ''اكتبوا لأبي شاه'' کا کیا مطلب ہے؟...... امام اوزاعی نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا منشا یہ تھا کہ ابوشاہ نے جو خطبہ سنا ہے

اسے لکھ کر دیا جائے کیونکہ ابوشاہ کا حافظہ اچھا نہ تھا اور خطبہ زبانی یاد رکھنا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس حدیث سے واضح طور پر کتابتِ حدیث کا نہ صرف ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کے حکم کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔

1.8 عہدِ نبوی ﷺ میں مکتوبہ روایات کا ذخیرہ

رسول اللہ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس معاہدے، فرامین، خطوط اور ضروری ہدایات و احکام لکھوائے۔ یہاں اس ضمن میں اجمال کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک مشہور دستور نامہ وہ ہے جو آپؐ نے ہجرت کے بعد لکھوایا۔ اس دستور میں مہاجر، انصار اور اہلِ یثرب کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ دستور کی ابتداء ان کلمات سے کی گئی ہے:

"هذا كتاب محمّد النبی رسول الله من المؤمنین والمسلمین من قریش وأهل یثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم أنهم أمة واحدة من دون الناس"

''یہ محمد، اللہ کے نبی اور رسول کا نامہ ہے تمام مؤمنین اور مسلمینؔ کی طرف سے جن کا تعلق قریش اور اہلِ یثرب سے ہے اور جو ان کے متعلقین ہیں اور ان کے ساتھ رہ کر جہاد میں شریک رہے ہیں کہ وہ سب امة واحدة میں داخل ہیں۔ مخالفین کے مقابلہ میں یہ سب کے سب ایک ساتھ رہیں گے''۔

1.9 یہودِ مدینہ کے ساتھ معاہدہ

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے انصار اور یہود کو بلا کر درج ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریقوں نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ تاریخ ابن ہشام میں پوری طرح منقول ہے۔ یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

1) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے رائج ہے اب بھی اسی طرح رائج رہے گا۔

۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
۴) یہود یا مسلمان کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
۵) کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔
۶) مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق مل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔
۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔ البتہ مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

1.10 کفارِ مکہ سے معاہدہ کی شرائط

۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر کفارِ مکہ سے آپ ﷺ نے جو صلح کی تھی اس کی شرائط حسب ذیل تھیں:

۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔
۳) مسلح ہو کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا) میں۔
۴) مکہ میں جو مسلمان مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔
۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

ان معاہدات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کو ہدایات اور فرامین واحکام تحریری شکل میں دیئے مثلاً:

۱) رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا اور انہیں ایک تحریر دی جس میں فرائض، سنن اور دیات وغیرہ کا ذکر تھا۔
۲) رسول اللہ ﷺ نے وائل بن حجر کو جو علاقہ حضر موت میں اپنی قوم کے سردار تھے مکتوب بھیجا جس میں

اسلام کے ارکان، نماز وروزہ اور زکوۃ کا نصاب، حدِ زنا اور تحریم خمر کا ذکر تھا اور یہ بھی مذکور تھا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔

(۳ ابن ابی لیلیٰ نے عبداللہ بن حکم سے روایت کی ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک مکتوب پڑھا گیا اس میں مردار جانور کی کھال اور پٹھوں سے متعلق احکام تھے۔

(۴ ابن حنفیہ محمد بن علی بن ابی طالب کی روایت ہے کہ میرے والد نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ یہ مکتوب لو اور عثمانؓ کے پاس لے جاؤ اس میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو صدقہ سے متعلق ہے۔

(۵ حضرت ابوبکرؓ نے انس بن مالکؓ کے پاس وہ مکتوب ارسال کیا جس میں ان صدقات کا بیان تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ اور ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس مکتوب پر رسول اللہ ﷺ کی مہر لگی تھی۔

(۶ ضحاک بن سفیان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی تحریر کرائی ہوئی ایک ہدایت تھی جس میں شوہر کی دیت (خون بہا) کا حکم تھا۔

(۷ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس عہد نبوی ﷺ میں لکھی گئی وہ تحریر تھی جس میں سبزیوں، ترکاریوں پر زکوۃ نہ ہونے کا حکم تھا۔

(۸ مدینہ منورہ کے حرم ہونے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تحریر حضرت رافع بن خدیجؓ کے پاس تھی۔

(۹ رسول اللہ ﷺ نے سلاطین اور حکام کو جو خطوط بھجوائے۔ ان کے مضامین سیرت اور حدیث کے مصادر میں منقول ہیں۔

خود آزمائی ①

۱- قبل اسلام کتابت کے رواج کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ وضاحت کریں۔

۲- رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث سے صحابہ کرامؓ کو کیوں منع کیا تھا اس ممانعت پر بحث کریں۔

۳- کتابت حدیث کے جواز کے بارے میں علماء حدیث نے جو دلائل پیش کئے ہیں۔ ان کا مختصراً جائزہ لیجئے۔

۴- ''صحیفہ صادقہ'' سے کیا مراد ہے اس کا تعارف کیجئے۔

۵- عہد نبویؐ میں مکتوبہ روایات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ اس موضوع پر ایک جامع تحریر نوٹ کیجئے۔

۶- یہود مدینہ اور کفار مکہ کیساتھ آپ ﷺ کے دور میں جو معاہدات ہوئے ان معاہدات کی شرائط بیان کیجئے۔

② سنّت ...... خلافتِ راشدہ کے عہد میں

2.1 سنت نبوی ﷺ ...... عہدِ صدیق اکبرؓ میں

دورِ رسالت میں اللہ جل شانہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تشریع اسلامی کا کام ہوتا رہا۔ وحی الٰہی کا نزول جاری تھا جس کی مسلسل تبلیغ پورے انہماک سے رسول اللہ ﷺ لوگوں میں فرماتے اور اس کے مقاصد کو بیان فرماتے اور سارے عالم کے اہل ادیان کو دعوت حق دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ امت کے تمام امور، قضایا، فتاویٰ، مالی، سیاسی اور عسکری تنظیم میں مرجع اعلیٰ تھے اور تمام صحابہؓ کے روبرو دینی اور دنیاوی تمام امور سرانجام دیتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور وحی منقطع ہوگئی اور امت کے پاس دو ہی چیزیں رہ گئیں: ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا:

((ترکت فیکم أمرین، لن تضلوا ما تمسکتم بهما، کتاب الله وسنّتی))

''میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک تمہارا تعلق ان کے ساتھ رہے گا تم سیدھی راہ پر رہو گے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت''۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سقیفہ بنی ساعدہ کے جلسۂ عام میں تمام مسلمانوں کے اتفاقِ رائے سے خلیفہ منتخب کئے گئے تو آپ نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی اطراف ملک کے حالات پر گہری نظر ڈالی۔ آپؓ نے دیکھا کہ مخالفین اسلام کی وہ طاقتیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں روپوش ہوگئی تھیں آپ ﷺ کی وفات کی خبر سنتے ہی دفعتاً نمودار ہوگئیں۔ ایک طرف مسیلمۂ کذاب تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اپنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے لشکرِ جرار تیار کر رہا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی ایک معقول تعداد نے زکاۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اسلامی ریاست کے مالی نظام کا ڈھانچہ درہم برہم ہونے والا تھا اور اقتصادی نظام کی برہمی سے تمام دینی اور دنیاوی کام

رک جاتے۔ تیسری طرف روم کی سلطنت کی طرف سے مسلمانوں کو دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ ان متعدد خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آمادہ ہو گئے۔ پہلے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو طلب کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایک اسلامی لشکر کا سردار بنا کر علم دیا تھا۔ اور وہ اہلِ روم کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہونے والے تھے کہ آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہو گئی اور چند روز کی علالت کے بعد اپنے پروردگار سے جا ملے۔ جس کی وجہ سے حضرت اسامہؓ کی روانگی ملتوی ہو گئی تھی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے حضرت اسامہؓ کو دوبارہ سالارِ لشکر بنایا اور علم عطا کیا اور فرمایا: ''جس جھنڈے کو رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہے اس کے کھولنے کا مجھے اختیار نہیں ہے''۔ دوسری طرف خالد بن ولیدؓ کو جھنڈا دیا تا کہ وہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے باغیوں اور مسیلمۂ کذاب اور اس کی قوم سے جہاد کریں۔ مانعینِ زکاۃ کہتے تھے کہ ہم نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے کہا: خلیفۂ رسول اللہ! مانعینِ زکوٰۃ کی بات مان لیجئے اور ان سے جنگ نہ کیجئے کیونکہ وہ سب دائرہ اسلام میں نو وارد ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فاذا قالوها
عصموا منّی دمائهم و أموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله))

مقصد یہ کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق لڑنا اور ان کو جان سے مارنا جائز نہیں۔ سیدنا عمرؓ فاروق بھی اسی رائے کے قائل تھے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ زکوٰۃ حق المال ہے جس کے انکار پر جنگ ضروری ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی رائے کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ جو جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ نے اس موقع پر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نماز اور زکوٰۃ میں تفریق نہیں کرتا ہوں۔ اگر مانعینِ زکوٰۃ ایک عقال (اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی) سے بھی انکار کریں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بطورِ زکوٰۃ ادا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں تنہا ان سے جہاد کروں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ خیر الحاکمین ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کے سینوں کو کھول دیا اور سب ابوبکر صدیقؓ کے قول سے متفق ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ ہم سب نے جنگ کی اور ہم لوگوں کی یہی رائے ہو گئی کہ یہی راستی اور سچائی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے خالد بن ولیدؓ اور اسامہ بن

زیدؓ کی سرکردگی میں دو اسلامی لشکر روانہ کئے تھے۔ یہ دونوں مہمات کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر والوں نے مسیلمۂ کذاب کو قتل کیا اور اس کی فوج پراگندہ ہو کر ملیا میٹ ہوگئی۔ مانعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنی مہم میں کامیابی ہوئی۔

مسیلمۂ کذاب کے مقابلہ میں جو جنگ لڑی گئی۔ وہ چونکہ مدعی نبوت کے خلاف تھی اس لیے صحابہؓ کرام نے بہت جوش وجذبہ کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ اور ایسے صحابہؓ جو کبار اور حفاظ تھے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اور ناموس کی خاطر شریک ہوئے۔ جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔ لیکن اس میں حفاظ صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد نے جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ جنگ چونکہ یمامہ کے مقام پر لڑی گئی اس لیے اس کو ''جنگ یمامہ'' کہتے ہیں۔ ان حفاظ کی شہادت کی خبر جب مدینہ منورہ پہنچی تو مسلمانوں کو بے حد قلق اور رنج ہوا۔ حضرت عمرؓ بھی متاثر ہوئے اور فوراً صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے اور فرمایا کہ جہاد کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا لیکن اگر اسی طرح حفاظِ قرآن شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کی حفاظت مشکل ہو جائے گی کیونکہ ابھی تک قرآن کی آیات مختلف قطعات پر لکھی ہوئی ہیں۔ اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ جلد از جلد قرآن کریم کی آیات کو لکھوا کر مدوّن کیا جائے۔ صدیق اکبرؓ نے نہایت غور وفکر اور سوال وجواب کے بعد حضرت عمرؓ کی تجویز کو پسند کیا اور زید بن ثابتؓ کو طلب کیا جو پہلے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کاتبِ وحی رہ چکے تھے اور ان کی نگرانی میں قرآنی آیات کو لکھوا کر مدوّن کر دیا۔ یہ نسخہ ابوبکر صدیقؓ کی امانت میں رکھا گیا۔

قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ سنت رسول ﷺ کا تھا اس کی تدوین کی طرف بھی صدیق اکبرؓ توجہ دینا چاہتے تھے لیکن آپؓ کی عمر نے وفا نہیں کی۔ دو سال تین ماہ تک آپؓ نے خلافت کے امور کو انجام دیا۔ صدیق اکبرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی یہ دیکھا کہ صحابہ کرام حدیث کی روایت اور فہم میں متفاوت ہیں۔ اس لیے کہ سارے صحابہ فقیہ نہ تھے۔ ان صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا تھا اور آپ ﷺ کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا لیکن روایات کی تطبیق اور استنباط کے ضمن میں اس وقت کوئی ایسا سلسلہ نہیں تھا۔ صحابہؓ زیادہ تر حدیث کے راوی تھے وہ احادیث کو انہی الفاظ میں بیان کرتے تھے جن الفاظ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ ان کو اس سے مطلب نہ تھا کہ کونسی حدیث ناسخ ہے اور کونسی منسوخ ہے۔ عزیمت والی

حدیث کون سی ہے اور رخصت والی حدیث کون سی ہے اس بنا پر ایک صحابی کسی مسئلہ کی رخصت والی حدیث بیان کرتے اس پر عمل کرنے کے لیے زور دیتے تھے تو دوسرے صحابیؓ اس کے خلاف اس مسئلہ میں عزیمت پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کو مجبور کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی ایک شخص کو سفر کی حالت میں سر میں چوٹ لگی تھی جس سے سر زخمی ہو گیا تھا اسی حالت میں اسے غسل کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اس نے اپنے ساتھی صحابہؓ سے پوچھا تو انہوں نے تیمم کے بجائے اسے غسل کرنے کی ہدایت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غسل کرنے کے بعد اس کی تکلیف بڑھ گئی اور وہ انتقال کر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے رخصت پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ تیمم کر لیتا تو کافی تھا۔

رسول اللہ ﷺ جو احکام دیتے تھے ان میں بعض احکام وقتی ہوتے تھے پھر وہ وقت گذر جانے اور حالات کے مناسب ہونے پر ان کو منسوخ فرما دیتے یا کراہت کو اجازت میں بدل دیتے تھے جیسا کہ ایک سال آپ ﷺ نے قربانی کے اضافی گوشت کو تین دنوں سے زیادہ بطور ذخیرہ رکھنے سے منع فرمایا۔ دوسرے سال لوگوں نے جب اس ہدایت پر عمل کرنے کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے قربانی کے دن مساکین کی کثرت کو دیکھ کر تمہیں گوشت بچانے سے روکا تھا۔ اب تمہیں اجازت ہے۔ تم قربانی کا گوشت کھاؤ، خیرات کرو اور بچاؤ۔

روایات میں اختلاف کو دیکھ کر ابو بکر صدیقؓ نے صحابہ کرامؓ کو حدیث کی روایت کرنے میں احتیاط کا مشورہ دیا۔ آپؓ نے خیال کیا کہ روایت کے نتیجہ میں اگر صحابہؓ کرام ان راجح و مرجوح کی اختلافی مسائل میں پڑ گئے تو وہ فتنے جو چاروں طرف منہ کھولے کھڑے تھے تقویت حاصل کر لیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؓ نے صحابہؓ کرام کو روایت حدیث میں انتہائی احتیاط اور سوچ و بچار کی ہدایت کی۔ ابن ابی ملیکہ کی مراسیل میں ہے:

صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں روایت کرتے وقت آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ آپ کے بعد لوگوں میں

اختلاف اور شدید ہو جائے گا اس لیے آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث نہ بیان کریں آپ سے کوئی پوچھے تو یہ کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھو۔ ایسی صورت حال میں جبکہ قرآن مجید کی آیات کی تدوین کا کام شروع بھی نہ ہوا تھا اور طاقتور دشمنوں کے حملے سروں پر منڈلا رہے تھے روایت حدیث کو وقتی طور پر روکنا صدیق اکبرؓ کے لیے ضروری ہو چکا تھا کیونکہ احادیث کی روایت سے باہم اختلافات ہونے لگے تھے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صدیق اکبر نفس حدیث یا اس کی کتابت کے مخالف تھے جس کی اجازت عہدِ نبوی ﷺ کے آخری ایام میں ہو چکی تھی۔ اگر صدیقِ اکبرؓ کتابتِ حدیث کے جواز کے قائل نہ ہوتے تو وہ خود رسول اللہ ﷺ کی پانچ سو حدیثیں نہ لکھتے جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں حاکم کی روایت نقل کی ہے۔

امام حاکم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کتابتِ حدیث کے جواز کے قائل تھے جب ہی تو انہوں نے پانچ سو حدیثیں دوسرے صحابہؓ سے نقل کر کے یا لکھوا کر کے اپنے پاس رکھی تھیں۔ اور ایک عرصہ تک یہ روایات ان کے پاس محفوظ رہیں۔ بعد میں انہوں نے اس مجموعہ کو نذرِ آتش کر دیا اور اس کا سبب یہ بتایا کہ ان روایات کے رُواۃ تو معتمد اور ثقہ وعادل تھے لیکن روایات کو نقل کرنے میں وہ اہتمام نہیں تھا جو ہونا چاہئے تھا۔ اس واقعہ کو پیشِ نظر رکھ کر ہرگز یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ ابوبکر صدیقؓ حدیث اور کتابتِ حدیث کے مخالف تھے۔ پانچ سو روایات کا جمع کرنا سنت کی حجت کی بنا پر تھا اور پھر ان کی نقل میں شک ہو جانے کے باعث نذرِ آتش کرنا دوسری علت کی بنا پر تھا۔ حدیث یا کتابت حدیث کی مخالفت کی بنا پر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور سنتِ نبوی ﷺ پر جس قدر جان نثار اور شیفتہ ابوبکر صدیقؓ تھے اس کی مثال پیش کرنی مشکل ہے۔ آپؓ کو قضایا، فتاوی اور مقدمات کے متعلق قرآن مجید میں اگر حکم نہ ملتا تو صحابہ کرام سے حدیث دریافت کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ سابقین اولین میں سے تھے بلکہ ایمان لانے والے مردوں میں پہلے شخص تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں رہے تھے۔ ان سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کا جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ مگر وہ بہ نظر احتیاط حدیث کی روایت

بہت کم کرتے تھے اور ایک لفظ وحرف کے فرق کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی ان سے مروی احادیث کی تعداد ایک سو بیالیس (۱۴۲) کے لگ بھگ ہے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے فرمایا: حد ثنی ابوبکر، وصدق ابوبکر۔

ایک موقع پر ابوبکر صدیقؓ نے حضرت براءؓ کے والد عازب کو ہجرت کے پورے واقعات سنائے۔ انبیاء کی میراث سے متعلق روایت آپ نے بطورِ استدلال پیش کی۔ اس روایت کی تصدیق ان ممتاز صحابہؓ نے کی جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ مقصد یہ کہ صدیق اکبرؓ نے انتظاماً صحابہ کرام کو حدیث کی روایت میں احتیاط کا مشورہ دیا تھا۔ اگر آپؓ کی خلافت کی مدت طویل ہو جاتی تو جس طرح آپ نے قرآن مجید کی آیات لکھوا کر ان کی باقاعدہ تدوین کی اسی طرح قرآنِ کریم کے بعد احادیثِ نبوی ﷺ کو صحابہ کرام کے سینوں سے اور مکتوبہ اجزاء سے جمع کرا کر تدوین حدیث کی خدمت بھی انجام دے دیتے۔ اور روایات کے اختلافات کو تطبیق دے کر مٹا دیتے لیکن اللہ جل شانہ کی یہی مشیت تھی کہ تدوین حدیث کی خدمت دیگر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور محدثین کا طبقہ اپنی مسلسل کوشش اور جدوجہد سے انجام دے تاکہ حدیث کی طلب میں نشاطی حرکت تیز تر ہو اور اسی حرکت وطلب اور جستجو سے حدیث کے بہت سے دوسرے علومِ متعلقہ بھی پیدا ہوں جس سے امتِ مسلمہ کی آنے والی نسلیں زیادہ سہولت کے ساتھ استفادہ کر سکیں۔

2.2 سنتِ نبوی ﷺ......عہدِ فاروقؓ میں

ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد عمر فاروقؓ کا عہدِ خلافت آیا۔ آپ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں قرآنِ مجید کی تعلیم، ترویج اور اشاعت میں انتہائی کوشش کی۔ ساتھ ہی روایات کے جمع کرنے اور کتابت کر کے تدوینِ حدیث کا خیال آیا۔ اس بارے میں جب صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو اکثریت کی طرف سے مثبت جواب ملا۔ لیکن آپ نے صورتِ حالات کا جائزہ لینے کے بعد تدوینِ حدیث کے ارادہ کو بدل دیا۔ حضرت عروۃ بن الزبیرؓ اس بارے میں بیان کرتے ہیں:

''حضرت عمر بن الخطابؓ نے سنن لکھوانے کا ارادہ کیا۔ اس بارے میں صحابہؓ

ے مشورہ کیا۔ سبھوں نے مشورہ دیا کہ سنن لکھے جائیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے۔ پھر ایک دن جب انہیں شرح صدر ہوا تو فرمایا: میں سنن کی کتابت کرانا چاہتا تھا کہ ایک قوم یاد آ گئی جو تم سے پہلے تھی۔ جس نے بہت کتابیں لکھیں اور ان کتابوں پر جھک گئی اور اللہ جل شانہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ بخدا! میں کتاب اللہ میں کبھی کوئی چیز ملانا نہیں چاہتا ہوں''۔ (جامع بیان العلم: ج۱،ص۴۴)

حضرت عمرؓ نے سنن کی عدمِ کتابت کا فیصلہ عجلت کے نتیجہ میں نہیں بلکہ کامل غور وفکر اور ایک ماہ تک استخارہ کرنے کے بعد فرمایا۔ آپ کا مقصد بھی وہی تھا جو خلیفۂ اول کا تھا کہ پہلے کتاب اللہ کی پوری اشاعت ہو جائے اور حفاظِ قرآن بکثرت پیدا ہو جائیں۔ اس کے بعد سنت کی تدوین عمل میں آئے۔ بہ یک وقت دو اہم کام جاری نہیں رہ سکتے ہیں۔ سنت کے محافظین حفاظ حدیث کی کافی تعداد موجود ہے۔ انہوں نے اپنے سینوں میں محفوظ طریقہ سے سنن کو رکھا ہے اور مسلسل مذاکرہ کی وجہ سے اس کی حفاظت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ مناسب وقت میں اس کی تدوین بھی عمل میں آ جائے گی۔ مگر ضرورت اس کی تھی کہ حدیث کی روایت میں اعتدال آ جائے۔ اگر کثرتِ حدیث کی روایت اس زمانے میں کی جائے جبکہ تدوینِ حدیث عمل میں نہیں آئی ہے تو مخالفین اسلام اور منافقین کو موضوع حدیث بیان کرنے کا موقع مل جائے گا اس خیال سے حضرت عمرؓ نے روایتِ حدیث کی کثرت کو روکا اور اس پر سختی سے عمل کیا۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

''عمر فاروقؓ زیادہ روایت کرنے والوں کو سختی سے روکتے تھے اور ایسے لوگوں کے ساتھ بھی سختی برتتے تھے جو کسی حکم میں کوئی خبر بغیر شاہد (گواہ) کے لاتے تھے''۔ (تاویل مختلف الحدیث: ص۴۸، ۴۹)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کثرتِ روایت پر سختی کا عمل عمر فاروقؓ کی تنہا ذاتی رائے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ دیگر جلیل القدر صحابہؓ کا بھی اس زمانے میں یہی خیال تھا۔ ابن قتیبہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اکثر جلیل القدر صحابہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے خاص الخاص حضرات جیسے ابوبکر صدیقؓ، زبیرؓ، ابوعبیدہؓ، عباسؓ بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ سے بہت کم روایت کرتے تھے، بلکہ بعض تو تقریباً روایت ہی نہیں کرتے تھے۔ جیسے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے''۔ (تاویل مختلف الحدیث: ص ۴۸)

حضرت عمرؓ نے قرظہ بن کعبؓ کو وفد کی صورت میں کوفہ روانہ کرتے وقت وصیت کی تھی کہ روایت کم کرنا۔ قرظہ بن کعبؓ کا بیان ہے:

''ہمیں عمر بن الخطابؓ نے کوفہ روانہ کیا اور مقام جرار تک جو مدینہ کے قریب ہے ہمارے ہمراہ رہے۔ یہاں آ کر آپؓ نے پوچھا: تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ یہاں تک آیا؟...... ہم نے جواب دیا: چونکہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے اور ہمارا تعلق انصار سے ہے۔ تو آپ نے ان دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر ہماری عزت افزائی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں آپ کے ساتھ یہاں تک اس لیے آیا ہوں کہ مجھے آپ لوگوں سے ایک اہم بات کرنی ہے۔ آپ میری اس بات کو سنیں اور اس پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ پھر فرمایا: آپ لوگ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں جس کے دل میں قرآن کے ساتھ اتنا تعلق اور عقیدت ہے کہ تلاوت کرتے وقت ان کے دل اس طریقہ سے حرکت کرتے ہیں جس طرح حرارت کی وجہ سے دیگچی متحرک ہوتی ہے۔ وہ لوگ جب آپ کو دیکھیں گے تو آپ کی طرف آگے بڑھیں گے اور کہیں گے کہ یہ صحابہؓ ہیں۔ وہ آپ سے سننا چاہیں گے۔ میری وصیت ہے کہ ان کے سامنے احادیث کم سے کم

بیان کریں۔ اس معاملہ میں آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گے"۔ (سنن ابن ماجہ: ص۹)

حضرت عمرؓ نے جب ابوموسیٰ اشعری سے یہ حدیث سنی:

((اذا سلم احدکم ثلاثا فلم یجب فلیرجع))

"جب تم میں سے کوئی کسی کو تین بار سلام کرے اور گھر کے اندر سے جواب نہ ملے تو اسے واپس چلا جانا چاہیے"۔

تو فرمایا: ابوموسیٰ! اس حدیث پر تم گواہ پیش کرو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ اور جب دوسرے صحابہ نے ابوموسیٰؓ کی روایت کردہ حدیث کی تصدیق کی۔ تو عمر فاروقؓ نے اسے قبول کیا۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابی بن کعب نے عمر فاروقؓ کی موجودگی میں حدیث بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب سے اس کی تصدیق کے لیے گواہ طلب کیا۔ جب انصار میں سے بعض حضرات نے اس کی تصدیق کی تو عمر فاروقؓ نے ابی بن کعب کو مخاطب کیا اور فرمایا:

((اما إنی لم اتھمک ولکن أحببت أن أثبت))

"میں آپ کو ناقابل اعتماد نہیں سمجھتا لیکن میری خواہش تھی کہ اس حدیث کی مزید تائید ہو"۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج۱،ص۷)

ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرۃؓ سے پوچھا: کیا آپ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اسی طرح روایات بیان کرتے تھے؟...... ابوہریرۃؓ نے جواب دیا: اگر میں حضرت عمر کے دور میں اسی طرح کثرت سے روایات بیان کرتا تو وہ مجھے سختی سے منع فرماتے۔ (جامع بیان العلم: ج۲،ص۱۲۱)

جو لوگ حدیث وسنت کی تشریعی حیثیت کے قائل نہیں وہ حضرت عمرؓ کی کثرت روایت کے ضمن میں سختی کو بنیاد بنا کر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صرف قرآن مجید کو اسلامی تشریع کا مصدر قرار دیتے تھے اور حدیث سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین جلیل القدر صحابہؓ کو کثرت روایت کی بناء

پر قید میں ڈالا تھا۔ ثبوت کے لیے یہ حضرات حافظ ذہبی کی نقل کردہ یہ روایت پیش کرتے ہیں:

"إن عمر حبس ثلاثة، ابن مسعود وأبا الدرداء وأبا مسعود الأنصاری فقال: قد أكثرتم الحديث عن رسول اللهﷺ."

حدیث کے مخالفین اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حدیث قرظہ کو بھی پیش کرتے ہیں جو شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے۔ ان حضرات کے اس فرضی الزام کا جواب یہ ہے کہ حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں تین صحابہؓ کے متعلق ''حبس'' کا لفظ آیا ہے۔ یہاں حبس کے معنی قید کرنے کے نہیں ہیں۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے امام رامہرمزی نے اپنے شیخ ابوعبداللہ ابن البری کی یہ روایت نقل کی ہے:

((أن عمر بن الخطاب حبس بعض أصحاب النبیﷺ، فيهم إبن مسعود وأبوالدرداء، فقال: قد اكثرتم الحديث عن رسول اللهﷺ. قال أبو عبدالله ابن البری، يعنی منعهم من الحديث ولم يكن لعمر حبس)). (المحدث الفاصل: ص ۱۳۳)

''عمر فاروقؓ نے رسول اللہﷺ کے بعض صحابہؓ کو ''حبس'' میں کر دیا تھا جن میں ابن مسعودؓ اور ابوالدرداءؓ بھی تھے۔ اور فرمایا کہ تم نے روایت حدیث میں بہت کثرت کر دی ہے''۔ ابوعبداللہ ابن البری کہتے ہیں کہ عمر فاروق نے ان اصحاب کو حدیث کی روایت کرنے سے صرف منع کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ روایتِ مذکورہ میں ''حبس'' کا جو لفظ آیا ہے وہ ''قید'' کے معنی میں نہیں بلکہ منع کے معنی میں ہے''۔

حافظ ابن البری کی یہ تعبیر بہت عمدہ ہے۔ حضرت عمرؓ کی ممانعت کثرتِ حدیث میں اس لیے ہوتی تھی کہ سامعینِ حدیث میں زیادہ غور وفکر نہ کرسکیں گے، اور راویانِ حدیث کثرت روایت کے باعث ضبط، تثبت اور اتقان کے اصول کو ملحوظ نہ رکھیں گے جس کی وجہ سے حدیث میں کمی بیشی کا اندیشہ رہے گا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک

حدیث کی روایت مذموم نہ تھی کیونکہ خود ان سے بکثرت حدیث کی روایت ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ نے پانچ سو سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ اور چند صحابہؓ کو چھوڑ کر تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی ہیں۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرۃؓ ہیں وہ قید نہ ہوں اور تین جلیل القدر صحابہؓ قید کر دیے جائیں۔ ابو ہریرۃؓ نے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴)، ابن مسعودؓ نے آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸)، ابوالدرداءؓ نے ایک سو اناسی (۱۷۹) اور ابو مسعودؓ نے ایک سو دو (۱۰۲) احادیث روایت کی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عمر فاروقؓ مکثرین صحابہؓ کی جانچ لیا کرتے تھے۔ جب انہیں اس بات کا اطمینان ہو جاتا تھا کہ زیادہ روایت کرنے والے صحابیؓ کا حافظہ قوی ہے اور وہ حدیث پورے ضبط کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اسے حدیث کی روایت کی عام اجازت دیتے تھے جو اجازت نامہ اور سند کی حیثیت ہوتی تھی۔ حافظ ذہبیؒ، ابو ہریرۃؓ کی روایت بیان کرتے ہیں:

> ''ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس میری کثرتِ روایت کی خبر پہنچی۔ انہوں نے مجھے طلب کیا اور کہا: کیا تم ہمارے ساتھ اس دن تھے جس دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فلاں شخص کے گھر میں تھے۔ میں نے کہا: جی ہاں! میں موجود تھا۔ میں حضرت عمرؓ کے سوال کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ آپؓ نے مجھے مخاطب کیا اور پوچھا: میں نے تم سے یہ سوال کیوں کیا؟...... میں نے کہا: جس دن ہم ساتھ تھے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہ کی ہو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ حضرت عمرؓ نے میری زبان سے یہ حدیث سنی اور فرمایا: جاؤ اور حدیث کی روایت کرو''۔ (سیر اعلام النبلاء: ج ۲، ص ۴۳۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرۃؓ کو جو حدیث کی روایت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں محض ان کے حفظ، تثبت اور اتقان کے امتحان کے لیے طلب کیا تھا جب وہ حضرت عمرؓ کے امتحان

میں پورے اترے تو انہیں حدیث کی روایت کی عام اجازت دے دی گئی۔ اسی طرح تین جلیل القدر صحابہؓ کو حفظ، تثبت اور اتقان کے امتحان اور جانچ کے لیے کچھ دنوں تک حدیث کی روایت سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس مفہوم کی تائید خطیب بغدادی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

((بعث عمر بن الخطاب إلى عبدالله بن مسعود وإلى أبي الدرداء، وإلى أبي مسعود الأنصاري، فقال: ما هذا الحديث الذين تكثرون عن رسول اللهﷺ؟ فحبسهم بالمدينة حتى استشهد لفظهم سواء)). (شرف أصحاب الحديث: ص ۹۷)

''عمر فاروقؓ نے عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداءؓ اور ابومسعود انصاریؓ کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا: یہ کیا حدیث ہے جس کی روایت آپ لوگ کثرت سے کر رہے ہیں؟ ...... حضرت عمرؓ نے ان حضرات کو مدینہ میں روایت کرنے سے منع کر دیا تھا تا آنکہ حضرت عمرؓ کو شہادت مل گئی کہ ان سب کی روایت میں الفاظ وکلمات برابر اور یکساں ہیں''۔

خطیب بغدادی کی اس روایت سے واضح ہو گیا کہ ''حبس'' کے معنی صرف قید کرنے ہی کے نہیں بلکہ منع کرنے کے بھی ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب ان تینوں کی روایت میں الفاظ متفق اور یکساں نظر آئے اور روایت میں اختلاف نہیں پایا تو ان تینوں کے لیے روایت کی ممانعت باقی نہ رہی۔ حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبلؓ کے متعلق بھی حبس کا لفظ استعمال کیا تھا جو ابن سعد کی روایت میں ہے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جب معاذ بن جبل ملک شام جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے چلے جانے سے مدینہ میں فقہ اور فتویٰ دینے میں خلل ہو گا اس لیے حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول سے ان کو روکنے کے لیے کہا۔ اس روایت کی عبارت یوں ہے:

((لقد كنت كلمت ابا بكر رحمه الله أن يحبسه لحاجة الناس إليه، فأبى علي فقال: رجل أراد الجهاد يريد الشهادة فلا أحبسه))

''حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے ابوبکرؓ سے لوگوں کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر معاذ بن جبل کو روکنے کے لیے کہا مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ وہ جہاد اور شہادت چاہتے ہیں اس لیے میں انہیں نہیں روکنا چاہتا''۔

اس عبارت میں دو جگہ ''حبس'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی قید میں ڈالنے کے نہیں ہیں بلکہ روکنے کے ہیں۔ اسی طرح تینوں صحابہؓ جن کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کے متعلق بھی راوی نے حبس کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں بھی معنی روکنے ہی کے ہیں نہ کہ جیل میں ڈالے جانے کے۔

حضرت عمرؓ ان تینوں صحابہؓ کی قدر و منزلت کو جانتے تھے، ان کے زہد و تقویٰ سے واقف تھے۔ ان کے علمی رتبے سے آگاہ تھے چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تو کوفہ والوں کے نام خط میں ابن مسعودؓ کا اس طرح تعارف کرایا۔

''كتب إلى أهل الكوفة: إني والله الذي لا إله إلا هو، أثرتكم به على نفسي فخذوا منه'' (سير أعلام النبلاء: ج ١، ص ٣٥١)

''اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے ابن مسعودؓ کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے تمہارے پاس بھیجنے کے لیے ترجیح دی ہے۔ تم ان سے بھرپور استفادہ کرو۔

ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كنيف ملئ علماً، أثرت به أهل القادسية

''ابن مسعود وہ ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے انہیں اہل قادسیہ کی تعلیم و تربیت کے لیے منتخب کیا ہے''۔

ابوالدرداءؓ بھی اپنی اعلیٰ شخصیت اور علمی خصوصیت کی بنا پر بلادِ شام میں قاضی اور معلم کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ کیا ایسی بلند تر ہستیوں کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں کثرت روایت کی بنا پر جیل

میں ڈال دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں ایسا خیال کرنا انتہائی نامناسب ہے جبکہ عمر فاروقؓ خود حدیث کی اشاعت میں بھی اسی طرح کوشاں تھے جس طرح وہ قرآن مجید کی تعلیم اور اشاعت میں تھے۔ وہ اپنے تمام فیصلوں میں خلیفہ اول کے طریق کار اور منہج پر عمل کرتے تھے۔ پہلے وہ قرآن کریم کی طرف رجوع کر کے اس سے ہدایت حاصل کرتے تھے اگر کسی مسئلہ میں قرآن میں حکم نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور صحابہؓ کرام سے بھی سنت کے احکام حاصل کرتے تھے۔

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ جل شانہ کا نام لے کر میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے جنین کے متعلق سنا ہے؟ ــــ جمل بن مالک نے سنا تو کھڑے ہو کر کہا: میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو خیمہ کی لکڑی سے مارا جس سے اس کا مردہ جنین ساقط ہو گیا۔ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک غرۃ ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر میں یہ حدیث نہ سنتا تو دوسرا فیصلہ کر دیتا۔

شام میں جب طاعون کی وبا پھیلی تھی حضرت عمرؓ نے مقام سرغ پر مڑ کر تمام صحابہ سے مشورہ کیا۔ آخر میں عبدالرحمٰن بن عوف نے جب حدیث پیش کی تو اس کے مطابق فوج کو وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ سے موزوں پر مسح کی حدیث سن کر قبول فرمایا اور اپنے فرزند عبداللہ بن عمر کو ہدایت کی:

"إذا حدث سعد بشيء فلا ترد عليه، فانّ رسول الله ﷺ كان يمسح على الخفين"

"جب تم سے سعد کسی چیز کے متعلق حدیث بیان کریں تو اسے رد نہ کرو۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا ہے"۔

اس طرح کی بہت ساری مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن یونٹ میں زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لیے اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ ان سینکڑوں مثالوں سے جو مصادر میں موجود ہیں واضح طور پر ثابت ہوتا

ہے کہ حضرت عمرؓ سنت نبوی ﷺ کے کس قدر دلدادہ تھے اور ان کا عمل سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق ہوتا تھا اور آپ سنتِ نبوی ﷺ کو صحیح طور سے رائج کرنے میں کوشاں رہتے تھے اور جب ان کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی مفتوحہ ممالک میں بھی اشاعت کافی ہوگئی جس کی تصدیق امام ابن حزم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ: جس وقت حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو مصر سے عراق تک اور عراق سے شام تک اور شام سے یمن تک قرآن مجید کے جو نسخے پھیلے ہوئے تھے ان کی تعداد اگر ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کم بھی نہ تھی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ قرآن کا وہ نسخہ جو عہدِ صدیقی میں مرتب کرا کے محفوظ کرلیا گیا تھا اور اس کی نقلیں اسلامی مراکز میں نہیں بھیجی گئی تھیں بلکہ حفاظِ قرآن سے سن کر عہدِ فاروقی میں کتاب اللہ کی اشاعت ہو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو جب قرآن کی اشاعت پر اطمینان ہوگیا اور حدیث اور قرآن میں التباس کا خوف بھی نہ رہا تو حدیث کی روایت اور کتابت میں حضرت عمرؓ کا جو تشدد تھا اس میں اعتدال پیدا ہوگیا اور سنتِ نبوی ﷺ کی روایت اور ترویج میں کوشش فرمانے لگے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: خير الهدى هدى محمّد صلى الله عليه وسلم۔ آپ نے ایک موقعہ پر صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

"سيأتي قوم يجادلونكم بشبهات القرآن، فخذوهم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله"

"تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن میں شبہات ڈال کر تم سے جھگڑیں گے۔ انہیں سنن کے ذریعہ رام کیا کرو۔ اصحاب سنن کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھتے ہیں"۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے:

"تعلموا الفرائض والسنة كما تتعلموا القرآن"

"فرائض اور سنت کو اسی طرح سیکھو جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو"۔

حضرت عمرؓ نے جب حدیث کی روایت اور کتابت کے ضمن میں تشدد میں کمی کر دی تو خود بھی انہوں نے حدیث لکھ کر دوسروں کے پاس ارسال کی۔

ابوعثمان نہدی کا بیان ہے: ہم عتبہ بن فرقد کے پاس تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں رسول اکرم ﷺ کی کچھ حدیثیں لکھ کر بھیجیں ان احادیث میں ایک حدیث یہ تھی:

لا يلبس الحرير في الدنيا إلا من ليس له في الآخرة من شيء إلا هكذا وقال بأصبعيه للسبابة والوسطى. (مسند إمام أحمد بن محمد بن حنبل)

اس سے حضرت عمرؓ کا منشا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روایت اور کتابت حدیث کے مخالف نہیں تھے بلکہ ان کی نیت قرآن مجید کی عام اشاعت اور سنت کی روایت اور کتابت میں کامل احتیاط پر مبنی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسی طرزِ عمل کو اختیار کیا تھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تھا۔

2.3 سنت...... عہدِ خلافتِ عثمانی میں

حضرت عثمان خلیفۂ ثالث کا یہ اہم کارنامہ ہے کہ جب آپ کو اسلامی مملکت کے مختلف گوشوں سے یہ اطلاع دی گئی کہ قرآن کریم کی قرأت میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور نزاع نے سخت صورت اختیار کر لی ہے تو اس اطلاع کے بعد آپ نے وہ صحیفۂ قرآن منگوایا جو ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں مدون و مرتب کیا گیا تھا اور کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں اس کی سات کاپیاں کرائی گئیں اور نقول کا ایک ایک نسخہ اسلامی مملکت اسلامی کے مرکزی مقام کو روانہ کیا گیا۔ اور ہدایت کی گئی کہ اس صحیفہ کے مطابق عمل کیا جائے جس سے لوگوں کے اختلافات ختم ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی کثرت روایت حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے طریقے پر چلنے کی کوشش کی۔ محمود بن لبید کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: ''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیث روایت کرے جسے میں نے عہد ابوبکرؓ اور عہدِ عمرؓ میں نہ سنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں مجھے یہ امر مانع نہیں ہے کہ میں آپ کے اصحاب کے مقابلہ میں زیادہ حافظ حدیث نہیں ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا''۔

لیکن اس خیال سے کہ حدیث کا ذخیرہ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات کے بعد یہ ذخیرہ فنا ہو جائے گا آپؓ نے حدیث کی روایت اور کتابت میں نرمی اختیار کی۔ آپ کے نرم طریقہ اختیار کرنے سے صحابہ کرامؓ حدیث کی روایت زیادہ کرنے لگے۔ دوسری طرف منافقین کو بھی من گھڑت روایات پھیلانے کا موقع ملا۔ چنانچہ حمیر کا یہودی عبداللہ ابن سبا مسلمانوں کے بھیس میں کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ کی اسلامی فوجی چھاؤنیوں میں کثرت سے آنے جانے لگا۔ جہاں قبائل عرب کے بدوی فوج میں داخل تھے اور رسول اللہ ﷺ کے شرف دیدار سے محروم تھے اس لیے وہ حدیث نبوی ﷺ سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی سے حضرت عثمانؓ کی شہادت ۳۵ھ میں واقع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے منبر پر جو خطبہ دیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے علم میں دوسرے صحابہؓ سے واقفیت میں کم نہ تھے۔ مگر بہ نظر احتیاط وہ بہت کم روایت کرتے تھے تاہم دوسرے صحابہؓ ان کے پاس آتے اور حدیث نبوی ﷺ سناتے اور حضرت عثمان سے اس کی تصدیق چاہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اجازت لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے قریب بیٹھے ہوئے حضرت کعبؓ سے پوچھا: کعب! عبدالرحمٰن کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے مال چھوڑا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟...... کعبؓ نے کہا: اگر وہ اس مال میں اللہ جل شانہ کا حق (زکوٰۃ) ادا کرتے تھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سن کر ابوذر غفاریؓ نے اپنی لاٹھی حضرت کعب کی طرف بڑھائی اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''میں اس بات کو پسند نہیں رکھتا کہ اس پہاڑ کے برابر سونا میرے پاس ہو جائے اور میں اسے خرچ کردوں اور وہ مقبول بھی ہو جائے اور میں اس سونے میں سے چھ اوقیہ اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں''۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا: میں آپ کو اے عثمان! اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟...... حضرت ابوذر نے تین دفعہ پوچھا تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: ہاں! میں نے یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہے۔

2.4 عہدِ خلافت علیؓ

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو جو خصوصیت اور قربت رسول اللہ ﷺ سے تھی وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں

تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی دعوت حق کے اعلان پر کم سن افراد میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے لبیک کہا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد بھی تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ابتدائے نبوت سے آپ کی وفات تک برابر ساتھ رہے اور ہر معرکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے تھے۔

حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے محبوب ترین فرد تھے۔ اس لیے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع بہت زیادہ ملا اور آپ ﷺ سے حضرت علیؓ نے احادیث کی سماعت بہت زیادہ فرمائی جن کو آپ نے محفوظ رکھا۔ جب آپ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنائے گئے تو حضرت معاویہؓ سے شدید اختلاف کی وجہ سے اسلامی مملکت کا ایک بڑا علاقہ مصر اور شام کا آپ کی حدودِ خلافت سے کٹ گیا تھا، تاہم اسلامی مملکت کے بڑے حصہ پر آپ کی خلافت قائم ہوگئی جہاں آپؓ نے نہایت عدل وانصاف سے نظم قائم رکھا اور خانہ جنگیوں کے باوجود عادلانہ احکام میں فرق نہ آنے دیا۔ قرآن کریم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حدیثِ نبوی ﷺ کی ترویج کی طرف بھی توجہ فرمائی کیونکہ آپ کو اندیشہ لاحق ہوگیا تھا کہ حدیث کی تدوین ہنوز نہیں ہوئی ہے اور یہ ذخیرہ حدیث زیادہ تر صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات پا جانے کے بعد یہ خزانہ مٹ جائے گا اس لیے آپ نے بجائے سختی کے حدیث کی روایت اور کتابت کی حوصلہ افزائی فرمائی تاکہ صحابہ کے ذریعہ حدیث کی تعلیم کی رفتار تیز ہو اور خود بھی علم حدیث کی تعلیم دینے کے لیے آمادگی ظاہر فرمائی۔ ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے:

> ''ایک دن (کوفہ) میں حضرت علیؓ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ کے دوران آپؓ نے فرمایا: ایک درہم میں کون علم خریدنا چاہتا ہے؟...... حارث اعور ایک درہم دے کر کچھ کاغذ خرید لائے اور ان کاغذوں کو لیے ہوئے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؓ نے حارث کے لائے ہوئے اوراق میں بہت سا علم (احادیث) لکھایا''۔

حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے پاس حضرت علیؓ کی حدیثوں کا مجموعہ تھا۔ عبدالأعلی بن عامر کے ترجمہ میں علماء رجال نے لکھا ہے:

''کل شيء روى عبدالأعلى عن إبن الحنفية، إنما هو كتاب أخذه
ولم يسمعه''

''عبدالاعلیٰ جو کچھ روایت محمد بن حنفیہ سے کرتے ہیں وہ دراصل ایک کتاب تھی
اورعبدالاعلیٰ نے براہِ راست محمد بن الحنفیہ سے ان روایات کونہیں سنا تھا''۔

بہ ظاہر اس روایت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ابن الحنفیہ کے پاس احادیث کا جو مجموعہ تھا اسے خود حضرت علیؓ نے لکھا تھا اور یا اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کو لکھوا دیا تھا۔

حضرت علیؓ کے رویہ کی وجہ سے جہاں صحابہ کرام کو روایت اور کتابتِ حدیث کا پورا پورا موقع ملا وہاں ان لوگوں نے جو بہ ظاہر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور حقیقتاً مسلمانوں کے دشمن تھے اس موقع سے غلط فائدہ اٹھایا اور من گھڑت روایات خوب زور وشور سے پھیلانے لگے۔ ان لوگوں نے روایات کو کبار اور محترم صحابہ کرام کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے ان حالات کے پیش نظر اپنے ایک خطبہ میں لوگوں مخاطب کیا اور فرمایا:

''میں ہر اس شخص سے پرزور مطالبہ کرتا ہوں جس کے پاس کوئی مخطوطہ ہو کہ وہ
واپس جا کر اسے مٹا دے۔ لوگ اسی لیے تباہ و برباد ہوتے تھے کہ انہوں نے
اپنے علماء ومشائخ کے اقول کی پیروی کی اور اپنے رب کی کتاب کو چھوڑ دیا''۔
(السنۃ قبل التدوین: ص ۳۱۴)

بعد میں احتیاط کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ کسی سے حدیث نبوی ﷺ سنتے تو اس سے قسم لینے کے بعد اس حدیث کی تصدیق کرتے تھے۔ آپؓ کا اپنا بیان ہے:

''میں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تھا تو مجھے اللہ تعالیٰ جتنا نفع اس
سے دینا چاہتا تھا، دیتا تھا۔ اور جب کوئی دوسرا شخص حدیث نبوی ﷺ مجھ سے
بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا تھا جب وہ قسم کھاتا تو میں اس حدیث کی

تصدیق کرتا تھا"۔

منافقین اور دشمنانِ اسلام نے موضوع احادیث کا جو طوفان اٹھایا تھا اس کے مٹانے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو کوششیں شروع کی تھیں وہ یقیناً بارآور ہوتیں۔ مگر انہی لوگوں نے ۴۰ھ میں آپؓ کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ تاریخِ اسلام کا بڑا سخت المیہ ہے۔ جس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کے دشمنوں کا قلع قمع نہ ہو سکا۔ لیکن آپ کے بعد دوسرے صحابہؓ اور ان کے تربیت یافتہ تلامذہ جوق در جوق ہر اسلامی شہر میں تعلیم وتربیت سے فارغ ہو کر علم وفضل کے جلیل القدر مناصب پر فائز تھے وہ سب کے سب آگے بڑھے اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی ترویج واشاعت میں منہمک ہو گئے اور وضاعین کا مقابلہ کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے اور ایک ایک موضوع روایت کو جرح وتعدیل کے اصول کی چھلنی سے چھان کر پھینک دیا۔

خود آزمائی ②

۱- سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور میں حدیث سنت کی اشاعت اور ترویج میں جو عوامل کارفرما رہے ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیجئے۔

۲- عمر فاروق کے دورِ خلافت میں حدیث وسنت کی ترویج کے حوالہ سے جو کام ہوا۔ اس پر اپنے الفاظ میں تبصرہ کیجئے۔

۳- عمر فاروقؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو روایت حدیث کی وجہ سے قید کیا تھا۔ اس بارے میں آپ کا کیا موقف ہے۔ اپنے موقف کی وضاحت کیجئے۔

۴- سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں حدیث وسنت سے متعلق روایات کو مزید پھلنے کا موقع ملا۔ اس دور کے بارے میں ایک جامع مضمون قلم بند کیجئے۔

۵- سیدنا علیؓ کے دورِ خلافت میں روایت حدیث کے لحاظ سے اعتدال اور نرمی کی پالیسی اختیار کی گئی اس ضمن میں اپنی معلومات کو آسان اور سلیس زبان میں تحریر کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی

۲) تقیید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش

۳) الجرح والتعدیل از امام ابن ابی حاتم رازی

۴) حلیۃ الاولیاء از ابونعیم الأصبہانی

۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی

۶) التاریخ الکبیر للامام البخاری

۷) الکامل لابن اثیر الجزری

۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر

۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری

۱۰) تاریخ الأمم والملوک لابن جریر الطبری

۱۱) الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر الکتانی

۱۲) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی

۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب

۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد

۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبداللطیف

۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی

۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد محمد ابوزہرۃ

۲۰) ضحیٰ الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ②

حدیث کا دوسرا دور

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق حدیث کے دوسرے دور سے ہے۔ کسی بھی علم اورفن کے اصول اور مآخذ ومراجع تک رسائی کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور سے طلبہ علوم وفنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ طلبہ کے ہاتھوں اعلی سے اعلی ڈگریاں ہوتی ہیں۔ لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم وفن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کا بھی تقریبا یہی حال ہے۔ ہمارے ہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں۔ وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموما یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اسے اس کتاب کے بارے میں علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے۔ نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام ومرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے۔ علوم اسلامیہ کے طلبہ کیلئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ وہ مصادر اور متون کے ساتھ ساتھ تاریخ کا بھی بھر پور مطالعہ کریں۔ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں ازبر ہونی چاہیں تا کہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ حدیث کی ترویج و اشاعت میں اسلامی فتوحات کی وسعت کے پہلو پر بحث کرسکیں۔
⇦ دمشق، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں علم حدیث کی اشاعت کیلئے جو حلقے قائم ہوئے ان پر تبصرہ کرسکیں۔
⇦ کوفہ، بصرہ، شام اور مصر میں جن صحابہ کی وجہ سے حدیث کی روایات پھیلیں۔ ان کا جائزہ لے سکیں۔
⇦ عہد صحابہ میں حدیث کے جو مجموعے تیار ہوئے ان مجموعوں کی نشاندہی کرسکیں۔
⇦ کتابت حدیث کے جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے تابعین اور صحابہ کرام کی پالیسی واضح کرسکیں۔
⇦ تدوین حدیث کے لئے عمر بن عبدالعزیز کی خدمات پر ایک جامع مضمون قلم بند کرسکیں۔

① حدیث کا دوسرا دور

خلفائے راشدین روایت حدیث میں نہایت سختی سے ''تثبت'' پر عمل کرتے تھے۔ تثبت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس طرح حدیث سنی ہے بعینہ انہی الفاظ اور حرکات وسکنات کی پابندی کے ساتھ اس کی روایت کی جائے۔ تثبت کے لیے حفظ، ضبط اور اتقان لازمی اجزا ہیں۔ امام زہری کی روایت ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے ایک شخص کے سامنے حدیث بیان کی اس شخص نے اس حدیث کو سمجھنے کے لیے کوئی سوال کیا۔ ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

''هو كما حدثتك، اىّ أرض تقلنى اذا أنا قلت ما لم أعلم.

(تذکرۃ الحفاظ ج ١-ص ١۵٣)

''حدیث جس طرح میں نے بیان کی ہے اسی طرح ہے۔ اگر میں ایسی بات کروں جو میرے علم میں نہیں تو کونسی زمین میرا بوجھ برداشت کرے گی''۔

حضرت عمرؓ بھی تثبت پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ انہوں نے ایک رہنما اصول وضع کیا تھا اسی اصول پر دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ وہ اصول یہ ہے:

''من سمع حديثا فحدّث به كما سمع فقد سلم''

''جس نے کوئی حدیث سنی اور جیسی سنی ویسی ادا کی تو وہ محفوظ رہا''۔

حضرت عثمانؓ بھی شیخین کے اصول پر عمل کرتے تھے اور تثبت کی ہدایت فرماتے تھے۔ اگرچہ آپ صحابہؓ کو روایت کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ حضرت علیؓ نے حدیث نبوی ﷺ کی اشاعت میں کافی حصہ لیا اور آپ نے لوگوں کو حدیث حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ ساتھ ہی تثبت کی بھی ہدایت فرماتے تھے تاکہ حدیث کی اشاعت صحیح طریقے سے ہو۔ حضرت علیؓ کا قول ہے:

''اذا حدّثتكم عن رسول الله ﷺ حديثا فلأن أخر من السماء

أحب اليّ من أن أكذب عليه". (مسند الامام أحمد: ج۳-
ص۴۵)

''میں آسمان سے گر کر چور چور ہونے کو ترجیح دیتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ
رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی روایت منسوب کروں''۔

خلفائے راشدین کے بعد دیگر صحابہؓ اور ان کے تلامذہ یعنی تابعین اور تبع تابعین نے بھی تثبت کے التزام کو قائم اور حدیث وسنت کی صیانت اور حفاظت اسی طرح کی جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کی۔ ذیل میں اس پہلو سے متعلق بنیادی معلومات پیش کی جارہی ہیں۔

1.1 اسلامی فتوحات کی وسعت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے ہاتھوں اسلامی فتوحات کا سلسلہ روز بروز بڑھنے لگا اور اللہ جل شانہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہا:

﴿وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم. وليمكننّ لهم دينهم الذي ارتضى لهم وليبدلنّهم من بعد خوفهم امنا﴾ (النور: ۵۵)

''اللہ جل شانہ کا تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے جو ایمان پر قائم رہیں گے اور عمل صالح کرتے رہیں گے کہ وہ انہیں اس زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح کہ اس نے ان اہل ایمان کو (خلافت) عطا کی تھی جو ان سے پہلے گزرے ہیں، وہ انہیں اپنے پسندیدہ دین پر چلنے کی توفیق اور صلاحیت عطا کرے گا اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا''۔

چنانچہ پورا ملک شام (اردن، فلسطین، لبنان اور سوریا) اور پورے کا پورا عراق ۱۷ھ میں فتح ہوا۔ ۲۱ھ میں فارس اسلامی ریاست میں شامل ہوا، ۵۶ھ میں مسلمان سمرقند پہنچ گئے۔ اور ۹۳ھ میں اندلس مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ ان فتوحات کے نتیجہ میں مفتوح ممالک کے باشندے بکثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور

ان کی تعلیم وتربیت کی ضرورت پیش آئی ۔خلفاۓ وقت نے ان کی تعلیم وتربیت اور کتاب وسنت کی اشاعت کے پیش نظر علماء اور فقہاء کو ان مفتوح ممالک میں بھیجا۔ ان حضرات نے مختلف علاقوں میں جا کر اپنے اپنے حلقے قائم کئے اور تعلیم وتدریس کے ذریعہ اصلاح وارشاد کا کام کیا۔

صحابہ کرام جہاں جاتے وہاں کے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے ۔ ان سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اور صفات کے بارے میں دریافت کرتے ۔عقیدت وارادت اور فرط جذبات کی وجہ سے ان کی مجلس میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے اس طرح متعدد علاقوں میں صحابہ کرام کی وجہ سے جو حلقے اور مرکز قائم ہوئے بعد میں کتاب وسنت کی ترویج واشاعت میں ان مراکز نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ عام طور سے ان حضرات کی درسگاہیں مسجدوں میں قائم ہوتی تھیں۔ عموماً دس دس طلبہ کا ایک حلقہ بنایا جاتا تھا اور ہر حلقہ میں ایک عریف (Class Senior) مقرر کیا جاتا تھا۔ تمام حلقوں کی نگرانی ہر حلقہ کا عریف کرتا تھا اور تمام عریفوں کی نگرانی ''صحابی'' خود کرتے تھے جو محراب میں کھڑے رہتے تھے۔ ذیل میں اس نظامِ تعلیم کے حوالہ سے حضرت ابودرداءؓ کی درس گاہ کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

1.2 حضرت ابوالدرداء کی درس گاہ

''ان ابا الدرداءؓ الذی توفی سنة ۳۲ھ، کان إذا صلی الغداة فی جامع دمشق اجتمع الناس للقراء ة علیه. فکان یجعلهم عشرة عشرة، وعلی کل عشرة عریفا، ویقف هو فی المحراب یرمقهم ببصره، فاذا غلط أحدهم رجع إلي عریفهم، وإذا غلط عریفهم رجع إلي أبی الدراداء فساله' عن ذلک''. (تهذیب التاریخ الکبیر لابن عساکر الدمشقی: ج ۱ – ص ۱۹)

''ابوالدرداءؓ (م ۳۲ھ) جب جامع دمشق میں فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو لوگ ان سے پڑھنے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوالدرداء نے دس

دس طلبہ کی جماعت بندی کی تھی اور ہر ایک جماعت میں ایک عریف انہیں طلبہ میں سے مقرر کرتے تھے۔ اور خود مسجد کے محراب میں کھڑے ہو کر سب کی نگرانی کرتے تھے''۔

جب کوئی طالب علم غلطی کرتا تو اپنے عریف سے پوچھتا اور جب عریف کو اشکال ہوتا تو وہ ابوالدرداء کی طرف رجوع کرتا۔

ایک دفعہ حضرت ابودالدرداءؓ نے طلبہ کا شمار کر دیا تو سولہ سو سے زیادہ طلبہ کی تعداد ظاہر ہوئی جس کی شہادت ذیل کی روایت سے ملتی ہے:

"روى مسلم بن مشكم: قال لي أبو الدرداء: أعدد من يقرأ عندى القرآن فعددتهم بأمره الفا وستمائة نيفا، وكان لكل عشرة مقرئ، وابوالدرداء عليهم قائما، اذا احكم الرجل منهم تحول إلى أبي الدرداء".

''مسلم بن مشکم کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالدرداء نے کہا: جتنے طلبہ میرے ہاں قرآن پڑھ رہے ہیں ان کی گنتی کرلو۔ میں نے طلبہ کا شمار کیا تو سولہ سو سے کچھ زیادہ تھے اور ہر دس طلبہ پر ایک قاری (معلم) ہوتا تھا اور ابوالدرداء ان سب کے نگران تھے جب ان طلبہ میں سے کوئی پختہ کار ہو جاتا تو آخری تعلیم کے لیے ابوالدرداء کے قریب جاتا''۔

حضرت ابوالدرداء کی طرح دوسرے صحابہؓ کی بھی مختلف شہروں میں درسگاہیں تھیں جن میں قرآن اور سنت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان صحابہؓ سے تعلیم حاصل کر کے ہر مفتوحہ ملک اور شہر میں ان کے شاگردوں کا ایک مستند طبقہ پیدا ہوا جو حدیث وسنت کے بڑے حامی اور محافظ بنے اس طبقہ کو اصطلاح میں ''تابعین'' کہتے ہیں۔ صحابہؓ کی درسگاہوں کے لیے آج کل کی طرح بڑی بڑی عمارتیں نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ مساجد میں اللہ تعالیٰ

کی عبادت بھی اپنے اوقات میں کی جاتی تھی اور یہیں قرآن وحدیث کی تعلیم بھی دی جاتی تھی جس کی وجہ سے تعمیر پر اضافی اخراجات نہیں ہوتے تھی۔ صحابہ کرامؓ اپنے دل ودماغ کو قرآن وسنت کے علوم سے معمور رکھتے تھے اور انہی سرچشموں سے طلبہ کو سیراب کرتے تھے۔ یہ علمی مراکز جو مختلف شہروں میں قائم ہو گئے اب ہم اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کریں گے۔

3.1 مدینہ منورہ

مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ اور بیشتر صحابہؓ کا مقامِ ہجرت تھا۔ آپ ﷺ کی زیادہ تر احادیث کو اسی شہر میں پھیلنے کا موقع ملا۔ استخراج اور استنباط کا کام بھی زیادہ تر یہیں ہوا۔ مہاجر صحابہ مدینہ منورہ میں رہنے کو پسند کرتے تھے اور کوئی یہاں سے دوسرے علاقوں میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اسلامی ریاست کا مرکز اور خلفائے راشدین کے عہد میں ''دارالخلافہ'' بنا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اور آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرامؓ یہاں کے قیام کو ترجیح دیتے تھے تاکہ یہاں کی برکات سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں۔ مگر جب ریاست کو انہیں مدینہ سے باہر بھیجنے کی ضرورت پیش آتی یا تعلیمی ومعاشی ضرورت درپیش ہوتی تو وہ مدینہ سے باہر جاتے۔ مدینہ منورہ کے ساتھ صحابہ کرام کی عقیدت وارادت کے بارے میں ابن سعد طبقات میں محمد بن عمر سے روایت کرتے ہیں:

''لا نعلم احدا من المهاجرين من أهل بدر رجع الى مكة''

''ہم اہل بدر کے مہاجرین میں سے کسی کو نہیں جانتے ہیں جو مکہ واپس گئے ہوں''۔

مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی بدری مہاجر مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے مکہ واپس نہیں گیا۔ مدینہ میں جن صحابہؓ کو قرآن، حدیث اور استنباط کے مجال میں عبور تھا ان کی تعداد کافی تھی جن میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو سعید خدری اور حضرت زید بن ثابت نمایاں تھے۔ حضرت زید بن ثابت کتاب اور سنت کے احکام کے فہم اور اصابت رائے میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ زید بن ثابت کی رائے سے برابر استفادہ کرتے تھے۔ حضرت

عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے عہد میں زید بن ثابت قضا، فتوی، قرأت اور فرائض کے منصب پر صدر کی حیثیت سے تھے یہاں تک کہ ۴۵ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

ان جلیل القدر صحابہؓ کی تعلیم وتربیت سے ان کے شاگردوں کا مدینہ منورہ میں تابعین کا ایک ممتاز گروہ تیار ہوا جن میں چند مشہور تابعین کے نام یہ ہیں:

سعید بن المسیب، عروۃ بن الزبیر، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود، سالم بن عبداللہ ابن عمر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، نافع مولی ابن عمر۔ یہ حضرات کتاب وسنت کے ماہر اور عالم تھے، حدیث نبویؐ اور فتوی کے لیے ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ عہد نبوی میں سب سے بڑی درسگاہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی تھی۔ جہاں شب وروز کے اکثر اوقات میں قرآن کریم اور حدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

1.4 صفہ اور اصحاب صفہ

تعلیم وتربیت کے لحاظ سے صفہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ صفہ سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔ چند حضرات نے اپنی زندگی صرف عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرنے کے لئے وقف کر دی تھی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور آیات وروایات کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور رات کو اسی چبوترے (صفہ) میں قیام کرتے تھے اور باہم مل کر یہاں آیات وروایات کا مذاکرہ کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو ۷ھ میں یمن میں اسلام لائے اور وہاں سے مدینہ منورہ پہنچے۔ راتوں کو یہ حضرات عبادت کرتے ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا اسی کے پاس بیٹھ کر پڑھتے تھے اس بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔ دعوت وتبلیغ کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے غزوۂ بیر معونہ میں انہی میں سے ستر (۷۰) افراد اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا۔ ان اصحاب صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور مجموعی تعداد میں چار سو تک پہنچی تھی۔ شیخ احمد بن محمد البصری (م ۳۰۴ھ) نے اصحاب صفہ کے موضوع پر ایک مستقل تالیف فرمائی ہے۔ (ماخوذ از سیرت النبی مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی)

1.5 مکہ مکرمہ

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا، تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکہ ہی میں قیام کرنے کی ہدایت کی تاکہ وہ یہاں کے لوگوں کو حلال وحرام اور کتاب وسنت کی تعلیم دیں۔ حضرت معاذ بن جبل علم وفضل اور حسن سلوک کے لحاظ سے مشہور تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے تھے اور صحابہ کرام میں فقہ واجتہاد کے پہلو سے شہرت رکھتے تھے۔ آپ سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے روایت کی ہے۔ آپ نے جو حلقہ قائم کیا بعد میں عبداللہ بن عباسؓ نے اسے برقرار رکھا اور اس کے فروغ اور ترویج کے لیے کام کیا۔ ابن عباسؓ کے علاوہ مکہ میں صحابہ کرام کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً عبداللہ بن السائب مخزومی، جو صحابہ کے قاری تھے۔ عتاب بن اسید، خالد بن اسید، حکم بن ابی العاص اور عثمان بن طلحہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ۔ ابن عباس کے حلقہ سے جن تابعین نے استفادہ کیا اور جنہیں علم وفضل کے لحاظ سے شہرت حاصل ہوئی ان میں مجاہد، عکرمہ اور عطاء بن ابی رباح کے نام قابل ذکر ہیں۔

1.6 کوفہ

اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں جب کوفہ کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہو گیا تو یہ جیش اسلامی کا ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ اس شہر کی اہمیت کی بناء پر کافی تعداد میں صحابہ کرام یہاں پہنچے اور مستقل سکونت یہاں اختیار کی۔ جن صحابہؓ نے آ کر کوفہ میں مستقل قیام کیا ان میں چند کے نام یہ ہیں:

علی ابن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، خباب بن الارتؓ، سلمانؓ فارسی، حذیفہ بن الیمانؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، براء بن عازبؓ، مغیرۃ بن شعبہؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابو الطفیلؓ، اور ابوجحیفہؓ۔

کوفہ میں کتاب وسنت کی تعلیم اور اشاعت کی سیادت عبداللہ بن مسعودؓ کو حاصل تھی۔ آپ علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ کوفہ میں آپ کو طویل عرصہ تک قیام کرنے کا موقع ملا۔ یہاں آپ نے تعلیم

وتربیت کے لیے ایک مستقل حلقہ قائم کیا۔ آپ سے جن حضرات نے استفادہ کیا اور علم وعمل کی دنیا میں شہرت پائی ان میں سے مسروق بن الاجدع، ہمدانی، عبیدہ بن عمرو سلمانی، سعد بن یزید نخعی، اور شریح بن الحارث کندی قابل ذکر ہیں۔

حضرت عمرؓ نے شریح کو کوفہ کا قاضی بنایا۔ حجاج کے زمانہ تک آپ اسی منصب پر فائز رہے۔ اس حلقہ کے دیگر مشاہیر میں ابراہیم بن یزید نخعی فقیہ العراق، سعید بن جبیر اور عامر بن شراحیل حدیث اور فقہ میں امامت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ علماء رجال نے انہیں حفاظ میں شمار کیا ہے۔ (اعلام الموقعین: ج ۱۔ص ۲۰)

1.7 بصرہ

بصرہ میں کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس کے لیے جو مرکز قائم ہوا اس کی بنیاد حضرت انس بن مالک کی وجہ سے قائم ہوئی۔ اس شہر میں جو صحابہ تشریف لائے اور جن کی وجہ سے کتاب وسنت کی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوا ان میں عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل ہیں۔ ابن عباسؓ، حضرت علیؓ کے دور خلافت میں یہاں بطور والی رہے۔ ان کے علاوہ عقبہ بن غزوان، عمران بن حصینؓ، ابوزہرہ اسلمیؓ، معقل بن یسارؓ، ابوبکرہؓ، عبدالرحمٰن بن میسرہؓ، عبداللہ بن الشخیر، اور جاریہ بن قدامہؓ نے بھی یہاں قیام کیا اور اہل بصرہ کو اپنی معلومات سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔

بصرہ کے جن تابعین کو علم وفضل کے مجال میں شہرت اور مقام ومرتبہ حاصل ہوا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی، حسن بصری، محمد بن سیرین، ابو الشعثاء جابر بن زید، قتادۃ بن دعامۃ سدوسی، مطرف بن عبداللہ بن الشخیر اور ابوزہرہ بن ابی موسیٰ۔

1.8 شام

مسلمانوں نے جب ملک شام کو فتح کیا تو یہاں کے باشندے بہت بڑی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ خلفائے اسلام نے ان علاقوں کی طرف خاص توجہ کی اور یہاں کے عوام کی تعلیم وتربیت کے لیے

فضلاء اور فقہاء صحابہؓ کو روانہ کیا۔ جن میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے۔ حضرت معاذؓ صحابہ کرامؓ کی صف میں اعلیٰ درجہ کے فقیہ شمار ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی آپ کا انتخاب کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو کتاب و سنت کی تعلیم اور اشاعت کے لیے ملک شام بھیجا تھا۔ ابن سعد طبقات میں ابو مسلم خولانی سے روایت کرتے ہیں:

"دخلت مسجد حمص، فاذا فيه نحو من ثلاثين كهلا من أصحاب النبي ﷺ، واذا فيهم شاب كحل العينين، بريق الثنايا، ساكت لا يتكلم، فاذا امترى القوم في شيء اقبلوا عليه، فسألوه، فقلت لجليس لي: من هذا؟ ...... قال: معاذ بن جبل".

"ابو مسلم خولانی کہتے ہیں: میں شہر حمص (شام) کی مسجد میں داخل ہوا، وہاں تقریباً تیس ادھیڑ عمر کے صحابہؓ تشریف رکھتے تھے جن میں سے ایک صحابی جوان نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں سرمگیں اور دانت خوبصورتی کی وجہ سے چمک رہے تھے۔ یہ جوان اور حسین صحابی بالکل خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا: یہ کون ہے؟ ...... اس نے بتایا: یہ معاذ بن جبلؓ ہیں"۔

ملک شام کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری جن صحابہؓ نے سنبھالی ان میں ایک مشہور اور نمایاں نام حضرت عبادۃ بن صامتؓ کا ہے۔ آپ قرآن کے بہت اچھے قاری اور فقہ و استنباط کے ماہر تھے۔ آپ کے علاوہ ابوالدرداء انصاریؓ نے کتاب و سنت کی تعلیم و اشاعت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حضرت عمرؓ نے ابوالدرداء کو معاذ بن جبلؓ کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ ان حضرات کے لیے یزید بن ابو سفیان نے حضرت عمر بن الخطاب کو خط لکھا تھا اور درخواست کی تھی کہ اہل شام کی تعلیم کے لیے معاذ بن جبل، عبادۃ اور ابوالدرداء کو بھیج دیا جائے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ملک شام میں علمی، فکری اور فقہی

سرگرمیوں کو بعد میں جو عروج حاصل ہوا اس کی بنیاد میں ان تینوں حضرات کی کوشش و کاوش کا بہت بڑی حد تک عمل دخل نظر آتا ہے۔

شام کی طرف حضرت عمرؓ نے تعلیم و تدریس کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن غنم کو بھی بھیج دیا تھا۔ عبدالرحمٰن حضرت معاذ کے تلمیذ خاص تھے اور ان سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ شرحبیل بن حسنہ اور فضل بن عباسؓ نے بھی کتاب و سنت کی تعلیم اور اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ شام کے مختلف مراکز سے جو تابعین مستفید ہوئے اور بعد میں جنہوں نے علم کی ترویج میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ان میں چند کے نام یہ ہیں:

ابوادریس خولانی، قبیصہ بن ذویب، مکحول بن ابومسلم دمشقی، اور رجاء بن حیوہ۔

1.2 مصر

مصر کا علاقہ جب فتح ہوا تو یہاں کے باشندے بھی بکثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کتاب و سنت کی تعلیم و اشاعت کے لیے یہاں آ پہنچی۔ عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ اپنے والد فاتح مصر عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے۔ عبداللہ بن عمرو کو چونکہ کتابتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی اس لیے آپ کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو چونکہ لکھتے تھے اس لیے ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ سب سے زیادہ تھا۔ عبداللہ بن عمروؓ نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کی اپنے والد کے انتقال کے بعد بھی یہیں کے ہو رہے۔ عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ مصر میں جن صحابہؓ نے قیام فرمایا ان کے نام یہ ہیں:

عقبہ بن عامر الجہنی، خارجہ بن حذافہؓ، عبیداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ، حمیہ بن جزءؓ، عبداللہ بن الحارث بن جزءؓ، ابونضرہ غفاریؓ، ابوسعید الخیرؓ اور معاذ بن انس الجہنیؓ۔

مصر میں صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں تابعین کی جو جماعت تیار ہوئی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

ابوالخیر مرثد بن عبداللہ الیزنی، انہوں نے ابوایوب انصاری، ابونضرہ غفاری اور عقبہ بن عامر الجہنی سے روایات اخذ کیں۔

یزید بن ابی حبیب، انہوں نے مصر کے بیشتر صحابہ سے روایت کی ہے لیکن ان کی وہ روایات جو مؤلفات میں پھیل گئی ہیں زیادہ تر تابعین سے ہیں۔ آپ بنیادی طور پر "بربر" قبیلے سے تھے لیکن نشوونما مصر میں پائی تھی۔

1.10 اخذِ حدیث کے لیے سفر

بشر بن عبداللہ حضرمی کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کے لیے شہروں شہروں سواری پر سوار ہو کر سفر کیا کرتا تھا تاکہ وہ حدیث جن جن رُواۃ کے پاس ہے ان سے براہِ راست سن سکوں۔ (معرفۃ علوم الحدیث)

ابوالعالیہ کہتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے حدیث براہِ راست سننے کے لیے سفر کرتے تھے ان کی خدمت میں پہنچ کر ان سے استفادہ کرتے تھے۔ (جامع بیان العلم لابن عبدالبر)

سعید بن المسیّب کہتے ہیں: میں صرف ایک ایک حدیث کی خاطر کئی کئی دن اور رات سفر کرتا رہا ہوں۔ (معرفۃ علوم الحدیث للامام الحاکم)

امام شعبی نے ایک مرتبہ یہ حدیث ((ایما رجل کانت عنده ولیدة فعلّمها فأحسن تعلیمها، وأدبها فأحسن تادیبها، واعتقها فتزوجها فله اجران……)) اپنے شاگردوں کو سنائی اور پھر کہا: "اس حدیث کو بغیر کسی عوض کے حاصل کرلو۔ یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کے حصول کے لیے طلبہ مدینہ منورہ کا سفر کرتے تھے"۔ امام شعبی کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں حدیث کے رواۃ مسافتیں طے کر کے حدیث کے حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ جاتے تھے۔

امام یحییٰ بن معین کا مشہور قول ہے۔ آپ نے فرمایا: "چار لوگوں سے بھلائی اور خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایک محلّہ کا چوکیدار، دوسرا قاضی کا منادی (آواز دینے والا)، تیسرا محدث کا بیٹا، اور چوتھا وہ شخص جو اپنے شہر میں بیٹھ کر حدیث لکھتا ہے اور اس کی طلب و جستجو میں سفر نہیں کرتا"۔ (معرفۃ علوم الحدیث)

سنت کی حفاظت کے لیے مختلف ممالک اور شہروں کا کٹھن سفر ہمارے اسلاف کا بہت بڑا علمی جہاد تھا۔ انہوں نے اپنی بلند ہمتی، ایثار نفسی اور جفاکشی سے حدیث کے سننے اور جمع کرنے کی خدمات انجام دے کر وہ اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔ جس کی شمع کی روشنی میں متاخرین علماء گامزن ہوئے اور تدوین حدیث کے لیے منتشر قیمتی سرمایہ کو جمع کر دیا۔ ہمارے اسلاف نے روایات کے سننے اور جمع کرنے کے لیے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کیا۔ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چونکہ بعض شہروں میں صحابہؓ کی کثرت کی وجہ سے حدیث کا ذخیرہ زیادہ تھا۔ مثلاً مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ اور شام، اس لیے دوسرے علاقوں کے علماء اور رُواۃ حدیث ان شہروں کا رخ کرتے تھے۔ اور یہاں کے معاملات، عبادات، قضایا اور احکام میں ان شہروں کے علماء سے استفادہ کرتے تھے۔

خود آزمائی ①

۱- دور صحابہ میں اسلامی فتوحات کی وسعت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت کا کام بہت تیزی کے ساتھ پھیل گیا۔ اس بارے وضاحت کیجئے۔

۲- دمشق میں حضرت ابوالدرداءؓ نے جو درسگاہ قائم کی تھی اس درسگاہ کی بنیادی خصوصیت پر بحث کیجئے۔

۳- مدینہ منورہ میں اصحاب صفہ کی تعلیم وتربیت کا کیا انتظام تھا۔ وضاحت کیجئے۔

۵- مکہ مکرمہ اور کوفہ میں حدیث کی اشاعت میں جن حضرات نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کا تذکرہ کیجئے۔

۶- بصرہ، شام اور مصر کے مراکز حدیث پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔ علماء حدیث اخذ حدیث کیلئے دور دراز کا سفر کیوں کرتے تھے۔ اس بارے میں بنیادی اسباب کا جائزہ لیجئے۔

② عہد صحابہؓ میں کتابتِ حدیث

2.1 کتابت حدیث کی ترغیب:

۱) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے انہیں فرائض صدقات لکھ کر دیئے تھے اور یہ فرائض صدقہ رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے تھے۔ مسند امام احمد میں ہے: ان ابا بکر کتب لهم ان هذه فرائض الصدقة التی فرض رسول الله...... ''ابوبکر صدیقؓ نے ان کو لکھ کر دیا کہ یہ وہ فرائض صدقہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا ہے''۔

۲) عمرو بن سفیان کہتے ہیں کہ انہوں نے عمر فاروقؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: قيدوا العلم بالكتاب (تقييد العلم: ص ۸۸) ...... ''علم (حدیث) کو قلم بند کرلیا کرو''۔ یہ روایت بھی منقول ہے کہ: وجد ابن عمر فی قائم سیف أبیه صحیفة (الکفایة: ص ۳۵۴)...... ''ابن عمر نے اپنے والد کی تلوار کے نیام میں ایک صحیفہ پایا تھا''۔

۳) حضرت علیؓ طلب علم اور کتابت علم کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: من یشتری منیّ علما بدرهم ...... ''کون ہے جو مجھ سے ایک درہم کی عوض علم خرید لے''...... مطلب یہ کہ ایک درہم کا کاغذ خرید کر اس میں روایات ضبط کر لے۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: تزاوروا واکثروا مذاکرة الحدیث، فان لم تفعلوا یندرس الحدیث...... ''باہم ملتے رہو اور روایات کا مذاکرہ کرتے رہو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ روایات ذہنوں سے اتر جائیں گی''۔

مسند امام احمد میں طارق ابن شہاب کی روایت ہے:

"رأیت علیا علی منبر یخطب ...... سیفه من حدید سمعته یقول: والله ما عندنا کتاب نقرأه علیکم الاّ کتاب الله تعالی وهذه صحیفة أعطانیها رسول الله ﷺ فیها فرائض الصدقة"

''میں نے منبر پر حضرت علیؓ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا ان کی کمر میں تلوار تھی جس کا قبضہ لوہے کا بنا ہوا تھا اس وقت وہ فرما رہے تھے: اللہ کی قسم! ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے سوا ایسی کتاب نہیں ہے جسے تم لوگوں کے آگے پڑھوں۔ یہ وہ صحیفہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اس میں صدقہ کے احکام درج ہیں''۔

۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے: **ما کنا نکتب فی عھد رسول اللہ ﷺ إلا الاستخارة والتشھد.** (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا-ص ۱۱۵) ''ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں استخارہ اور تشہد کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھتے تھے۔

۵) حضرت حسن بن علیؓ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے:

تعلموا تعلموا، فانکم صغار قوم الیوم، تکونون کبارھم غدا، فمن لم یحفظ منکم فلیکتب (الکفایة- ص ۲۲۹)

''تم پڑھو اور خوب دل لگا کر پڑھو آج تم قوم کے چھوٹے لوگوں میں سے ہو کل قوم کے بڑوں میں شمار ہو گے۔ تم میں جو زبانی یاد نہیں کر سکتا اسے چاہئے کہ اپنے پاس لکھ لیا کرے''۔

۶) حضرت عائشہؓ نے اپنے بھتیجے عروۃ بن الزبیر سے کہا:

یا بنیّ! بلغنی انک تکتب عنی الحدیث، ثم تعود فتکتبه، فقال لھا اسمعه منک علی شیء ثم أعود فاسمعه علی غیرہ، فقالت: ھل تسمع فی المعنی خلافا؟..... قال: لا. قالت: لا بأس بذلک. (الکفایة- ص ۲۰۵)

''بیٹے! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم مجھ سے حدیث لکھتے ہو۔ پھر دوبارہ اسی حدیث

کو لکھتے ہو۔عروۃ نے جواب دیا: آپ سے حدیث سنتا ہوں۔ پھر دوبارہ اسی حدیث کو دوسری سند سے سنتا ہوں تو لکھ لیتا ہوں۔حضرت عائشہؓ نے پوچھا: کیا تم کو دونوں روایتوں کے مفہوم میں فرق محسوس ہوتا ہے۔عروۃ نے جواب دیا: نہیں۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا: پھر کوئی مضائقہ نہیں''۔

۷) حضرت ابو ہریرۃؓ نے بشیر بن نہیک کو ان سے حدیث کے لکھنے اور روایت کرنے کی اجازت دی اور ایک روایت میں بشیر کہتے ہیں:

أتیت أبا هریرة بکتابی الذی کتبته، قرأته علیه، فقلت: هذه سمعته منک؟ قال : نعم. (طبقات ابن سعد– ج ۲، ص ۱۶۲)

''میں حضرت ابو ہریرۃؓ کے پاس روایات کا وہ مجموعہ لے کر آیا جو میں نے آپ سے سن کر لکھ لیا تھا۔ میں نے اس کی روایات پڑھ کر آپؓ کو سنائیں اور ان سے پوچھا: یہی وہ روایات ہیں جو میں نے آپ سے سنی تھیں! آپؓ نے فرمایا: ہاں''۔

۸) حضرت ابو ہریرۃؓ کے پاس کئی مخطوطے تھے۔فضیل بن حسن بن عمر بن امیہ ضمری اپنے والد حسن بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ہریرۃؓ کے پاس ایک حدیث بیان کی۔ابو ہریرۃ کے ذہن سے وہ حدیث اتر گئی تھی۔ میں نے کہا: یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ابو ہریرۃ نے کہا: اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور مجھے بہت سے مخطوطے دکھائے جن میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات درج تھے۔ایک مخطوطہ میں وہ حدیث مل گئی جو ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ اس موقع پر انہوں نے کہا: میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ حدیث اگر آپ نے مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس درج ہوگی۔

2.2 دور صحابہ کے مخطوطات

حضرت ابن عباس نے کتاب وسنت کی تعلیم کے لیے باقاعدہ حلقہ قائم کیا تھا۔آپ اپنے شاگردوں کو

پڑھاتے اور لکھواتے بھی تھے ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس تختیاں ہوتی تھیں جن پر وہ لکھواتے بھی تھے۔ آپ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے: قیدوا العلم بالکتاب ...... ''علم (روایات) کو لکھ لیا کرو''۔

ابن عباسؓ کے مولی (آزاد کردہ غلام) کریب بن ابی مسلم کا بیان طبقات ابن سعد میں موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے:

وضع عندنا کریب بن ابی مسلم مولی عبداللہ بن عباس حمل بعیر من کتب ابن عباس ...... (طبقات ابن سعد: ج۵، ص۲۱۶)

''ہمارے پاس عبداللہ بن عباس کے آزاد کرہ غلام کریب بن ابی مسلم نے ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں جو ایک بارِ شتر تھیں۔ یعنی ایک اونٹ جس قدر بوجھ اٹھا سکتا ہے''۔

حضرت انسؓ اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے:

یا بنیّ قیدوا العلم بالکتاب

''علم (حدیث) کو قلم بند کرلیا کرو''۔

حضرت انسؓ اپنے شاگردوں کو حدیث لکھواتے تھے جب شاگردوں کی تعداد بڑھ جاتی تو آپؓ کتابوں کا مجموعہ لاکر سامنے ڈال دیتے اور کہتے تھے:

ھذہ احادیث سمعتھا وکتبتھا عن رسول اللہ ﷺ وعرضتھا علیہ. (تقیید العلم: ص۹۵، ۹۶)

''یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھی تھیں اور آپ کے سامنے پیش کی تھیں''۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے پاس ایک صحیفہ تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفہ صغیر کے علاوہ ہے جس کا ذکر امام مسلم نے کتاب الحج میں کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج ا، ص ۴۱)

صحیفۂ جابر کا ذکر ابن سعد نے صحابہ کے ترجمے میں کیا ہے۔ مجاہد اسی صحیفۂ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ قتادۃ بن دعامہ سدوسی (م ۱۱۸ھ) اس صحیفۂ کے متعلق کہتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ کا صحیفۂ مجھے سورۃ البقرۃ سے زیادہ زبانی یاد ہے۔ (طبقات ابن سعد: ج ۵-ص ۴۴۳)

ایک روایت میں ہے کہ قتادۃ سلیمان الیشکری سے حدیث کی روایت کرتے تھے اور سلیمان الیشکری کے پاس جابر بن عبداللہ کی کتاب تھی اس لیے احتمال ہے کہ سلیمان نے صحیفہ جابر کو نقل کرلیا ہو کیونکہ وہ جابر بن عبداللہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ سلیمان الیشکری جابر بن عبداللہ کی صحبت میں رہے ہیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابر بن عبداللہ کا حلقہ درس تھا۔ جس میں آپ شاگردوں کو حدیث لکھواتے تھے۔ ان سے کافی تعداد میں لوگوں نے حدیث لکھی ہے۔ مثلاً وھب بن منبہ، ابوالزبیر، ابوسفیان، اور شعبی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے ان کی زیادہ تر روایات صحیفہ سے منقول ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ: میں نے جابر بن عبداللہ کا پورا صحیفہ ان ہی سے سن لیا ہے۔ (المحدث الفاصل: ص ۹۱)

حضرت سمرۃ بن جندب (م ۶۰ھ) نے ایک مخطوطہ تیار کیا تھا جس میں بہت سی حدیثیں جمع کی تھیں ان احادیث کی روایت ان کے بیٹے سلیمان نے کی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ج ۴-ص ۱۹۸)

ہوسکتا ہے کہ یہ نسخہ وہی رسالہ ہو جسے سمرہ نے اپنے بیٹے کے پاس بھیجا تھا جس کے متعلق محمد بن سیرین لکھتے ہیں کہ سمرہ نے اپنے بیٹے کو جو رسالہ بھیجا تھا اس میں بہت ساری روایات تھیں۔

یہ تمام آثار جو ایک دوسرے کی مؤید ہیں ثابت کرتی ہیں کہ صحابہ کرام کتابت حدیث کو جائز سمجھتے تھے خود انہوں نے اپنے لیے احادیث لکھیں اور ان کے شاگردوں نے بھی ان کے سامنے احادیث لکھیں اور دوسروں کو کتابتِ حدیث اور حفظ حدیث کی ہدایت کرتے رہے جیسا کہ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، حسن بن علی اور انس بن مالکؓ سے ثابت ہے۔

③ تدوینِ حدیث اور تابعین

3.1 تابعین اور صحابہ کی ہم آہنگی:

تمام تابعین نے صحابۂ کرامؓ سے استفادہ کیا ان سے برابر ملتے جلتے رہے۔ ان کی صحبت کو نعمت سمجھا۔ ان سے ہر چیز معلوم کی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کا ذخیرہ انہی سے اور انہی کے طریقے سے حاصل کیا۔ اور یہ بھی انہی سے معلوم کیا کہ حدیث کی کتابت کی ممانعت کب تھی۔ اور اس کی اجازت کب دے دی گئی۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کی پوری پوری اقتدا کی جس طرح تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں۔

تابعین نے کتاب وسنت کی تعلیم صحابہ کرامؓ سے حاصل کی اور اس کے مطالب ومعانی بھی انہی سے اخذ کئے اس لیے یہ فطری بات تھی کہ تدوین حدیث کے متعلق تابعین کا رویہ بھی وہی ہو جو صحابہ کرام کا تھا۔ اس لیے جن اسباب وعوامل کی بناء پر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کو کتابتِ حدیث میں تردد اور ہچکچاہٹ تھی بعینہ وہی عوامل کتابتِ حدیث میں تابعین کے پیشِ نظر تھے۔ اس لحاظ سے صحابہ کرام اور تابعین کا موقف ایک تھا۔ جب تک کتابتِ حدیث کی کراہت کے اسباب موجود تھے تابعین کتابتِ حدیث سے اجتناب کرتے رہے اور جب وہ اسباب زائل ہو گئے تو کتابتِ حدیث کے جواز بلکہ استحباب اور پھر وجوب پر اجماع ہو گیا اور تدوین حدیث پر اصرار کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ایک تابعی سے کتابتِ حدیث کے متعلق دو مختلف خبریں ملتی ہیں۔ ایک خبر میں ممانعت پائی جاتی ہے اور دوسری میں جواز کی خبر ہوتی ہے۔ اور تابعین کے مختلف طبقے کبار، اواسط اور صغار سے کتابتِ حدیث کی مخالفت میں بھی اور اس کی اجازت میں بھی روایات ملتی ہیں۔ کبار تابعین میں عبیدۃ بن عمرو السلمانی المرادی (م-۷۲ھ)، ابراہیم بن یزید التیمی (م-۹۲ھ) جابر بن یزید (م-۹۳ھ) اور ابراہیم نخعی (م۹۴ھ) کتابتِ حدیث کے قائل نہ تھے۔ یہ سب کے سب حدیث کو حفظ کے ذریعہ محفوظ اور ضبط کرتے تھے اور اپنی قوت حافظہ سے روایت کرتے تھے۔ عبیدۃ بن عمرو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی ان سے حدیث لکھے یا ان کے سامنے لکھی ہوئی حدیث پڑھے۔ ابراہیم نخعی بھی اس کو نامناسب سمجھتے تھے کہ حدیثیں کاپیوں میں لکھی

جائیں۔ اور وہ آیات کے مشابہ بن جائیں۔ (سنن الدارمی: ج۱-ص۱۲۱) آپ کہا کرتے تھے: ما کتبت شیئا (تقیید العلم: ص ۶۰) ..... "میں نے کچھ نہیں لکھا"۔

یہاں تک کہ انہوں نے اپنے شاگرد حماد بن ابی سلیمان کو اطراف حدیث کی کتابت سے بھی روک دیا۔ بعد میں ابراہیم نخعی نے اطراف حدیث کی کتابت کی مخالفت ترک کر دی۔ ابن عون کہتے ہیں: میں نے حماد کو ابراہیم نخعی کی مجلس میں حدیث لکھتے ہوئے دیکھا۔ ابراہیم نے حماد سے کہا: کیا میں نے تمہیں کتابتِ حدیث سے منع نہیں کیا ہے؟ حماد نے جواب دیا: یہ اطراف ہیں۔

عامر شعبی (م۱۰۳ھ) کا مشہور قول ہے۔ آپ کہتے تھے:

"ما كتبت سوداء في بيضاء ولا سمعت من رجل حديثا فاردت ان يعيده علي"

"میں نے روشنائی سفید کاغذ پر کبھی استعمال نہیں کی اور نہ میں نے کسی شخص سے حدیث سن کر یہ خواہش کی ہے کہ وہ دوبارہ مجھے سنا دے۔ مطلب یہ کہ ایک بار حدیث سن کر یاد ہو جاتی ہے"۔

3.2 کتابت حدیث سے اجتناب:

تابعین نے کتابتِ حدیث سے اجتناب اس وقت شروع کیا جب انہوں نے دیکھا کہ حدیث کے متعلق جو شخصی آراء ظاہر کی جاتی ہیں اور تشریح و تعبیر کے ضمن میں اقوال پیش کئے جاتے ہیں طلبہ ان آراء و اقوال کو بھی حدیث کے ساتھ لکھتے جاتے تھے اور ان سے دوسرے طلبہ اپنے ہاں نقل کرتے تھے۔ اس طرح کے طرزِ عمل سے حدیث اور رائے میں التباس اور تشابہ کے پیدا ہو جانے کا اسی قسم کا اندیشہ تھا جس طرح صحابہ کرام کے دور میں قرآنی آیات اور روایات کو ایک جگہ لکھنے میں التباس کا خوف پیدا ہو گیا تھا کیونکہ تابعین میں سب کے سب صرف محدّث ہی نہ تھے بلکہ ان میں اکثر حضرات محدّث ہونے کے علاوہ تفقہ کا درجہ بھی رکھتے تھے اس لیے وہ حدیث کے الفاظ و کلمات اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے اور سمجھانے میں اپنی رائے اور اجتہاد بھی رکھتے تھے۔ اور اپنے

اجتہاد کو لکھتے اور لکھواتے بھی تھے۔ سعید بن المسیب، جو اپنے دور کے کبار فقہاء میں شمار ہوتے تھے ان کے پاس ایک شخص آیا اور کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ ابن المسیب نے جواب میں حدیث لکھوا دی۔ پھر اسی شخص نے ابن المسیب سے اس مسئلہ میں ذاتی رائے معلوم کی۔ جب انہوں نے اپنی رائے اور اجتہاد پیش کی تو اس شخص نے وہ بھی اپنے پاس نوٹ کر لی۔ اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے ابن المسیب سے پوچھا: کیا آپ نے اس شخص کو حدیث کے ساتھ اپنی رائے لکھنے کی اجازت دی ہے؟ ...... ابن المسیب نے جواب دیا: نہیں۔ اس کے بعد آپؒ نے اس شخص سے وہ کاغذ لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (جامع بیان العلم: ص۱۴۴)

جابر بن زید سے کہا گیا کہ آپ کے شاگرد آپ کی رائے بھی لکھتے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کیا اور کہا: آپ لوگ احادیث کے ساتھ میری رائے بھی لکھتے ہیں۔ حالانکہ میری رائے میری رائے ہے۔ ممکن ہے کل میں اس سے رجوع کر لوں۔ (جامع بیان العلم: ج ۲، ص ۳۱)۔

3.3 تابعین کتابت کے قائل تھے

اس قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین عمومی لحاظ سے کتابتِ حدیث کے مخالف نہیں تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ حدیث کے ساتھ آراء واقوال کو شامل کرنے سے گریز کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ تابعین کتابتِ حدیث کے قائل تھے اور اپنے شاگردوں کو حدیث کی کتابت کی ترغیب دیتے تھے یہاں تک کہ صحابہ کرام کے حلقوں میں جا کر ان کی روایات بڑے اہتمام اور انہماک کے ساتھ لکھتے رہتے تھے۔ سعید بن جبیر (م-۹۵ھ) ابن عباسؓ سے حدیث لکھتے تھے۔ جب سارا کاغذ بھر جاتا تو کسی اور چیز پر لکھ لیتے تھے اور پھر کاغذ پر نقل کر لیتے تھے۔ (تقیید العلم: ص۱۰۲)

سعید بن جبیر کہتے ہیں: میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے پاس آتا جاتا تھا اور ان دونوں سے حدیث لکھتا تھا اور کبھی اونٹ کے پالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا اور جب اونٹ پر سے اترتا تو کاغذ پر نقل کر لیتا تھا۔ (تقیید العلم: ص۱۰۳)

سعید بن المسیب کی خدمت میں عبدالرحمن بن حرملہ نے جب اپنی قوتِ حافظہ کی کمی کی شکایت کی تو انہوں نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی۔ (جامع بیان العلم: ج ا-ص ۲۳)

رفتہ رفتہ کتابت حدیث کا سلسلہ اتنا وسیع ہو گیا کہ لکھی ہوئی قلمی کتابیں بکثرت ممالک اسلامیہ میں پھیل گئیں۔ حسن بصری (م ۱۱۰ھ) نے ایک موقعہ پر کہا: ''ہمارے پاس اتنی کتابیں جمع ہو گئی ہیں کہ اب ہمیں ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے''۔ (جامع بیان العلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) بھی حدیث لکھا کرتے تھے۔ ابو قلابہ کہتے ہیں: ایک دن عمر بن عبدالعزیز ظہر کی نماز کے لیے باہر آئے۔ ان کے ہاتھ میں کاغذ تھا۔ پھر عصر کی نماز کے لیے باہر آئے تو اس وقت بھی ان کے ہاتھ میں کاغذ تھا۔ میں نے پوچھا: امیر المؤمنین! یہ کیا کاغذ ہے؟...... آپ نے جواب دیا: عون بن عبداللہ نے مجھ سے حدیث بیان کی مجھے پسند آئی میں نے اسے لکھ لیا ہے''۔ (السنن للامام الدارمی)

ان تمام روایات سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پہلی صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز میں کتابتِ حدیث کا رواج عام ہو چکا تھا۔ اور حدیث کے مخطوطات بلادِ اسلامیہ میں بکثرت پھیل گئے تھے۔ یہاں تک کہ مجاہد بن جبر (م ۱۰۳ھ) نے اپنے شاگردوں کو اجازت دی کہ وہ ان کے مکان کے بالا خانہ پر جا کر وہاں سے ان کی کتابیں اتار لائیں اور ان سے نقل کر لیں۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے عامل کو لکھا کہ وہ رجاء بن حیوۃ (م ۱۱۲ھ) سے حدیث دریافت کریں۔ اس موقع پر رجاء نے کہا:

كنت قد نسيته لو لا أنه كان عندى مكتوبا (سنن الدارمى: ج ا، ص ۴۹)

''میں یہ حدیث بھول گیا ہوتا اگر یہ میرے پاس لکھی ہوئی نہ ہوتی''۔

عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) حدیث خود لکھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی ان کی مجلس میں بیٹھ کر لکھتے تھے۔ آپ اپنے طلبہ کو پڑھنے اور لکھنے کی بہت ترغیب دیتے تھے۔ ابو حکیم احمدانی کہتے ہیں: میں عطاء بن ابی رباح کے پاس ہوتا اور دوسرے طلبہ بھی ہوتے تھے۔ آپ ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے: بچو! آؤ اور

لکھو۔تم میں جو اچھی طرح نہیں لکھ سکتا ہم اس کے لیے لکھ کر دیں گے۔اور جس کے پاس کاغذ نہ ہو ہم اسے کاغذ بھی دیں گے''۔(سنن الدارمی: ج ۱ص ۱۲۹)

اسی طرح علمی ذوق لوگوں میں بڑھتا گیا۔حدیث کی کتابیں بھی زیادہ ہونے لگیں۔علماء کے پاس لکھی ہوئی روایات علمی حلقوں میں پڑھی جانے لگیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ولید بن السائب کہتے ہیں: میں نے مکحول، نافع اور عطاء سے طلبہ کو لکھی ہوئی احادیث پڑھتے ہوئے دیکھا ہے''۔(الکفایۃ :ص۱۶۴)

عبیداللہ بن ابو رافع کہتے ہیں: میں نے ایک شخص کو دیکھا، وہ ابوداؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج (م ۱۱۷ھ) سے لکھی ہوئی احادیث جو ابوہریرۃؓ کی مرویات تھیں پڑھ رہے تھے۔شاگرد نے پوچھا: اے ابوداؤد! کیا یہ آپ کی بیان کردہ روایات ہیں؟...... اعرج نے کہا: ہاں۔(طبقات ابن سعد: ج ۵-ص۲۰۹)

نافع (م ۱۱۲ھ) اپنے طلبہ کو حدیث لکھواتے تھے اور ان کے شاگرد ان کے سامنے لکھتے تھے۔قتادۃ بن دعامۃ سدوسی (م ۱۱۸ھ) سے کسی نے حدیث کی کتابت کے بارے میں پوچھا۔انہوں نے جواب دیا:

ما یمنعک أن تکتب وأخبرک اللطیف الخبیر أنه یکتب قال:

علمها عند ربّی فی کتاب، لا یضل ولا ینسی. (تقیید العلم)

''تمہیں لکھنے سے کون روکتا ہے؟ خدائے لطیف وخبیر نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ لکھتا ہے اس کا ارشاد ہے: علمها عند ربّی فی کتاب......''

خالد بن معدان الکلاعی الحمصی (م ۱۰۴ھ) نے اپنی روایات کو کتابی صورت میں محفوظ رکھا تھا۔ابوکلابہ عبیداللہ بن زید (م ۱۰۴ھ) نے وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی کتابیں ایوب سختیانی (م ۱۳۱ھ) کو دے دی جائیں جو ان کے شاگرد تھے۔جب یہ کتابیں ایوب سختیانی کے پاس پہنچیں تو ایک اونٹ کا بار (بوجھ) تھیں۔اس کا کرایہ ایوب نے دس درہم ادا کیا۔(طبقات ابن سعد ج ۵-ص ۲۱۶)

عروۃ بن الزبیرؓ نے فرمایا: میں نے حدیث لکھی پھر اسے مٹادیا۔پھر مجھے یہ بات محسوس ہوئی کہ میں مال

اور اولاد کو فدا کر دیتا مگر حدیث کو نہ مٹاتا۔ یوم حرہ کے موقع پر آپ کی جو کتابیں جلا دی گئیں ان کے بارے میں آپ بہت پریشان رہتے تھے اور فرماتے تھے: ''کاش میرے اہل وعیال کے بدلے میری کتابیں میرے پاس ہوتیں''۔ (جامع بیان العلم: ج۱،ص۲۱)

امام محمد باقر بن علی بن حسین (م۱۱۴ھ) کے پاس کتابیں تھیں۔ ان سے ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق نے بعض کتابوں کی سماعت کی تھی اور بعض کتابوں کو ان سے بالالتزام پڑھا تھا۔ (تہذیب التہذیب: ج۲،ص۱۰۴)

مکحول دمشقی کے پاس کئی مخطوطات تھے۔ (فہرست ابن الندیم: ص۳۱۸)

حکم بن عتبہ کے پاس بھی روایات کے مکتوبہ مجموعے تھے۔ (مقدمہ جرح وتعدیل: ص۱۳۰)

بکیر بن عبداللہ الاشج (م۱۱۲ھ) جو مدینہ کے عالم کہلاتے تھے ان کے پاس لکھی ہوئی روایات کے ذخائر تھے جو ان کے بیٹے مخرمہ بن بکیر کو ملے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ص۱۹۰)

قیس بن سعد مکی (م-۱۱۲ھ) کے پاس کتابیں تھیں جو حماد بن سلمہ (م۱۶۷ھ) کے پاس منتقل ہوگئیں۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ج۵،ص۱۴۱)

امام زہری کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جن کی نقل ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان کو کرا دی تھی جب ولید قتل ہوا تو یہ سب کتابیں ولید کی الماریوں سے ایک چھکڑے پر لاد کر دوسری جگہ منتقل کر دی گئیں۔ (کشف الظنون: ص۲۰)

3.4 صحیفہ صحیحہ (صحیفہ ہمام بن منبہ)

ہمام بن منبہ (م۱۳۱ھ) کبار تابعین کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ حضرت ابو ہریرۃؓ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ان سے بکثرت احادیث سن کر لکھ لی تھیں۔ ان احادیث کا املاء حضرت ابو ہریرۃؓ نے کرایا۔

اور ایک یا چند صحیفوں میں جمع کرایا تھا۔ اس مجموعہ کا نام آپ نے ''الصحيفة الصحيحة'' رکھا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے صحیفہ ہمام کے دو مخطوطے حاصل کر کے اسے شائع کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس صحیفہ کا ایک مخطوطہ دمشق سے اور دوسرا برلن (جرمنی) سے ملا۔ ان دونوں مخطوطوں میں بالکل مطابقت تھی۔ اس طرح ہمام بن منبہ کی کتاب صحیفہ صحیحہ کا کامل نسخہ من وعن ہم تک پہنچ گیا۔ ہمام بن منبہ نے اپنا یہ صحیفہ حضرت ابو ہریرۃ کی وفات سے پہلے ان سے سن کر لکھا تھا۔ حضرت ابو ہریرۃ کی وفات ۵۹ھ میں واقع ہوئی۔ لامحالہ یہ صحیفہ جو علمی ودینی وثیقہ ہے پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں لکھا گیا۔ پھر ہمام سے معمر بن راشد یمنی اور معمر بن راشد سے امام عبدالرزاق الصنعانی نے اخذ کیا۔ اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ یہ صحیفہ نقل ہوتا رہا۔ اس صحیفہ میں ایک سو اڑتیس روایات ہیں۔ یہ ساری روایات امام احمد بن حنبل کی مسند میں ''مسند ابو ہریرۃ'' کے تحت اسی ترتیب کے ساتھ منقول ہیں جس ترتیب کے ساتھ اس صحیفہ میں آئی ہیں۔

④ تدوین حدیث اور حضرت عمر بن عبدالعزیز

4.1 تدوین حدیث کی ضرورت

پہلی صدی ہجری کے اواخر تک صحابہ کرام اور تابعین کی کوشش وکاوش سے حدیث کے مکتوبہ اجزاء کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ مگر یہ ذخیرہ منتشر اور مختلف اہل علم کے حلقوں تک محدود تھا۔ ان سب منتشر مکتوبہ اجزاء کو اکٹھا کرنے اور ان کو باقاعدہ طور پر سرکاری اخراجات سے شائع کرنے کا خیال سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کو ہوا۔ ۹۹ھ میں آپ کو خلافت کی ذمہ داری دے دی گئی۔ آپ خود حدیث وفقہ کے ماہر تھے۔ علمی فضا میں تعلیم وتربیت پائی تھی۔ علمائے حدیث کے حلقوں میں شریک ہوتے تھے اور نہایت متدین اور معتدل مزاج تھے۔ آپ نے حدیث نبوی ﷺ کی صورت حال کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ تقریباً تمام صحابہ اور کبار تابعین وفات پا چکے ہیں اور اہل ہوا وبدعت نیز سیاسی جماعتوں اور فرقوں نے اپنے منشاء اور مقصد کو پورا کرنے کے لیے احادیث کثرت سے وضع کر لی ہیں اور کر رہے ہیں۔ اور عرب وعجم کے اختلاط اور باہمی ازدواج سے جو نئی نسل نمودار ہوئی ہے وہ حفظ وضبط حدیث میں خالص عربوں کے حفظ وضبط کے مقابلہ میں کمزور واقع ہوئی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ نے حدیث نبوی ﷺ کی تدوین کا مصمم ارادہ کیا۔ آپ کے دور میں جو اکابر تابعین تھے وہ حدیث کی کتابت کو جائز سمجھتے تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کے سلسلہ میں اپنے ارادہ کا اظہار کیا تو علماء نے آپ کی تائید کی اور آپ کو ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ اس دور میں وضع حدیث کے فتنے کا تدارک کرنے کے لیے علماء انفرادی طور پر مساعی میں مصروف تھے۔ جب حکومت کی طرف سے اس ضمن میں آواز بلند ہوئی تو علماء کے حوصلے بڑھ گئے۔ ابن شہاب زہری کے بھائی کا بیان ہے کہ میں نے ابن شہاب زہری کو یوں کہتے ہوئے سنا: اگر مشرق (عراق) کی طرف سے ایسی حدیثیں نہ آتیں جن کے ہم سب منکر ہیں تو میں حدیث نہ لکھتا اور نہ اس کی کتابت کی اجازت دیتا۔ (تقیید العلم، ص ۱۰۸)

4.2 عمر بن عبدالعزیز اور تدوین حدیث:

امام زہری کی یہ رائے اس دور کے بیشتر علماء کی رائے کے موافق تھی کیونکہ ان علماء کو جس قدر حدیث کے

ضائع ہونے کا خیال تھا اسی قدر حدیث کو ''کذب'' اور ''وضع'' سے بچانے کا بھی خیال تھا۔ ان دو بڑے عوامل نے علماء امت کو خدمت حدیث اور کتابت حدیث پر آمادہ کر دیا اور ان ہی عوامل نے عمر بن عبدالعزیز کو سرکاری طور پر حدیث کے جمع کرنے، لکھوانے اور اس کی اشاعت پر مستعد اور تیار کر دیا۔ آپ نے اپنی مملکت کے تمام علاقوں کے عاملوں کے نام حکمنامہ بھیجا۔ ابونعیم تاریخ اصفہان میں لکھتے ہیں:

''ان عمر بن عبدالعزیز کتب إلی أهل الآفاق: انظروا إلی حدیث رسول الله ﷺ فاجمعوه''. (تقیید العلم: ص۱۰۸)

''عمر بن عبدالعزیز نے تمام ولاۃ کے نام خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب روایات کو تلاش کرو اور انہیں جمع کرو''۔

آپ نے اہلِ مدینہ کو لکھا:

''انظروا حدیث رسول الله ﷺ، فاکتبوه، فانی خفت دروس العلم وذهاب أهله'' (فتح الباری: ص ۲۰۴)

''رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو دیکھو اور اس کو لکھو۔ مجھے علم (حدیث) کے جاننے والوں کے چلے جانے اور اس علم کے مٹنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے''۔

حاکم مدینہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم (م۱۱۲ھ) کے نام پر حکم نامہ بھیجا:

''أکتب إلي بما ثبت عندک من الحدیث عن رسول الله ﷺ، وبحدیث عمرة، فانی خشیت دروس العلم وذهابه''. (سنن الدارمی: ج ۱، ص ۱۲۶)

آپ کے پاس جو صحیح اور ثابت روایات ہیں انہیں لکھ کر میرے پاس بھیج دو۔ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن کے پاس جو ذخائر تھے وہ بھی میرے پاس بھیج دو۔ مجھے اس علم (حدیث) کے ضائع ہونے اور اس کے حاملین کے دنیا سے اٹھ جانے کے باعث ایک خوف سا محسوس ہو رہا ہے''۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حاکم مدینہ کو یہ بھی لکھا تھا:

"أن يكتب لي العلم من عند عمرة بنت عبدالرحمن، والقاسم بن محمد فكتب إليه". (مقدمة الجرح والتعديل: ص ١٢٦)

"عمر بن عبدالعزیز کے لیے عمرۃ بنت عبدالرحمن (م ۹۸ھ) اور قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۷ھ) کی روایات لکھ کر بھیج دو۔ حاکم مدینہ نے ان دونوں کی احادیث خلیفہ کے لیے لکھوا کر بھیج دیں"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے خط میں یوں لکھا:

"انی خفت دروس العلم، وذهاب العلماء، ولا تقبل إلا حديث النبي ﷺ، وليفشوا العلم، وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم، فان العلم لا يهلك حتى يكون سراً". (فتح الباري: ج ١، ص ٢٠٤)

"مجھے علم (حدیث) کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے کا خوف پیدا ہو گیا ہے۔ تم وہی روایت قبول کرنا جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو لوگوں کو چاہئے کہ علم (حدیث) کی اشاعت کریں اور اس کے لیے حلقے قائم کریں تا کہ حدیث کو نہ جاننے والا اس کو جان لے۔ علم اس وقت مٹتا ہے جب وہ پوشیدہ اور مخفی رہے"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) اور دوسرے علماء کو سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے پورے ممالک محروسہ میں ذمہ دار افراد کو سنت کی تعلیم اور اس کے احیاء اور اہل علم کی حوصلہ افزائی کے لیے حکم نامے بھیجے۔ عکرمہ بن عمار کہتے ہیں:

"أما بعد: فأمروا أهل العلم أن ينشروا في مساجدهم فإن السنة كانت قد أميتت". (المحدث الفاضل: ص ٥٣)

اہل علم کو بتاؤ کہ وہ اپنی اپنی مسجدوں میں علم (حدیث) کی اشاعت کریں کیونکہ سنت پر عمل روز بروز گھٹتا جا رہا ہے"۔

عمر بن عبدالعزیز حدیث کی اشاعت کے لیے علماء کی مجالس میں شریک ہوتے اور احادیث کے مناقشے میں حصہ لیتے تھے۔ ابوالزناد عبداللہ بن زکوان القرشی کہتے ہیں:

رأيت عمر بن عبدالعزيز جمع الفقهاء، فجمعوا له أشياء من السنن، فإذا جاء الشيء الذى ليس العمل عليه قال: هذه زيادة، ليس العمل عليها. (قبول الأخبار: ص ۳۰)

''میں نے عمر بن عبدالعزیز کو دیکھا انہوں نے فقہاء کو جمع کیا جنہوں نے سنن سے متعلق کچھ روایات فراہم کی تھیں۔ اس میں اگر کوئی روایت ایسی ہوتی جس پر عمل نہیں ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے۔ یہ روایت اضافی ہے اس پر عمل نہیں ہے''۔

حضرت عمر بن العزیز نے تدوین حدیث کے سلسلہ میں تمام اکابر تابعین، علماء اور فقہاء سے تعاون حاصل کیا۔ اس بارے میں آپ نے جن اہم شخصیات کی معلومات، تجربات اور صلاحیتوں سے استفادہ کیا ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

4.3 ابوبکر بن حزم

آپ مدینہ منورہ کے حاکم، قاضی اور موسم حج کے سربراہ تھے۔ اپنے دور کے علماء میں علم وفضل کے لحاظ سے بہت مقبول اور معروف تھے۔ امام مالک بن انس کہتے ہیں: ''میں نے ابوبکر بن حزم جیسا شخص نہیں دیکھا ہے۔ آپ مروّت اور کردار کے پیکر ہیں۔ مدینہ منورہ میں ''قضا'' کا علم رکھنے والا ابوبکر بن حزم جیسا کوئی نہیں ہے''۔ (تہذیب التہذیب: ج۱۲،ص۳۹)

ابوبکر بن حزم کے دادا عمرو بن حزم جلیل القدر صحابی اور بحرین کے حاکم تھے۔ انہیں رسول اکرم ﷺ نے ''کتاب الصدقۃ'' لکھوا کر دی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو حدیث جمع کرنے کے لیے لکھا اور یہ ہدایت کی کہ عمرۃ بنت عبدالرحمن کے پاس حدیث کی جو روایات تھیں وہ بھی لکھ کر ارسال کر دیں۔

4.4 عمرۃ بنت عبدالرحمٰن

عمرۃ بنت عبدالرحمٰن ابوبکر بن حزم کی خالہ تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی سرپرستی میں تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔ طبقۂ تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کے پاس روایات کا معقول ذخیرہ تھا۔ اس لیے عمر بن عبدالعزیز نے بطور خاص حاکم مدینہ کو آپ کی روایات ارسال کرنے کی ہدایت کی تھی۔

4.5 قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق (م ۱۰۷ھ)

آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے تھے۔ بچپن میں یتیم ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے یتیم بچے کو اپنے آغوش میں لیا اور خوب تربیت کی۔ آپ اپنے دور کے مشہور ومعروف فقیہ تھے۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ سفیان بن عینیہ کہتے ہیں: ''حضرت عائشہؓ کا علم تین لوگوں کے پاس رہا۔ قاسم بن محمد، عروۃ بن الزبیر اور عمرۃ بنت عبدالرحمٰن (کے پاس)''۔

4.6 ابن شہاب زہری

آپ کا پورا نام ابوبکر محمد بن مسلم ہے۔ اپنے دور کے ''اعلام'' میں سے تھے۔ طالب علم ہوتے ہوئے ''سنن'' اور ''قضایا'' لکھ لیا کرتے تھے۔ ابوالزناد کہتے ہیں: ''ہم صرف حلال اور حرام کے مسائل لکھا کرتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے اسے لکھ لیتے تھے۔ جب امام زہری کی ضرورت پیش آئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ أعلم الناس (سب سے بڑے عالم) ہیں۔

امام زہری کے متعلق امام مالک فرماتے ہیں:

> ''كان الزهرى إذا دخل المدينة، لم يحدث بها احد من العلماء حتى يخرج منها، وأدركت بالمدينة مشائخ ابناء سبعين وثمانين لا يؤخذ عنهم، ويقدم ابن شهاب وهو دونهم فى السن فيزدحم عليه، وكان يقول: بقى ابن شهاب وماله فى الدنيا نظير. (مقدمة كتاب الجرح والتعديل: ص ٢٠)

''زہری جب مدینہ میں آتے تھے تو کوئی شیخ وہاں اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرتا جب تک زہری وہاں سے چلے نہ جاتے۔ میں نے مدینہ منورہ میں ستر اور اسی برس کی عمر والے مشائخ کو اس حال میں دیکھا کہ طلبہ ان کی طرف دھیان نہیں دیتے بلکہ ابن شہاب زہری کی مجلس میں جاتے تھے۔ حالانکہ زہری عمر کے لحاظ سے کم تھے۔ زہری کے پاس طلبہ کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ امام مالک کہتے ہیں: اب ابن شہاب ہی رہ گئے ہیں دنیا میں اب ان جیسی شخصیت کوئی نہیں ہے''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کی اہم خدمت کے لیے امام ابن شہاب زہری کو مامور کیا۔ امام زہری اس ضمن میں کہتے ہیں:

''امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فكتبناها دفترا دفتراً فبعث إلى أرض له عليها سلطان دفتراً''. (جامع بیان العلم: ص ۷٦)

''عمر بن عبدالعزیز نے سنن کو جمع کرنے کے لیے ہمیں ذمہ داری دی۔ ہم نے سنن کو کاپیوں میں لکھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی ریاست میں جہاں ان کی حکومت تھی ایک ایک کاپی بھیج دی''۔

اسی بناء پر کہا جاتا ہے:

''اول من دوّن العلم ابن شهاب''. (جامع: ص ۲٦)

ابن شہاب زہری خود کہتے تھے:

لم يدوّن هذا العلم أحد قبل تدويني. (تدریب: ص ۴۰)

''اس علم (حدیث) کو میری تدوین سے پہلے کسی نے مدون نہیں کیا''۔

ابن شہاب زہری کی تدوین دراصل سرکاری طور پر تدوین حدیث کی ابتدائی خدمت تھی ورنہ اس سے

پہلے انفرادی طور پر دورِ رسالت اور عہد صحابہ وتابعین میں حدیث کے حفظ کرنے، پڑھنے پڑھانے اور حدیث کو قلم بند کرنے اور روایت کے ذریعہ نشر واشاعت کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا۔

آپ اس بارے میں اب تک ضروری مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں بعد کے ادوار میں جو خدمات علماء نے انجام دیں۔ ان کا مطالعہ آئندہ یونٹوں میں آپ کریں گے۔ ان شاء اللہ!

خود آزمائی ②

۱- صحابہ کرام اپنے شاگردوں کو حدیث لکھنے کی ترغیب کیوں دیتے تھے۔ اس ضمن میں متعلقہ روایات جمع کر دیں۔

۲- دورِ صحابہ کے اہم مخطوطات کا تذکرہ کیجئے اور بتایئے کہ یہ مخطوطات کس طرح وجود میں آئیں۔

۳- تابعین اور صحابہؓ کی پالیسی کتابت حدیث کے لحاظ سے کیوں ایک جیسی رہی۔ ان کی اس پالیسی کے اسباب وعوامل کی نشاندہی کیجئے۔

۴- تابعین کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ کتابت حدیث کے قائل تھے۔ اس بارے میں آپ کا کیا موقف ہے۔ وضاحت کیجئے۔

۵- حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کی طرف کیوں توجہ دی۔ بنیادی اسباب بیان کیجئے۔

۶- ابوبکر بن حزم، عمرۃ بنت عبدالرحمٰن، قاسم بن محمد اور ابن شہاب زہری کا مختصر تعارف کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
۲) تقیید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش
۳) الجرح والتعدیل از امام ابن ابی حاتم رازی
۴) حلیۃ الاولیاء از ابونعیم الأصبہانی
۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
۶) التاریخ الکبیر للامام البخاری
۷) الکامل لابن اثیر الجزری
۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر
۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری
۱۰) تاریخ الأمم والملوک لابن جریر الطبری
۱۱) الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر الکتانی
۱۲) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی
۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب
۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد
۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبداللطیف
۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد محمد ابوزہرۃ۔
۲۰) ضحی الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ ③

حدیث کا تیسرا دور ❶

تحریر ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق حدیث کے تیسرے دور سے ہے۔ کسی بھی علم اور فن کے اصول ومصادر اور مآخذ ومراجع تک رسائی کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور سے طلبہ علوم وفنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ طلبہ کے ہاتھوں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں ہوتی ہیں، لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم وفن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہمارے ہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموماً یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اسے اس کتاب کے بارے میں علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے میں وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام ومرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کیلئے خاص طور پر ضروری ہے کہ وہ مصادر اور متون کے ساتھ ساتھ تاریخ کا بھی بھر پور مطالعہ کریں۔ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں از بر ہونی چاہئیں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث کے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇦ دوسری صدی ہجری میں حدیث کے ارتقائی مراحل پر بحث کرسکیں۔
- ⇦ مسانید، کے آغاز کے اسباب وعوامل بتاتے ہوئے ابتدائی مسانید کی نشاندہی کرسکیں۔
- ⇦ دوسری صدی ہجری میں حدیث کے موضوع پر جو تالیفات ہوئیں۔ان کی وضاحت کرسکیں۔
- ⇦ دوسری صدی ہجری کے کبار محدثین کے ناموں کی فہرست تیار کرسکیں۔
- ⇦ دوسری صدی ہجری میں سیاسی احوال کی تبدیلی کی وجہ سے حدیث کی اشاعت پر جو اثرات مرتب ہوئے ان کا جائزہ لے سکیں۔
- ⇦ طبقات رواۃ پر روشنی ڈال سکیں اوراس فن کی اہمیت بتاسکیں۔
- ⇦ اہل کلام اور محدثین کے باہمی اختلافات کو مدنظر رکھ کراس موضوع کا تجزیہ کرسکیں۔

① حدیث کا تیسرا دو

دوسری صدی ہجری کے پہلے سال عمر بن عبدالعزیز نے دو سال پانچ ماہ خلیفۃ المسلمین رہنے کے بعد وفات پائی۔ اس مختصر سی مدت میں آپ نے امام زہری کے تعاون سے سرکا طور پر تدوین حدیث کی ابتداء کی اور حدیث کا کافی ذخیرہ مرتب کیا۔ آپ نے روایات کو کاپیوں میں لکھوا کر انہیں مختلف علاقوں میں بھیج دیا۔ امام زہری کی تدوین کا منصوبہ پوری طرح مکمل نہیں ہو سکا تھا۔ اس لیے کہ حدیث کا تمام ذخیرہ امام زہری کے پاس نہیں تھا۔ تابعین اور اکابر محدثین کی اچھی خاصی تعداد دور دراز کے علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی ان تک رسائی اور روایات کے حصول کے لیے کئی برس درکار تھے۔ اگر عمر بن عبدالعزیزؒ چند سال مزید حیات رہتے تو یقیناً وہ تدوین حدیث کے ضمن میں اپنے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے اور یہ کام آپ کے دورِ خلافت میں مکمل ہو جاتا۔ لیکن آپ کے انتقال کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی تدوین حدیث کی ابتداء کی وجہ سے کتابت حدیث کی تحریک علماء حدیث میں تیز ہوگئی۔ پہلے علمائے حدیث مختلف احادیث تدوین وتبویب کے بغیر صحیفوں اور بیاضوں میں جمع کرتے تھے۔ اب انہوں نے روایات کو ابواب کے تحت جمع کرنا شروع کیا ان کی کتب ''سنن'' اور متعلقات سنن پر مشتمل ہوتی تھیں۔ جن کا نام بعض نے ''ابواب''، بعض نے ''مصنف'' اور بعض نے ''جامع'' وغیرہ رکھا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے کس نے ترتیب وتبویب کے ساتھ کتاب لکھی۔ اس ضمن میں بلادِ اسلامیہ کے مختلف مقامات سے تعلق رکھنے والے علماء حدیث کے نام ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کی فہرست دی جاتی ہے:

۱) مکہ میں امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اموی (م ۱۵۰ھ)

۲) مدینہ منورہ میں امام مالک بن انس (۹۳-۱۷۹ھ)

۳) مدینہ منورہ میں محمد بن اسحٰق (م ۱۵۱ھ)

۴) مدینہ منورہ میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب (۸۰-۱۵۸ھ)

۵) بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (۲-۱۵۶ھ)

۶) بصرہ میں ربیع بن صبیح (م۱۶۰ھ)

۷) بصرہ میں حماد بن سلمہ (م۱۶۷ھ)

۸) کوفہ میں امام سفیان بن سعید ثوری (۹۷-۱۶۱ھ)

۹) یمن میں امام معمر بن راشد (۹۵-۱۵۳ھ)

۱۰) شام میں امام عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ)

۱۱) خراسان میں امام عبداللہ بن مبارک (۱۱۸ھ-۱۸۱ھ)

۱۲) واسط میں ہشیم بن بشیر (۱۰۴-۱۸۳ھ)

۱۴) مصر میں عبداللہ بن وھب (۱۲۵-۱۹۷ھ)

پھر انہی علماء کی پیروی کرتے ہوئے دوسرے ہم عصر علماء نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا۔اس دور کی اکثر کتابیں ''مؤلف'' اور جامع کہلاتی ہیں۔البتہ جلیل القدر تابعی عامر بن شرحبیل شعبی (م۱۰۳ھ) کی کتاب ''ابواب'' کے نام سے مرتب ہوئی۔ ان تمام مصنفات اور مجموعوں میں حدیث کے ساتھ ساتھ صحابہؓ کرام اور تابعین کے فتاویٰ اور قضایا بھی جمع کروائے جاتے تھے۔اور علماء کے اقوال بھی درج کئے جاتے تھے۔

1.1 مسانید کی ابتدا

دوسری صدی ہجری کے وسط میں بعض علمائے حدیث نے احادیث کو جداگانہ طور پر خاص ''مؤلف'' میں جمع کرنے کی بنیاد ڈالی اور ''مسانید'' کے نام سے کتابیں مرتب کرنا شروع کیں۔ مسانید میں انہوں نے اس بات کا التزام کیا کہ صرف احادیث کو درج کرنا شروع کیا۔صحابہؓ کرام اور تابعین کے فتاویٰ، قضایا اور اقوال کو نقل کرنا چھوڑ دیا۔مسانید میں علماء حدیث نے حدیث کے لکھنے کا اس طرح اہتمام کیا کہ ایک صحابیؓ سے جس قدر احادیث مختلف مضامین کی ہیں اسی کی روایت سے لکھیں۔ پھر دوسرے صحابیؓ سے اس کی تمام مرویات تحریر کیں۔

ان مسانید میں کسی نے حروف تہجی کے لحاظ سے صحابیؓ کے نام کے پہلے حرف کا اعتبار کر کے ترتیب وار صحابہؓ کی مسند روایات کو جمع کیا۔ اور کسی نے صحابہؓ کے اسلام لانے کے زمانے کا خیال کر کے اول اور پھر اول صحابی کی مسانید کو جمع کیا۔ خواہ مختلف موضوع اور مضمون کی حدیثیں ایک صحابیؓ کی مسند میں جمع کیوں نہ ہو جائیں۔ ان مسانید سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ تمام حدیثیں احاطۂ تحریر میں آ گئیں لیکن مشکل یہ پیدا ہوگئی کہ ایک ہی مضمون مثلاً صلاۃ کی حدیثیں مختلف صحابہؓ کی مرویات میں جدا جدا پھیل گئیں جن سے استفادہ علماء حدیث ہی کر سکتے ہیں۔ عام مطالعہ کرنے والوں کو ایک ہی مضمون کی حدیثیں تلاش کرنے میں پوری کتاب پڑھنی پڑتی ہے۔ بہر حال مسانید کی تالیف بھی احادیث نبوی کی حفاظت وصیانت میں بہت مدد اور معاون ثابت ہوئی ہے۔ نیز ان مسانید میں ہر حدیث کے متعدد طرق کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کے ذریعہ سے اس علم کے ماہرین صحیح حدیث کو ضعیف سے اور قوی کو معلول سے معلوم کر لیتے ہیں۔

1.2 مسند کی پہلی کتاب

سب سے پہلے جس نے ''مسند'' کے نام سے کتاب تالیف کی وہ ابوداؤد سلیمان بن جارود طیالسی (۱۳۲-۲۰۴ھ) ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کے معاصرین نے جو تبع تابعین اور آخذین کے طبقہ سے تھے مسند لکھنے میں امام طیالسی کی پیروی کی۔ اس ضمن میں چند اہم کتب کے نام درج کئے جاتے ہیں:

۱) مسند اسد بن موسیٰ اموی المعروف بأسد السنۃ (م ۲۱۲ھ)

۲) مسند عبیداللہ بن موسیٰ العبسی (م ۲۱۳ھ)

۳) مسند مسدد بن مسرہد بصری (م ۲۲۸ھ)

۴) مسند نعیم بن حماد خزاعی بصری (م ۲۲۸ھ)

۵) مسند امام احمد بن محمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ)

۶) مسند اسحٰق بن راہویہ (۱۶۱-۲۳۸ھ)

۷) مسند عثمان بن ابی شیبہ (۱۵۶-۲۳۹ھ)

1.3 دوسری صدی ہجری کی تالیفات:

دوسری صدی ہجری کے وسط تک تدوین حدیث کا کام زور وشور سے جاری ہو گیا تھا۔اس دور میں تقریباً ہر شیخ کے پاس اپنی کتاب ہوتی تھی جس میں مختلف موضوعات پر روایات درج ہوتی تھیں۔جو حضرات خود تالیف کا کام نہیں کر سکتے تھے وہ دوسروں کی تالیف کردہ کتابیں اپنے پاس رکھ کر ان سے استفادہ کرتے تھے۔اس دور کی جن کتابوں کا تذکرہ مصادر میں ملتا ہے یہاں مختصراً ان کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

۱) یحییٰ بن ابی کثیر (م ۱۲۹ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا۔(المحدث الفاصل:ص۹۴)

۲) زید بن اسلم (م ۱۳۶ھ): آپ کے پاس تفسیری روایات پر مشتمل ایک صحیفہ تھا۔(تذکرۃ الحفاظ: ج۱، ص۱۲۴)

۳) موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ): آپ کے پاس نافع مولیٰ ابن عمرؓ کی روایات کتابی شکل میں موجود تھیں۔ (الکفایۃ:ص۲۶۶)

۴) اشعث بن عبدالملک الحرانی (م ۱۴۲ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا جو سلیمان البصری نے حاصل کیا تھا اور انہوں نے اس کی روایت کی۔(المحدث الفاصل:ص ۱۳۶ھ)

۵) عقیل بن خالد بن عقیل (م ۱۴۲ھ): آپ امام زہری کے شاگرد ہیں۔امام زہری سے آپ نے خوب استفادہ کیا اور روایات لکھیں۔(تذکرۃ الحفاظ:ص۲۶۶)

۶) یحییٰ بن سعید انصاری (م ۱۴۳ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا جو حماد بن زید کو ملا۔اور انہی کی روایت سے متداول ہوا۔(مقدمۃ الجرح والتعدیل:ص۱۷۸)

۷) عوف بن ابی جمیلۃ العبدی (م ۱۴۶ھ): آپ نے اطراف حدیث پر کام کیا۔آپ نے امام حسن بصری کی روایات قلم بند کیں۔اطراف پر آپ نے جو کام کیا تھا وہ یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) کے پاس محفوظ رہا۔(تہذیب التہذیب: ج۸،ص۱۶۷/ مقدمۃ الجرح والتعدیل:ص۲۳۶)

۸) امام جعفر صادق بن محمد باقر (۸۰-۱۴۸ھ): آپ کے پاس رسائل، روایات کے مجموعے اور نسخے تھے۔ (تہذیب: ج ۲، ص ۱۰۴)

۹) یونس بن یزید بن ابی النجاد (م ۱۵۲ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا۔ اس مجموعہ کے بارے میں عبداللہ بن المبارک کا کہنا ہے کہ اس کی روایات صحیح اور قابل استدلال تھیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱، ص ۴۵۰)

۱۰) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ مسعودی (م ۱۶۰ھ): آپ کے پاس روایات کے کئی مجموعے تھے۔ یہ مجموعے شعبہ کے پاس رہے۔ (مقدمۃ الجرح والتعدیل: ص ۱۴۵ھ)

۱۱) زائدۃ بن قدامۃ (م ۱۶۱ھ): آپ کے پاس حدیث کی کئی کتابیں تھیں۔ یہ کتابیں آپ نے تصدیق کے لیے امام سفیان ثوری کی خدمت میں پیش کی تھیں۔ روایات کی صحت وسقم کی پہچان میں آپ شعبہ بن الحجاج کے ہمسر کہلاتے تھے۔

۱۲) سفیان بن سعید ثوری (۹۷-۱۶۱ھ): آپ اپنے دور کے بڑے فقیہ اور محدّث تھے۔ آپ کی ''جامع'' اولین مجموعہ ہائے حدیث میں شمار ہوتی ہے۔ بعد کے محدّثین نے اس کتاب کی روایات کو اخذ کیا اور ان کی روایت کی۔ (فہرست ابن الندیم: ص ۳۱۵)

۱۳) ابراہیم بن طہمان (م ۱۶۳ھ): آپ کے پاس صحیح روایات پر مشتمل کتابیں تھیں۔ جن کی تصدیق عبداللہ بن المبارک نے کی تھی۔ (مقدمۃ الجرح والتعدیل: ص ۲۶۰)

۱۴) شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ): آپ نے روایات کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام ''الغرائب'' رکھا تھا۔ بعد کے علمائے حدیث نے اس کتاب کی روایات کو اخذ کیا اور ان کی روایت کی۔ (الرسالۃ المستطرفۃ: ص ۸۵)

۱۵) عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشون (م ۱۶۴ھ): آپ کے پاس اپنی تالیف کردہ کتابیں تھیں۔ جن کی روایت ابن وھب نے کی ہے۔ (الرسالۃ المستطرفۃ: ص ۸۵)

(۱۶) عبداللہ بن عبداللہ بن اویس (م ۱۶۹ھ): آپ امام مالک کے چچازاد بھائی تھے۔آپ نے روایات کو کتابی شکل دی تھی۔ان روایات کو آپ کے بیٹے اسمعیل بن عبداللہ نے روایت کیا۔(تہذیب: ج۵،ص ۲۸۰)

(۱۷) سلیمان بن بلال (م ۲۳۲ھ): آپ کے پاس کتابوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ تھا۔آپ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ یہ کتابیں عبدالعزیز بن ابی حازم کو دے دی جائیں۔(تذکرۃ الحفاظ: ج ا،ص ۲۴۲)

(۱۸) علی بن لھیعہ (م ۱۴۴ھ): آپ دیارمصر کے مشہور محدث ہیں۔آپ کے پاس احادیث کا مجموعہ تھا۔جو ''صحیفہ'' کے نام سے متداول تھا۔علماء حدیث اس سے باقاعدہ اپنے حلقوں میں استفادہ کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج ا،ص ۲۲۰)

(۱۹) لیث بن سعد (۹۴-۱۷۵ھ): آپ دیارمصر کے معروف ومشہور محدث ہیں۔روایات کے کئی مجموعے آپ نے تالیف کئے تھے۔ان مجموعوں کا درس آپ اپنے تلامذہ کو التزام کے ساتھ دیتے تھے۔(تذکرۃ الحفاظ: ج ا،ص ۳۹)

(۲۰) علی بن عبداللہ المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ): آپ دوسری صدی ہجری کے معروف ومشہور ناقد، رجال کے ماہر اور حدیث کے حافظ ہیں۔امام بخاریؒ نے آپ سے استفادہ کیا۔آپ نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر کام کیا۔اور تالیفات کیں۔آپ کی کتابیں، رجال، غریب الحدیث، شاذ وعلل حدیث پر مشتمل ہیں۔آپ کی تالیفات کی تعداد ایک سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔جن میں پینتیس (۳۵) سے زیادہ کتب کا ذکر محمد بن صالح ہاشمی نے کیا ہے اور امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں متعدد کتابوں کے نام لیے ہیں۔ہر کتاب کئی اجزاء اور بعض کتابیں تیس اجزاء پر مشتمل ہیں۔(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ص ۱۹۴ھ)

علی بن المدینی کا قول ہے:

''نظرت فإذا الأسناد يدور على ستة، فلأهل المدينة ابن شهاب، ولأهل مكة عمرو بن دينار، ولأهل البصرة قتادة بن دعامة ويحى

بن ابی کثیر، ولأهل الکوفة ابو إسحاق عمرو بن عبدالله السبیعی، وسلیمان بن مهران الأعمش، قال ابن المدینی: ثم صار علی هؤلآء الستة إلی أصحاب الاصناف"۔

''میں نے روایات کی اسناد کا تجزیہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام اسناد کی بنیاد چھ شیوخ پر ہے۔ علمائے مدینہ کی اسناد ابن شہاب زہری تک پہنچتی ہیں۔ اہل مکہ کی سند عمرو بن دینار سے چلتی ہے۔ اہل بصرہ کی بنیاد قتادہ بن دعامہ اور یحییٰ بن ابی کثیر ہیں۔ اہل کوفہ کی سند ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی اور سلیمان بن مہران الأعمش تک جاتی ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ انہی چھ شیوخ کا علم بعد کے علماء نے حاصل کیا اور مختلف اصناف وانواع سے تعلق رکھنے والے علماء نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس کی ترتیب وتدوین پر کام کیا''۔

1.4 دوسری ہجری کے کبار محدثین:

دوسری صدی ہجری میں وہ محدثین جو حدیث کے ساتھ ساتھ رجال حدیث کے علم میں بھی بہت زیادہ بصیرت اور مہارت رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

- امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)
- امام اوزاعی (م ۱۵۶ھ)
- امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)
- امام سفیان بن عیینہ (م ۱۹۳ھ)
- امام عبدالرحمن بن مہدی (م ۱۹۸ھ)
- یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۸۹ھ)
- امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)

- ..... امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (م ۲۱۲ھ)
- ..... شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰)
- ..... امام محمد بن ادریس الشافعی (م ۲۰۲ھ)
- ..... امام وکیع بن الجراح (م ۱۹۳ھ)
- ..... معمر بن راشد یمنی (م ۱۵۳ھ)
- ..... ہشام الدستوائی (م ۱۵۴ھ)
- ..... حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ)
- ..... لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)
- ..... عبداللہ بن المبارک (۱۸۱ھ)
- ..... ہشیم بن بشیر (م ۱۸۸ھ)
- ..... ابواسحاق فزاری (م ۱۸۵ھ)
- ..... معافی ابن عمران موصلی (م ۱۸۵ھ)
- ..... بشیر بن مفضل (م ۲۰۴ھ)
- ..... ابو عاصم النبیل (۲۱۲ھ)

خود آزمائی ①

۱- دوسری صدی ہجری میں حدیث کے ارتقائی مراحل سے کیا مراد ہے۔ بیان کیجئے۔

۲- ''مسانید'' کی تدوین کا آغاز کس دور میں ہوا۔ اس بارے میں اہم اسباب وعوامل کا تذکرہ کیجئے۔

۳- مسند کی پہلی کتاب کونسی ہے۔ ابتدائی دور میں جو مسانید مرتب ہوئیں۔ ان کی ایک فہرست تیار کیجئے۔

۴- دوسری صد ہجری میں حدیث پر جو اہم تالیفات سامنے آئیں۔ ان تالیفات کی اہمیت پر بحث کیجئے۔

۵- دوسری ہجری کے کبار محدثین کون کون سے ہیں ان محدثین کی خدمات پر اپنے الفاظ میں ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

② دوسری صدی ہجری میں حدیث پر سیاسی احوال وظروف کے اثرات

۱۳۲ھ میں خلافت بنوامیہ کا زوال ہوا۔ اور عباسی حکومت قائم ہوئی۔ سیاسی انقلاب کا یہ دور بہت اہم تھا جس میں ایک عرب خاندان سے دوسرے عرب خاندان میں خلافت منتقل ہوئی۔ یہ انتقال حکومت اچانک نہیں ہوا بلکہ ایک عرصہ سے انقلابی عوامل کارفرما تھے۔ پہلے سے نہایت مخفی طور پر انقلاب حکومت کی تحریک چلائی گئی تھی جو کبھی ظاہر ہو جاتی اور کبھی روپوش ہو جاتی یہ انقلابی تحریک دوسری صدی ہجری کے اوائل میں پوری منصوبہ بندی کے ساتھ شروع کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں بالآخر بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور ابوالعباس سفاح جو آل عباس کا رہنما تھا خلیفہ بنایا گیا اور عباسی حکومت قائم ہوگئی اور دارالخلافہ دمشق سے بغداد منتقل کر دیا گیا۔ سیاسی مخالفین کے قتل کے ساتھ ساتھ اموی خاندان کے تمام اہم افراد چن چن کر مارے گئے۔ اس موقع پر عبدالرحمٰن اول کسی طرح بچ گیا جو جان بچا کر بھاگا اور چھپ کر مہینوں کا سفر طے کر کے افریقہ کے راستہ سے اندلس (سپین) جا پہنچا۔ وہاں رہ کر آپ نے وہاں کے عمال اور اہل مناصب سے رابطے کئے اور ان کے تعاون سے اندلس میں ایک مستقل اموی حکومت قائم کر دی۔ اس انقلاب اور سیاسی حالات کے پیش نظر لوگوں نے روایات گھڑنا شروع کیا۔ جو لوگ بنوعباس سے خوش نہ تھے انہوں نے ان کی مذمت میں روایات وضع کیں۔ مثلاً عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر عباس کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

هذا عمّي ابو الخلفاء الأربعين أجود قريش كفا أجملها من ولده السفاح والمنصور والمهدى. يا عمى! بى فتح الله هذا الأمر وسيختمه برجل من ولدك".

"یہ میرے چچا چالیس خلفاء کے باپ ہیں جو سب کے سب قریش ہیں کفو کے لحاظ سے بہتر اور حسین ہیں۔ ان کی اولاد میں سفاح، منصور اور مہدی ہوں

گے۔ اے چچا! میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس مملکت کو فتح کیا اور آپ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ذریعہ اس کو ختم کر دے گا''۔

سعید بن المسیّب کہتے ہیں کہ جب خراسان کے قریبی علاقے مفتوح ہو گئے تو عمر بن الخطابؓ رونے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان سے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی کامیابی آپ کو عطا کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: میں کیوں نہ روؤں۔ بخدا مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ ہمارے اور ان خراسانیوں کے درمیان میں آگ کا دریا حائل ہو جائے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

''إذا أقبلت رايات ولد العباس من عقاب خراسان جاء وا بنفي الإسلام، فمن صارَ تحت لواء هم لم تنله شفاعتي يومَ القيامة''

''جب اولادِ عباس کے جھنڈے خراسان کی طرف سے آئیں تو خراسانی اسلام کو مٹانے آئیں گے جو ان کے جھنڈے کے نیچے ہوگا اسے قیامت کے دن میری شفاعت نصیب نہ ہوگی''۔ (یہ حدیث موضوع ہے)

جب اہلِ عجم کے تعاون سے عباسی حکومت قائم ہوئی تو عرب اور عجم میں باہم منافرت پیدا ہو گئی۔ اہلِ عرب عجمی زبان سے نفرت کرنے لگے۔ اس وقت اہلِ عجم نے عجمی زبان کی تعریف میں روایات گھڑنا شروع کر دیں۔ مثلاً:

''إن كلام الذين حول العرش بالفارسية، وإن الله إذا أوحى أمراً فيه لين أوحاه بالفارسية، وإذا أوحى أمراً فيه شدة أوحاه بالعربية''. (تنزيهه الشريعة المرفوعة: ج ١، ص ١٣٦)

''عرش کے اردگرد جو فرشتے ہیں ان کی زبان فارسی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی آسان بات کی وحی کرتا ہے تو فارسی میں کرتا ہے۔ اور جب کسی سخت بات کی وحی کرتا ہے تو عربی زبان میں کرتا ہے''۔

اہل عرب نے اس کے جواب میں فارسی زبان کی تنقیص سے متعلق روایت وضع کی:

"أبغض الكلام إلى الله الفارسية، وكلام أهل النار البخارية، وكلام أهل الجنة العربية". (ایضاً)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ زبان فارسی ہے۔ دوزخیوں کی زبان بخاری ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہے''۔

وضع حدیث کا یہ سلسلہ محض سیاسی جماعتوں اور زبان تک نہیں رہا بلکہ رفتہ رفتہ علماء کے مناقب اور مثالب میں بھی روایات وضع کی گئیں۔ امام ابوحنیفہ کا نسبی تعلق عجم سے تھا اس لیے عجمیوں نے ان کی تعریف میں روایت وضع کی۔ امام شافعی کا نسبی تعلق عرب سے تھا ان کی مذمت کے لیے روایت گھڑ لی۔ مثلاً:

"يكون في أمتي رجل يقال له محمد بن إدريس اضرّ على أمتي من إبليس، ويكون في أمتي رجل يقال له أبو حنيفة هو سراج أمتي". (تنزيه الشريعة المرفوعة: ج ١، ص ١٣٧)

''میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جو محمد بن ادریس کے نام سے موسوم ہوگا وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ مضر ہوگا اور میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا''۔

"سيأتي من بعدي رجل يقال له النعمان بن ثابت، ويكنى أبا حنيفة، ليحيين دين الله وسنتي على يديه. (تنزيه الشريعة المرفوعة: ج ١، ص ١٣٢)

''میرے بعد ایک شخص آئے گا جس کا نام نعمان بن ثابت ہوگا اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا''۔

اس قسم کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں روایات وضع کی گئیں۔ جو بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ دوسری

صدی کے اس حصہ میں وضع حدیث کا فتنہ ایسا پھیلا اور گھمبیر ہو گیا کہ علمائے حدیث کو اس کے خلاف پوری توانائی کے ساتھ اٹھنا پڑا۔ اور اپنی اجتماعی قوت سے پورے جوش وجذبہ اور زور شور کے ساتھ واضعین حدیث کا مقابلہ کرنا پڑا۔ علماء حدیثؒ نے رواۃِ حدیث کے احوال اور ان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے اصول مرتب کیئے جس کے نتیجہ میں ''اسماء الرجال'' نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ علم رجال کے ذریعہ علماء حدیث نے رواۃ پر بہت وقیع کام کیا اور اس طرح ''صحیح'' اور ''سقیم'' رواۃ کی نشاندہی پوری وضاحت کی ساتھ سامنے آئی۔

علمائے حدیث نے واضعین حدیث کے خلاف اپنی تحریک کو پورے تسلسل کے ساتھ جاری رکھا اور کسی دور میں بھی اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں رہے۔ محدّثین ہر موقع پر روایات گھڑنے والوں کی سرزنش کرتے اور ان کی موضوع روایات کی تشہیر کرتے رہے۔

شعبہ بن الحجاج حدیثیں گھڑنے والوں کے بہت سخت خلاف تھے وہ ان کے پاس جاتے انہیں سمجھاتے اور کہتے: خبردار! روایات گھڑنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں گرفتار کروادوں گا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں: اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں صحیح حدیث کا رواج ہی نہ ہوتا۔ مشہور محدّث عبدالرحمٰن بن مہدی نے عیسٰی بن میمون (واضع حدیث) کو سخت دھمکی دی تو اس نے توبہ کی اور کہا: آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ امام سفیان ثوری بھی وضاعین کے مقابلہ میں بہت تشدد سے کام لیتے تھے اور ان کے عیوب کو ظاہر کرتے رہتے تھے۔ امام سفیان ثوری کے دور میں کسی کو حدیث گھڑنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ امام قتیبہ بن سعید کہتے ہیں: اگر سفیان ثوری نہ ہوتے تو تقویٰ اور خوف خدا ختم ہو گیا ہوتا۔

امام مسلم سند متصل کے ساتھ حمزہ الزیات سے روایت کرتے ہیں کہ مرّہ ہمدانی نے حارث اعور کذاب سے کچھ روایات سنیں۔ حمزہ نے حارث اعور سے کہا: دروازہ پر میرا انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں۔ گھر گئے اور تلوار سونت لی۔ حارث سمجھ گیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔

ابن [illegible] بن ہارون سے روایت کرتے ہیں کہ جعفر بن زبیر اور عمران بن حدیر ایک ہی مسجد میں نماز

پڑھتے تھے۔ جعفر کے پاس لوگوں کا ہجوم رہتا تھا اور عمران کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا۔ ایک دن شعبہ نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے۔ افسوس! لوگوں کے حال پر۔ جو شخص جھوٹا ہے اس کے پاس بھیڑ ہے۔ اور جو سچا ہے وہ اکیلے بیٹھا ہے۔ شعبہ نے جعفر بن زبیر کی حیثیت پوری طرح طشت از بام کی۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے جعفر سے استفادہ کرنا چھوڑ دیا اور عمران کے حلقے میں شامل ہوئے۔

2.1 وضع حدیث کے ثبوت کے قرائن

۱) راوی ایسے شیخ سے روایت کرتا ہو جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو۔ یا ایسے شہر کے شیخ سے روایت کرتا ہو جس شہر میں وہ کبھی نہ گیا ہو۔ یا ایسے شہر کے شیخ سے روایت کرتا ہو جس کی وفات کے بعد راوی کی پیدائش ہوئی ہو۔ یا شیخ کی اس وقت وفات ہوئی جبکہ راوی بچہ ہو اور شیخ سے نہ ملا ہو۔ امام شعبہ بن الحجاج سے کسی نے پوچھا: آپ عثمان بن ابوالیقظان (عثمان بن عمیر) سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ شعبہ نے جواب دیا: ایسے شخص سے کیسے روایت کرسکتا ہوں جس کے پاس میں بیٹھا تھا میں نے اس سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھا اس نے اپنا سن پیدائش بتایا۔ پھر جب روایت کرنے لگا تو ایسے شیخ سے روایت کی جو اس کی پیدائش سے پہلے انتقال کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رواۃ حدیث کا سن پیدائش، وفات، رحلات اور خاص کر ان شہروں کے نام جہاں انہوں نے قیام کیا اور استفادہ کیا ان سب باتوں کا جاننا محدثین ضروری سمجھتے تھے۔ اور یہ سب معلومات رکھتے تھے۔ حفص بن غیاث کہتے ہیں: جب کسی شیخ کی حیثیت واضح نہ ہو تو تاریخ سے اس کا محاسبہ کرو۔ یعنی اس کی عمر معلوم کرو اور جن شیوخ سے اس نے استفادہ کیا ہے ان کا تاریخی دور دیکھو۔ حسان بن زید کہتے ہیں: تاریخ کے ذریعہ ہم نے جھوٹے رواۃ حدیث کی پہچان میں بڑی مدد حاصل کی ہے۔ ہم شیخ سے پوچھتے ہیں اس کی عمر کیا ہے؟...... کس سن میں اس کی پیدائش ہوئی ہے؟...... اس کے بعد اس کے اساتذہ اور اسفار کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی عمر، سفر اور شیوخ کی کڑیوں کو ملا کر معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے یا سچا؟!!

۲) راوی جو وضع اور کذب میں مشہور ہو کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہو اس کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی نے

اس قسم کی روایت نہ کی ہو تو ایسی روایت کو علماء حدیث صراحتاً ناقابل قبول کہتے ہیں۔ اور اس کی روایت نہیں کرتے۔

نوٹ: متن حدیث میں وضع کے عوامل وقرائن کے لیے کورس نمبر ا، یونٹ نمبر ۱۳ ''اصول درایۃ'' کا مطالعہ کیجئے۔

2.2 طبقاتِ رُواۃِ حدیث

علماء حدیث نے صحت کے لحاظ سے رواۃ حدیث کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم میں شیوخ سے براہِ راست استفادہ اور ان کے ساتھ تعلق کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ حازمی (م۵۸۴ھ) نے امام زہری کے تلامذہ کے طبقات کی مثال دے کر سمجھایا ہے۔ اس مثال سے دوسرے شیوخ کے تلامذہ کے طبقات کے مراتب معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ امام حازمیؒ ائمہ خمسہ کی شروط کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ امام زہریؒ کے رُواۃ کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقہ کو اپنے بعد والے طبقہ پر فوقیت اور خصوصیت حاصل ہے۔ وہ پانچ طبقے یہ ہیں:

۱- پہلا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رُواۃ آتے ہیں جو ثقہ وعادل ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ اور ضابط تھے۔ امام زہریؒ کی صحبت میں طویل مدت تک رہے۔ یہاں تک کہ سفر وحضر میں بھی ان کے ساتھ رفاقت کی۔ جیسے امام مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، یونس ایلی، عقیل ایلی اور شعیب بن ابی حمزۃ وغیرہم۔

۲- دوسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رُواۃ آتے ہیں جو حافظ، ضابط اور عادل تھے لیکن امام زہریؒ کی صحبت میں کم مدت تک رہے۔ اس لیے وہ امام زہری سے زیادہ استفادہ نہ کرسکے۔ جیسے امام اوزاعی، لیث بن سعد، نعمان بن راشد اور عبدالرحمٰن بن خالد وغیرہم۔

۳- تیسرا طبقہ: یہ طبقہ ان رُواۃ کا ہے جو امام زہری کی صحبت میں طویل مدت تک رہے۔ لیکن حفظ وضبط کے لحاظ سے علمائے حدیث نے ان پر جرح کی ہے۔ جیسے سفیان ابن حسن اسلمی، جعفر بن برقان، عبداللہ بن

عمر بن حفص العمری اور زمعہ بن صالح وغیرہم۔

۴- چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رُواۃ آتے ہیں جنہیں امام زہری کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقع نہ مل سکا اور حفظ وضبط کے پہلو سے علماء حدیث نے ان کی توثیق بھی نہیں کی ہے جیسے اسحاق بن یحییٰ کلبی، معاویہ بن یحییٰ صدفی، اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ مدنی، ابراہیم بن یزید مکی اورمثنی بن صباح وغیرہم۔

۵- پانچواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ راوی آتے ہیں جن کے ضعف پر علماء حدیث کا اتفاق ہو۔ اور وہ رواۃ بھی اس میں داخل ہیں جو مجہول الحال ہوں۔ جیسے بحر بن کنیز السقا، حکم بن عبداللہ ایلی، عبدالقدوس بن حبیب دمشقی، اور محمد بن سعید مصلوب وغیرہم۔

2.3 اہل کلام اور محدّثین کے باہمی اختلاف کا حدیث پر اثر

اہلِ کلام سے مراد وہ علماء ہیں جو ہر چھوٹے اور بڑے دینی مسئلہ میں اپنی عقل کو دخل دینے کے قائل تھے۔ جو بات انہیں عقل کے خلاف نظر آتی تھی۔ اسے رد کر دیتے تھے۔ سب سے پہلے اہل کلام اور محدّثین کے درمیان بصرہ میں اختلاف کھل کر سامنے آیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ واصل بن عطاء (م ۱۱۳ھ) جو امام حسن بصری کا شاگرد تھا اور ان کے حلقہ کا مستقل رکن تھا رفتہ رفتہ اپنے شیخ امام حسن بصری کے سامنے اپنی فکر اور نظریات کی بنیاد پر بحث وتمحیص کرنے لگا۔ چونکہ واصل بن عطا کی فکر اور سوچ امام حسن بصری اور سلف کے خلاف تھی اس لیے امام حسن بصری ان سے ناراض ہو گئے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا: اعتزل منی ...... ''ہم سے اپنا راستہ الگ کر دیجئے''۔ اعتزال کے معنی جدا ہونے اور دور ہونے کے ہیں اس وقت سے واصل اور ان کے پیروکاروں کا نام ''معتزلہ'' ہو گیا۔ یعنی جدا ہونے والا فرقہ۔

واصل بن عطاء کے بعد اس جماعت میں جو بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: عمرو بن عبید (م ۱۴۳ھ)، ابوالہذیل العلاف (م ۲۳۵ھ)، نظام بشیر المریسی (م ۲۱۸ھ)، عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۲۵ھ) اور ثمامہ بن اشرس۔

2.4 اہل کلام اور محدثین کے درمیان اختلافی مسائل

اہلِ کلام کے اختلافی مسائل میں دو اہم مسائل ایسے تھے جو نزاع کا سبب بنے۔ ان دو اہم مسائل میں ایک مسئلہ بندوں کے افعال کا تھا اور دوسرا مسئلہ اللہ جل شانہ کی صفات کا تھا۔ بندوں کے افعال کے بارے میں معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال خود بندوں کے پیدا کردہ ہیں۔ اللہ جل شانہ کو بندوں کے افعال کے پیدا کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے اسی لیے انسان ثواب اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اس کے مقابلہ میں جمہور علماء امت کا موقف یہ ہے کہ انسانوں کے تمام افعال اللہ جل شانہ کے پیدا کردہ ہیں۔ انسان نہ تو پوری طرح مختار ہے اور نہ مجبورِ محض ہے۔ دوسرا مسئلہ جو نزاعی اور اختلافی تھا وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تھا۔ معتزلہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قائم رہنے والا تمام صفات کے ثبوت سے منزہ ہے جیسے سمع، بصر، حیات، قدرت اور کلام وغیرہ صفات الٰہی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اگر اس کی صفات بھی قدیم مانی جائیں تو کئی قدیم چیزیں ہو جائیں گی۔ اس سے قدیم اشیاء کا تعدّد لازم آئے گا جو محال ہے۔ اس کے مقابلہ میں جمہور علماء امت کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع، بصر اور دوسری صفات الٰہی قدیم ہیں اور اللہ جل شانہ کی ذات سے بذاتہ قائم ہیں۔ یہ صفات نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔

مسئلہ صفاتِ الٰہی کے اختلاف کے سلسلہ میں دوسرا اختلاف جو رونما ہوا وہ قرآن کے کلامِ الٰہی کی قدامت اور حدوث کا مسئلہ تھا۔ جمہور علماء امت کا موقف تھا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام قدیم ہے۔ اس لیے قرآن بھی قدیم ہے۔ اس کے مقابلہ میں معتزلہ کہتے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے حادث اور مخلوق ہے۔ جس طرح دوسری مخلوقات ہیں اللہ تعالیٰ قرآن کے حروف اور اصوات کو حادث جسم میں پیدا کرتا تھا جن کو نبی کریم ﷺ سماعت فرماتے تھے۔

معتزلہ عقل کو تمام دینی مباحث، عقائد اور احکام میں حکم کی حیثیت دیتے تھے یہاں تک کہ احادیث میں

بھی وہ اپنی عقل کو دخل دیتے تھے۔ جب کوئی حدیث ان کی سمجھ اور عقل کے خلاف ہوتی اور ان سے اس کی تاویل نہ ہو سکتی تو وہ اسے رد کر دیتے تھے۔ لیکن امت مسلمہ کے خوف سے تیسری صدی ہجری کے اوائل تک اعلانیہ اپنے افکار اور خیالات کا اظہار نہیں کرتے تھے اور خلفائے وقت بھی جمہور مسلمانوں کے جذبات کی وجہ سے معتزلہ کی حمایت نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب تیسری صدی ہجری کا آغاز ہونے لگا اور عباسی خلیفہ مامون الرشید نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی جس کا دورِ خلافت ۱۹۸ھ سے ۲۱۸ھ تک تھا تو اس کے دورِ حکومت میں اہلِ کلام کو عروج حاصل ہوا۔ مامون الرشید اگرچہ کتاب وسنت کا عالم تھا اور سمجھ بوجھ رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ معتزلہ کے افکار ونظریات کو پسند کرتا تھا۔ وہ فطرۃً بحث ومناظرہ میں آزاد پسند واقع ہوا تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں حکمائے فارس اور فلاسفۂ یونان کی کتابوں کے ترجمہ شدہ کتابوں کا مطالعہ بہت شوق سے کیا جاتا جس کی وجہ سے کافی لوگ عقائد اور مابعد الطبیعات کے مسائل میں عقل کو دخل دینے لگے۔ مامون الرشید نے اس فضا کو دیکھ کر اہلِ کلام کو بحث ومناظرہ کی پوری آزادی دے دی اور ان کی پشت پناہی شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مامون الرشید کے دورِ حکومت میں اہلِ کلام اور محدثین کے درمیان بڑے بڑے مناظرے منعقد ہوئے اور کشمکش کی فضا تیز سے تیز تر ہونے لگی۔ مامون الرشید نے مسائل میں عقائد، امامت اور بالخصوص خلق قرآن کے مسئلہ کو زیادہ اہمیت دی اور ۲۱۲ھ میں خلقِ قرآن کے متعلق اپنے عقیدہ کو اعلانیہ ظاہر کیا۔ اس کا خیال تھا کہ علماء اور فقہاء امت اور تمام محدثین مامون کی رائے کی پرزور تائید کریں گے لیکن نتیجہ اس کے برعکس ظاہر ہوا۔ علماء، فقہاء، اور محدثین نے مامون الرشید پر بدعت کا الزام لگایا۔ مامون اس ردِعمل کی وجہ سے طیش میں آ گیا۔ اس نے روم سے حاکم بغداد کو لکھا کہ جو علماء خلقِ قرآن سے متعلق اس کی رائے کے خلاف ہیں ان کو سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔ حاکم بغداد نے امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگوائے۔ احمد بن نصر خزاعی کو ایک بڑی جماعت کے ساتھ قتل کر دیا۔ ایک جماعت کو تنوروں میں جھونک کر اور ایک جماعت کو قید خانہ میں ڈلوا دیا اور بقیہ تمام محدثین کو فتویٰ، درس اور حدیث کی روایت کرنے سے منع کر دیا۔ جب مامون الرشید کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بھائی المعتصم کو وصیت کی کہ وہ بھی خلقِ قرآن کے مسئلہ میں وہی روش اختیار کریں جو مامون کی ہے۔ چنانچہ المعتصم نے بھی اپنے دورِ حکومت میں تمام معلمین کو ہدایت کی کہ وہ خلقِ قرآن کے مسئلہ

میں حکومتِ وقت کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے طلبہ کو پڑھائیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ قدیم نہیں ہے۔ لیکن المعتصم کے اس فرمان کا معلمین پر کوئی اثر نہ ہوا جس کی وجہ سے معلمین کی ایک بہت بڑی تعداد شہید کر دی گئی۔ امام احمد بن حنبل پر مزید سختی کی گئی اور نو سال تک انہیں کڑی آزمائش میں مبتلا رکھا گیا۔ یہاں تک کہ ۲۳۲ھ میں المعتصم کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا واثق تاج وتخت کا مالک ہو گیا۔ اس نے بھی معتزلہ کی حمایت جاری رکھی۔ واثق کا وزیر احمد بن ابی داؤد فرقہ معتزلہ کا لیڈر تھا۔

۲۳۲ھ میں واثق کے بعد اس کا بھائی المتوکل تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نیک دل اور بہت ہی مذہبی تھا۔ اس نے تمام محدّثین کی عزت افزائی کی اور سنت کی اشاعت وترویج کی طرف راغب ہوا اور محدّثین کو انعام واکرام سے نوازا۔ جس کے تشکر کے لیے امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے جامع رصافہ میں ایک اجتماع منعقد کیا۔ جس میں تیس ہزار افراد شریک ہوئے اور ابوبکر بن ابی اشیبہ کے بھائی امام عثمان بن ابی شیبہ نے جامع منصور میں اجتماع منعقد کیا اس میں بھی تقریباً تیس ہزار افراد نے شرکت کی اور خلیفۂ وقت المتوکل کے لیے خیر وبرکت کی دعائیں کیں اور اس خلیفہ کو محی السنۃ کے لقب سے یاد کیا۔

2.5 تیسری صدی ہجری اور صحاح ستہ

تیسری صدی ہجری کے پہلے تین عشرے علمائے امت اور محدّثین کے لیے رنج ومحن اور ابتلا ومصیبت کا زمانہ اور پرفتن دور تھا۔ مگر اللہ جل شانہ کی تائید علمائے حدیث کو حاصل تھی اس لیے یہ حضرات پوری توجہ، محنت اور جذبہ کے ساتھ کتاب وسنت کی ترویج واشاعت میں مشغول رہے۔ اس دور ابتلاء میں چار ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو حدیث، رجال اور عللِ حدیث کی پہچان اور معرفت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ناقدین رجال کی حیثیت سے بھی ان کا رتبہ نہایت بلند سمجھا جاتا ہے اور ان کا فیصلہ قول فیصل قرار دیا جاتا ہے۔ اسناد اور متنِ حدیث کی پہچان میں ان کے کمال کا اعتراف تمام علماء نے کیا ہے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں: امام یحیٰی بن معین (م ۲۳۳ھ)، امام علی بن المدینی (م ۲۳۳ھ)، امام ابوبکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)، امام احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔

ان چار محدثین نے ابتلاء اور فتن کے دور میں بھی حدیث کے علم کو بلند رکھا اور ایسے جادۂ مستقیم پر گامزن رہے کہ آنے والے علمائے حدیث کو اس راستہ پر چلنے میں کسی پیچ وخم کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

تیسری صدی کے ابتدائی تین عشرے تک حکومتِ وقت کی پالیسی اور سخت روش کی وجہ سے علم حدیث کی تحصیل اور ترویج میں جو رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے دور ہوتے ہی حدیث کے طلبہ کو شوق طلب از سر نو شروع ہوگیا اور انہوں نے نہایت جوش و ولولہ اور جذبہ کے ساتھ طلب حدیث میں علمی سفر شروع کر دیا جو اس دور کی طلب علم کا اہم ذریعہ تھا۔

2.6 صحاح ستہ کی تدوین

تیسری صدی آدھی بھی نہ گذری تھی کہ علم حدیث کے میدان میں بڑی بڑی قد آور شخصیات کا ظہور ہوا۔ ان شخصیات میں سے ہر ایک نے علم حدیث کی تدوین، ترویج، فروغ اور تطویر کے لیے اپنی بھر پور صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ اور ہر ایک نے اپنے تئیں ایسی خدمات انجام دیں کہ تمام محدّثین کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ اور سب نے نہایت احترام، خلوص اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی خدمات کو سراہا۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں:

۱- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری (م ۲۵۶ھ): آپ نے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ مختلف شیوخ اور مراکز سے حاصل کیا۔ ان میں سے صحیح روایات کو الگ کر دیا اور "الصحیح" کے نام سے کتاب مرتب کی۔

نوٹ: اس کتاب کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۲ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

۲- امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری نیشا پوری (م ۲۶۱ھ): آپ نے "الصحیح" کے نام سے کتاب مرتب کی۔ اور اس میں وہ روایات جمع کیں جو آپ کی تحقیق کے مطابق صحیح ہیں۔

نوٹ: اس کتاب کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۳ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

۳- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ): آپ نے ''الجامع'' کی نام سے حدیث کی کتاب مرتب کی۔ جسے طلبہ اور علماء کے حلقوں میں بہت زیادہ پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

نوٹ: اس کتاب کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۶ میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔

۴- امام ابو داؤد سلیمان بن الأشعث بن اسحاق سجستانی (م ۲۷۵ھ): آپ نے ''السنن'' تالیف کی۔ اس کتاب کو علماء نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس سے خوب استفادہ کیا۔

نوٹ: امام ابو داؤد اور ان کی کتاب ''السنن'' کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۵ میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

۵- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی (م ۳۰۳ھ): آپ کی کتاب ''السنن'' بہت عمدہ اور مفید کتاب ہے۔ اپنی تالیف کے وقت سے لے کر آج تک طلبہ اور علماء کے ہاں متداول ہے۔

نوٹ: امام نسائی اور ان کی کتاب ''السنن'' کے بارے میں کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۹ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

۶- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ القزوینی (م ۲۷۳ھ): آپ نے ''السنن'' مرتب کی اور اسے بہت عمدہ اور خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ یہ کتاب پورے تسلسل کے ساتھ علمی مراکز میں پڑھائی جارہی ہے۔

نوٹ: امام ابن ماجہ اور ان کی کتاب ''السنن'' کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۷ میں پڑھ چکے ہیں۔

ان چھ مؤلفین کی مرتب کردہ کتابوں کے مجموعہ کو ''کتب ستہ''، ''اصول ستہ'' یا ''صحاح ستہ'' کہتے ہیں۔ یعنی حدیث کی چھ صحیح کتابیں۔ کتب ستہ کی تالیف وتدوین سے تشریع اسلامی کے مصدر ثانی سنت کی تدوینی ضرورت مکمل ہوئی ورنہ اس سے پہلے سنت کا وافر ذخیرہ ہزاروں محدثین کے سینوں اور صحائف واجزاء میں منتشر طور پر محفوظ تھا اور بلادِ اسلامیہ کے مختلف اطراف میں علماء حدیث پھیلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے روایات کے

حصول اور تحقیق کے لیے ہزاروں میل کا سفر کرنا پڑتا تھا اور سخت سے سخت سفر کے مصائب برداشت کرنے پڑتے تھے لیکن ان محدثین نے خود ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اور طرح طرح کے مصائب جھیل کر سنت کے وافر خزانہ کو یک جا کر دیا اور اپنے تبحر علمی، جانفشانی اور اپنے شیوخ کی کمال شفقتوں اور تائید خداوند سے اصولِ روایت ودرایت کو ملحوظ رکھ کر تمام غیر صحیح اور سقیم روایات کو چھانٹ کر صحیح روایات کو اپنی تالیفات میں محفوظ کر لیا۔ اس طرح سنت کی حفاظت وصیانت کے لیے اللہ جل شانہ نے بہترین انتظام فرما دیا۔

خود آزمائی ②

۱- دوسری صدی ہجری میں سیاسی احوال وظروف نے حدیث کی اشاعت پر جو اثرات ڈالے۔ ان اثرات کا اجمالی جائزہ پیش کیجئے۔

۲- وضع حدیث کا سلسلہ کب شروع ہوا۔ اس کے بنیادی اسباب پر بحث کرتے ہوئے وضع حدیث کے ثبوت قرائن بیان کیجئے۔

۳- طبقات رواۃ حدیث سے کیا مراد ہے۔ امام ابن شہاب زہری کے تلامذہ کے طبقات بطور مثال کیوں پیش کئے جاتے ہیں۔

۴- اہل کلام اور محدثین کے باہمی اختلاف کا حدیث پر کیا اثر مرتب ہوا۔ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

۵- اہل کلام اور محدثین کے درمیان اختلافی مسائل کی نوعیت کیا تھی وضاحت کیجئے۔

۶- تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ کی تدوین کس طرح عمل میں آئی بیان کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
۲) تقیید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش
۳) الجرح والتعدیل از امام ابن ابی حاتم رازی
۴) حلیۃ الاولیاء از ابونعیم الأصبہانی
۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
۶) التاریخ الکبیر للامام البخاری
۷) الکامل لابن اثیر الجزری
۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر
۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری
۱۰) تاریخ الأمم والملوک لابن جریر الطبری
۱۱) الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر الکتانی
۱۲) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی
۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب
۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد
۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبداللطیف
۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد محمد ابوزہرۃ
۲۰) ضحیٰ الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ④

حدیث کا تیسرا دور ❷

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق حدیث کے تیسرے دور (۲) سے ہے۔ کسی بھی فن کے اصول و مصادر اور مآخذ و مراجع تک رسائی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر طلبہ علوم و فنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ طلبہ کے ہاتھوں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں ہوتی ہیں۔ لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم و فن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہمارے ہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں۔ وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموماً یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالبعلم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اسے اس کتاب کے بارے میں علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے میں وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے۔ نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام و مرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے۔ علوم اسلامی کے طلبہ کے لئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ وہ مصادر اور متون کیساتھ ساتھ تاریخ کا بھی بھرپور مطالعہ کریں۔ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں از بر ہونی چاہئیں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کیساتھ مطالعہ کریں امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ امام علی ابن المدینی اور امام یحییٰ بن معین کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔

⇦ امام ابو بکر بن ابی شیبہ اور امام ابوزرعہ رازی کی علماء حدیث کے ہاں حیثیت اور مقام پر روشنی ڈال سکیں۔

⇦ امام ابو حاتم رازی محمد بن جریر طبری اور امام ابن خزیمہ کی خدمات حدیث پر بحث کر سکیں۔

⇦ حافظ محمد بن سعد، اور امام اسحٰق بن راہویہ کا پوری تفصیل کے ساتھ تعارف کروا سکیں۔

⇦ امام احمد بن حنبل اور امام دارمی کی ان خدمات کا جائزہ لے سکیں جو انہوں نے حدیث کی اشاعت کے لئے انجام دیں۔

⇦ امام ابن قتیبہ دینوری کی تالیفات کا تذکرہ کر سکیں اور امام دینوری کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کر سکیں۔

① حدیث کا تیسرا دور

تیسری صدی ہجری میں حدیث کے معروف و مشہور اور باکمال شیوخ اور اساتذہ پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث کی اشاعت، رواۃ حدیث کی تاریخ اور علل کی معرفت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں اور حدیث کی تدوین کے کام کو نیا اسلوب اور نیا رخ عطا کیا۔ یہاں اس دور کے چند مشہور علمائے حدیث کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس دور میں علم حدیث کی ترویج وتطویر کے حوالے سے مزید وضاحت ہو سکے۔

1.1 علی بن المدینی

آپ کا نام علی ہے، والد کا نام عبداللہ بن جعفر ہے۔ اکثر علی بن المدینی اور کبھی ابن المدینی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ حدیث کے نہایت مشہور اور ممتاز امام ہیں۔ امام احمد بن محمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین جو اپنے دور کے بلند پایہ محدّث ہونے کے علاوہ بہت بڑے ناقدین رجال میں سے تھے۔ یہ دونوں امام علی بن المدینی کے ہم عصر اور احباب میں سے تھے۔ علی بن المدینی بھی محدّث ہونے کے علاوہ نقد رجال کے علم میں یکتائے روزگار شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں جو نہایت مستند اور معتبر تسلیم کی جاتی ہیں۔ بعد کے محدّثین نے آپ کی کتابوں سے رہنمائی حاصل کی اور آپ کے علمی کمال کا اعتراف کیا۔ امام سفیان بن عیینہ جو علی بن المدینی کے شیوخ میں سے ہیں کہتے ہیں: میں سچ کہتا ہوں اور برملا کہتا ہوں کہ علی بن المدینی جتنا کچھ مجھ سے سیکھتے ہیں میں اس سے زیادہ ہیں ان سے سیکھتا ہوں۔ یحییٰ بن سعید القطان بھی علی بن المدینی کے اساتذہ میں داخل ہیں، ان سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ امام بخاری جو ابن المدینی کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں: مجھے ابن المدینی کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی کم علمی کا احساس ہوتا ہے حالانکہ یہ احساس مجھے کسی اور کی مجلس میں نہیں ہوتا۔ امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ علی بن المدینی حدیث اور علل کی معرفت میں اونچے اور چوڑے پہاڑ کی طرح ہیں۔

امام ابن المدینی نے حدیث کی ترویج کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کیا، آپ نے حدیث کی تدریس بھی کی اور اس ضمن میں تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا۔ امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں ابن المدینی کی درج ذیل تالیفات کا ذکر کیا ہے:

١- كتاب الاسامی و الكنىٰ
٢- كتاب الضعفاء
٣. كتاب المدّلسين
٤. كتاب اول من نظر فی الرجال وفحص عنهم
٥. كتاب الطبقات
٦. كتاب من روى عن رجل لم يره
٧. كتاب علل المسند
٨. كتاب العلل لاسماعيل القاضى
٩. كتاب العلل لابن عيينه
١٠. كتاب من لا يحتج بحديثه
١١. كتاب الوهم و الخطاء
١٢. كتاب قبائل العرب
١٣. كتاب من نزل من الصحابة سائر البلدان
١٤. كتاب التاريخ
١٥. كتاب العرض على المحدّث
١٦. كتاب من حدّث ثم رجع عنه
١٧. كتاب يحيى القطان و عبدالرحمان بن مهدى فى الرجال
١٨. كتاب سوالات يحيى

۱۹ – کتاب الثقات والمثبتين

۲۰ – کتاب اختلاف الحديث

۲۱ – کتاب الاشربه

۲۲. کتاب غريب الحديث

۲۳. کتاب الاخوة والاخوات

۲۴. کتاب من يعرف باللقب

۲۵. کتاب مذاهب المحدّثين

امام حاکم نے ان کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہم نے ابن المدینی کی کتابوں کی یہ مختصر فہرست پیش کی ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ابن المدینی نے سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی ان تالیفات سے آپ کے تبحر علمی اور فضل وکمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی وفات سن ۲۳۴ھ میں ہوئی۔

1.2 یحییٰ بن معین

یحییٰ بن معین تیسری صدی ہجری کے ان چار بڑے ائمہ میں سے ایک ہیں جن پر حدیث کی امامت ختم ہو گئی۔ وہ چار ائمہ یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن المدینی اور امام ابوبکر بن ابی شیبہ۔ امام ابن معین نے حدیث میں عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، عبدالرحمان بن مہدی، ہشیم، وکیع اور ان کے علاوہ دیگر محدّثین سے استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں: امام ابوزرعہ رازی، امام ابوحاتم، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد بجستانی۔

امام ابن معین کی امانت دیانت اور جلالت شان پر علماء کا اتفاق اور اجماع ہے۔ جرح وتعدیل کے فن میں اور وضّاعین حدیث کے احوال کو ظاہر کرنے کے فن میں آپ کو خصوصیت کا درجہ حاصل تھا۔ حدیث میں تثبت آپ کا جوہر تھا۔ محدّثین کا بیان ہے کہ ایک دن ابن معین قبلہ رخ ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے

لگے: اے اللہ! میں نے جس شخص کے متعلق کلام کیا ہے اگر وہ میرے نزدیک کذاب ثابت نہ ہو تو میری مغفرت نہ فرما۔ امام احمد کا بیان ہے کہ یحیی بن معین سے حدیث کی سماعت کرنے سے دلوں کی کدورت اور بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے یحیی بن معین کو حدیث کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے، وہ حدیث سے کذابین کے کذب کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس حدیث کو یحیے بن معین نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ امام علی بن المدینی کہتے ہیں کہ یحیے بن معین جیسا شخص میں نے نہیں دیکھا ہے۔ امام حاکم نیشاپوری نے معرفۃ علوم الحدیث میں یحیی بن معین کو فقہائے محدثین میں شمار کیا ہے۔ امام ابن معین کی وفات مدینہ منورہ میں سن ۲۳۳ھ میں واقع ہوئی۔ بقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

1.3 ابوبکر بن ابی شیبہ

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر ہے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام محمد بن ابی شیبہ تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں: ابوالاً حوص، عبداللہ بن المبارک، شریک، ہشیم، جریر بن عبدالحمید، وکیع بن الجراح، ابن علیہ، عبدالرحمان بن مھدی، یحیٰی بن سعید القطان، سفیان ابن عیینہ اور زید بن ہارون۔ آپ کے مشہور شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ابن ماجہ قزوینی، امام احمد بن حنبل، محمد ابن سعد، امام رازی، امام ابو حاتم، عبداللہ بن احمد بن حنبل، ابراھیم حربی اور ابوشیبہ ابراھیم۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ ثقہ اور حدیث کے حافظ تھے۔ آپ کے فضل وکمال اور حفظ کا اعتراف علماء کی بہت بڑی تعداد نے کیا ہے۔ امام ابوعبید قاسم بن سلام کہتے ہیں: "علم چار علماء کے پاس رہا اور انہی پر ختم ہو گیا۔ ان میں ابوبکر بن ابی شیبہ سب سے زیادہ احادیث کے حافظ تھے۔ امام احمد سب سے زیادہ فقیہہ تھے۔ یحیٰی بن معین سب سے زیادہ حدیث کے جامع تھے اور علی بن المدینی سب سے زیادہ حدیث اور رجال وعلل کا علم رکھتے تھے"۔ صالح بن محمد کہتے ہیں: میری جن شیوخ سے ملاقات ہوئی ان میں علی بن المدینی حدیث اور علل حدیث کا زیادہ علم رکھتے تھے اور مشائخ کی تصحیفات سے زیادہ باخبر یحیٰی بن معین تھے اور بوقت مذاکرہ سب سے زیادہ حافظ

رکھنے والے ابوبکر بن ابی شیبہ تھے۔ امام ابوزرعہ رازی کہتے ہیں: 'ابوبکر ابن ابی شیبہ جیسا حافظ حدیث میں نے نہیں دیکھا'۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ ابوبکر ابن ابی شیبہ حافظ حدیث، متدیّن، متقن اور صاحب تصانیف تھے۔ آپ نے احادیث جمع کیں اور کئی کتابیں مرتب کیں۔ آپ اپنے دور میں مقطوع احادیث کے بڑے حافظ تھے سن ۲۳۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

1.4 ابوزرعہ رازی

آپ کا نام عبداللہ بن عبدالکریم، کنیت ابوزرعہ ہے۔ مشہور حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کے ہم عصر محدّثین نے آپ کے علم، ورع اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے اور اس دور کے دیگر محدّثین پر آپ کو فوقیت دی ہے۔ علماء حدیث کہتے ہیں کہ امام ابوزرعہ رازی کو سات لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں اور جب آپ اپنی جوانی کی عمر میں امام احمد بن حنبل سے ملتے تھے تو امام احمد صرف فرض نمازوں کی ادائیگی پر اکتفا کرتے تھے۔ سنن اور نوافل چھوڑ کر امام ابوزرعہ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد جیسی شخصیت کو بھی امام ابوزرعہ کے فضل و کمال کا اس حد تک اعتراف تھا۔ امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب 'معرفۃ علوم الحدیث' میں لکھا ہے کہ جب قتیبہ بن سعد شہر رے میں واپس آئے تو لوگوں نے ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی۔ امام قتیبہ نے کہا: 'میں اس وقت حدیث بیان کروں گا جب میری مجلس میں احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابوخیثمہ بھی آ جائیں۔ اس جواب پر لوگوں نے قتیبہ بن سعد سے کہا: 'ہمارے ہاں ایک ایسا جوان ہے کہ آپ نے جس جس مجلس میں حدیث سنائی ہے اس نے آپ سے سن کر وہ تمام حدیثیں زبانی یاد کر لی ہیں'۔ اس کے بعد لوگوں نے ابوزرعہ رازی سے کہا: 'ابوزرعہ اٹھو اور قتیبہ کی سب روایات سنا دو'۔ چنانچہ ابوزرعہ اٹھے اور وہ ساری حدیثیں لوگوں کے سامنے لفظ بہ لفظ سنا دیں جن کو امام قتیبہ نے مختلف مجلسوں میں سنایا تھا۔ یہ دیکھ کر امام قتیبہ کو ابوزرعہ کے حافظہ پر حیرت ہوئی۔ آپ نے ابوزرعہ کو داد دی اور پھر حدیث بیان کرنا شروع کر دیا۔ امام حاکم نے امام ابوزرعہ کو حدیث کے فقہاء میں شمار کیا ہے۔ آپ کی وفات سن ۲۶۴ھ میں واقع ہوئی۔

1.5 امام ابو حاتم رازی

آپ کا نام محمد ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو حاتم محمد بن ادریس بن منذر بن داؤد بن مہران۔ ابو حاتم رے کے رہنے والے تھے، اسی لئے رازی کہلاتے ہیں، قبیلہ حنظل سے تعلق تھا اس لئے حنظلی بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کا نام حفاظ حدیث میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ علل حدیث اور جرح وتعدیل کے علم سے پوری طرح باخبر تھے۔ امام ابوزرعہ کے ہم عصر تھے۔ حدیث کی طلب میں بہت سارے سفر کیے۔ شیوخ اور محدثین کے پاس حاضر ہونے کے لئے شہر بہ شہر پھرے اور اکابر ائمہ سے حدیث کی روایت کی۔ ایک دن ابو حاتم نے اپنے بیٹے عبدالرحمان کو مخاطب کر کے کہا: 'بیٹے میں نے حدیث کی طلب میں ایک ہزار فرسخ (تین ہزار میل) کا سفر پیدل طے کیا ہے'۔

ابو حاتم رازی اپنے دور کے حفاظ حدیث سے کہا کرتے تھے: 'جو شخص ایسی صحیح اور ثابت حدیث مجھے سنائے جو مجھے معلوم نہ ہو، اسے میں ایک درہم صدقہ کے طور پر دوں گا، لیکن کوئی محدث بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس دور کے محدثین جانتے تھے کہ ابو حاتم رازی حدیث کے بہت بڑے حافظ ہیں۔ امام ابوزرعہ رازی جیسی شخصیت کو آپ کے علم وفضل کا اعتراف تھا۔ امام حاکم نے ابو حاتم رازی کو ان محدثین میں شمار کیا ہے جن کا تعلق فقہ واستنباط سے تھا۔ آپ کی وفات سن ۲۷۷ھ میں واقع ہوئی۔

1.6 محمد بن جریر طبری

آپ کا نام محمد، کنیت ابو جعفر ہے۔ سلسلہ نسب کے چند نام یہ ہیں: ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔ ابن جریر سن ۲۲۴ھ میں بمقام امل پیدا ہوئے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی اور یہیں وفات پائی۔ آپ کا شمار امام نسائی اور امام ترمذی کے طبقہ میں ہوتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کے شیوخ واساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے ان میں احمد بن کامل، محمد بن عبداللہ شافعی اور مخلد بن جعفر کو زیادہ شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔

ابن جریر طبری اپنے دور کے بہت بڑے امام اور پیشوا تھے۔ آپ کے قول کے مطابق فیصلے ہوتے تھے اور علماء فقہی اور تفسیری مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کتاب اللہ کے حافظ تھے اور قرأت کے بہت بڑے عالم تھے۔ قرآن کے معانی و مطالب میں بصیرت حاصل تھی۔ احکام فقہ اور سنن کے ماہر عالم مانے جاتے تھے۔ سنن کے تمام طرق اور صحیح و سقیم اور ناسخ و منسوخ کو جانتے تھے۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال، قضایا اور فتاویٰ سے باخبر تھے۔ گزشتہ احوال اور اخبار سے واقف تھے۔ آپ کی تالیفات میں مشہور تالیف 'تاریخ الامم والملوک' ہے۔ آپ کی تفسیر سے متعلق امام ابو حامد اسفرائینی کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اس غرض سے چین تک سفر کرے کہ وہ ابن جریر طبری کی تفسیر حاصل کرے گا تو یہ بڑی بات نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ اس کا سفر مفید ہوگا۔ ابن جریر طبری کی ایک اور تالیف 'تہذیب الآثار' ہے۔ مگر اس کتاب کو آپ مکمل نہ کر سکے۔ اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو اپنی مثال آپ ہوتی۔ اس کتاب کی ابتدا حضرت ابوبکر صدیق کی روایات سے ہے۔ ہر روایت اس کی اسانید و طرق اور علت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ جس جس روایت سے استنباط ہو سکتا ہے اس سے متعلقہ حکم اور ضروری تفصیل بیان کی ہے۔ مشکل الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ عشرہ مبشرہ، اہل بیت، موالی اور ابن عباس کی مسند اس کتاب میں آئی ہے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی اپنی تاریخ 'البدایۃ والنھایۃ' میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابن جریر طبری کی ایک کتاب دیکھی ہے اس میں احادیث غدیر خم دو ضخیم جلدوں میں تھیں۔ ان کی ایک اور کتاب بھی دیکھی ہے جس میں حدیث طیر کے طرق کو جمع کیا ہے۔ ابن جریر کی وفات سن ۳۱۰ھ میں ہوئی۔

خود آزمائی ①

۱- امام علی بن المدینی کا تعارف کرتے ہوئے ان کی خدمات پر گفتگو کیجئے۔

۲- امام یحیی بن معین اور ابو بکر بن ابی شیبہ کا تعلق کس صدی ہجری سے ہے۔ ان حضرات کی تالیفات کی ایک فہرست تیار کیجئے۔

۳- امام ابوزرعہ رازی کا تعلق کس علاقہ سے تھا۔

۴- امام ابوحاتم رازی کو کس فن میں مہارت حاصل تھی، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ جائزہ لیجئے۔

۵- محمد بن جریر طبری کی شہرت ان کی کونسی کتاب کی وجہ سے ہے۔ امام طبری پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

1.7 امام ابن خزیمہ

محمد بن اسحاق، ابوبکر بن خزیمہ نیشاپوری امام الائمہ کہلاتے ہیں۔ آپ نے طلب حدیث کے ضمن میں رے، بغداد، بصرہ، کوفہ، شام، جزیرہ، مصر اور واسط کا سفر کیا۔ اور بکثرت محدثین سے استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں سے محمود بن غیلان، محمد بن ابان، اسحاق بن موسیٰ، اور ابوقدامہ سرخسی زیادہ نمایاں ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں جنہیں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی چند کے نام یہ ہیں: امام بخاری، امام مسلم، یحییٰ بن محمد بن حامد، ابوعلی غسانی اور اسحاق بن سعد نسوی۔ ابن خزیمہ اپنے دور کے علماء اور طلبہ کے امام اور رہنما تھے۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت تلامذہ اور خواص وعوام کے ہجوم میں رہتے تھے۔

نوٹ: امام ابن خزیمہ اور ان کی صحیح کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲ یونٹ ۱۲ میں تفصیل سے مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک بار پھر اس کا مطالعہ کر لیجئے۔

1.8 محمد بن سعد کاتب واقدی

ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع بصری تھے لیکن بغداد میں رہتے تھے۔ آپ امام، حافظ، مؤرخ اور محدث تھے۔ آپ کے والد حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام تھے)۔ محمد بن سعد سن ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور سن ۲۳۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ محمد بن سعد نے محمد بن عمر واقدی سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کے پاس جتنی روایات تھیں وہ سب آپ نے ان سے حاصل کیں۔ محمد بن عمر وواقدی کے علاوہ آپ کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: ابن علیہ، سفیان بن عیینہ، یزید بن ہارون واسطی، عبیداللہ بن موسیٰ عبسی، ابونعیم فضل بن دکین کوفی۔ ان کے علاوہ آپ نے بصرہ، کوفہ، واسط، بغداد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، یمن اور مصر کے علمی مراکز سے استفادہ کیا اور وہاں کے شیوخ کی خدمت میں رہے۔ محمد بن سعد مکثرین (زیادہ روایت کرنے والوں) میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ابن سعد چونکہ اپنے دور کے مشہور اور معروف اساتذہ میں سے تھے اس لئے دور دراز کے علاقوں سے لوگ آپ سے استفادہ کرنے کے لئے آتے

امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوزرعہ رازی سے اسحاق بن راہویہ کی اسانید اور متون کے حفظ کا ذکر کیا۔ میری بات سن کر ابوزرعہ نے کہا: اسحاق ابن راہویہ سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا گیا۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ابن راہویہ کو اتقان اور حفظ وضبط کا جو وصف عطا کیا گیا تھا وہ قابل تعجب ہے۔ ائمہ حدیث نے امام ابن راہویہ کی بہت تعریف کی ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن راہویہ کی وفات سے پانچ ماہ پہلے انہیں سر میں تکلیف ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے حافظہ میں کمی آ گئی تھی اس دوران میں میں نے ان سے جس قدر روایات سنی تھیں بعد میں ان کو دوسری روایات سے الگ کر دیا۔ امام ابن راہویہ سن ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور سن ۲۳۸ھ میں ستتر سال کی عمر پا کر نیشاپور میں وفات پائی۔

1.10 امام احمد بن حنبل

آپ کا نام امام احمد بن حنبل ہے۔ سن ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قاضی ابو یوسف سے استفادہ کیا، اس کے بعد مختلف علمی مراکز تک پہنچنے کے لئے سفر کیا۔ اپنے دور کے مشہور ومعروف اساتذہ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے امام شافعی سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں امام بخاری اور امام مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث آتے ہیں۔

نوٹ: امام احمد بن حنبل اور ان کی ''مسند'' کے بارے میں آپ کورس نمبر۲ یونٹ نمبر۱۰ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس یونٹ کو ایک بار پھر ملاحظہ کیجئے۔

1.11 امام دارمی

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابو محمد ہے۔ نسب نامہ یوں ہے: ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان بن الفضل بن بہرام ابن عبدالصمد۔ تمیمی، دارمی، اور سمرقندی تین نسبتوں سے مشہور تھے۔ سن ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کے لئے حرمین، خراسان، شام، عراق اور مصر کا سفر کیا۔ اور یہاں کے اکابر محدثین سے روایات اخذ کیں۔ امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے امام دارمی سے حدیث کی روایت کی ہے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ

دارمی حافظ حدیث، طلب علم کے سیاح اور ثقہ تھے۔ زہد وتقویٰ، دیانت وامانت میں مشہور تھے۔ ایک دفعہ آپ سمرقند میں قاضی بنائے گئے۔ ایک مقدمہ کے فیصلہ کے بعد منصب قضاء سے استعفیٰ دے دیا۔ نہایت عاقل، حلیم، عابد اور قانع تھے۔ امام دارمی نے مسند، تفسیر اور ''جامع'' تالیف کی۔ امام ابوحاتم، امام احمد ابن حنبل، رجاء بن مرجی یہ سب حضرات امام دارمی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں: دارمی اپنے دور کے امام اور پیشوا تھے۔ دارمی کی وفات سن ۲۵۵ھ میں ذوالحج کے مہینہ میں واقع ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.12 امام ابن قتیبہ دینوری

ابومحمد کنیت، عبداللہ نام ہے۔ والد کا نام مسلم بن قتیبہ ہے۔ دینوری اور مروزی ان کی نسبت ہے۔ ابن قتیبہ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ عربی لغت میں مہارت کی وجہ سے ''نحوی'' بھی کہلاتے ہیں۔ ان کی کتاب ''المعارف'' اور ''ادب الکاتب'' بہت مشہور کتابیں ہیں۔ آپ فاضل، ثقہ، عادل اور متقن تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور یہاں اسحاق بن راہویہ، ابواسحاق ابراہیم زیادی، ابوحاتم سجستانی اور انہی محدثین کے طبقہ کے اصحاب حدیث سے تعلیم حاصل کر کے حدیث کی روایت کی۔ ابن قتیبہ سے ان کے فرزند ابوجعفر احمد فقیہہ نے روایت کی ہے۔ ابوجعفر احمد فقیہہ مصر کے قاضی رہے۔ ابن قتیبہ کی کتابوں [illegible] حاصل ہوئی۔ ''المعارف''، ''ادب الکاتب'' اور ''تاویل مختلف الحدیث'' کے علاوہ آپ سے جو کتابیں یادگار ہیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) غریب القرآن

(۲) غریب الحدیث

(۳) عیون الأخبار

(۴) مشکل القرآن

(۵) مشکل الحدیث

(۲) امام مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری

(۳) ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی

(۴) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانی

(۵) ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی

(۶) ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ قزوینی، ابن ماجہ

ان حضرات کے علاوہ اس صدی میں ایسے محدثین پیدا ہوئے جن کا بالاستیعاب تذکرہ کرنا یہاں مشکل ہے۔ اسلامی ممالک کے ہر بڑے شہر میں بہ یک وقت کافی تعداد میں محدثین پیدا ہوئے جو مذاکرہ کر کے احادیث کو اسی طرح حفظ کرتے تھے جس طرح حفاظ قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں ان محدثین کی شبانہ روز محنت اور جانفشانی سے پورے ممالک اسلامیہ میں حدیث کی اشاعت ہوتی رہی۔ حدیث حاصل کرنے والے طلبہ کا ہجوم محدثین کی درسگاہوں میں یا ان کے گھروں میں رہتا تھا۔ خوشنویس کاتبوں کی تعداد بھی ہر بڑے شہر میں بکثرت ہوگئی تھی جو مشہور محدثین کی تالیفات کی کتابت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتی تھیں اور معقول معاوضہ دے کر طالبان علم حاصل کرتے تھے۔ بعض محدثین کا اپنا خاص کاتب ہوتا تھا جو وراق کہلاتا تھا۔ وہ وراق اپنے خاص محدث کی تالیفات لکھنے میں مشغول رہتا تھا۔ حدیث کے مختلف شعبوں میں مختلف عنوان اور موضوع کے تحت اس صدی میں اس قدر کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار کرنا بہت مشکل ہے۔ تیسری صدی میں باوجودیکہ حدیث کی تدوین تقریباً مکمل ہوتی تھی اور کتابی صورت میں ہر جگہ حدیث کی کتابیں ملتی تھیں پھر بھی اسناد اور متن کے ساتھ زبانی روایت کا سلسلہ قائم تھا۔ اس صدی کے محدثین کی خدمات اس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں کہ اس صدی کے چھ اکابر محدثین کی تالیفات میں سے چھ کتابیں جو ''صحاح ستہ'' کے نام سے مشہور ہیں منتخب کر کے حدیث کی تعلیم کے لئے عالم اسلام کے تمام دینی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کی گئیں اور اب تک یہ کتابیں درس نظامی کے نصاب میں داخل ہیں۔ اور کوئی دینی طالب علم اس وقت تک سند کا مستحق نہیں سمجھا جاتا جب تک ان چھ کتابوں کو باقاعدگی

سے نہ پڑھ لے۔ اس صدی میں محدثین نے حدیث کی کتابیں صحیح، سنن، مصنف اور مسند کے نام سے جس قدر لکھی ہیں ان کی ایک فہرست یہاں پیش کی جاتی ہے۔ تا کہ آپ کو ایک حد تک اندازہ ہو جائے کہ تیسری صدی علم حدیث کے حوالہ سے کتنی بھرپور رہی ہے۔

1.13 تیسری صدی ہجری کی تالیفات:

۱) الصحیح للامام البخاری (م ۲۵۱ھ)

۲) الصحیح للامام مسلم بن الحجاج القشیری (م ۲۶۱ھ)

۳) السنن للامام ابی داؤد السجستانی (م ۲۷۵ھ)

۴) السنن للامام النسائی (م ۳۰۳ھ)

۵) الجامع للامام الترمذی (م ۲۷۹ھ)

۶) السنن للامام ابن ماجه القزوینی (م ۲۷۳ھ)

۷) المسند للامام احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۵۱ھ)

۸) المنتقٰی فی الأحکام لعبد اللہ بن الجارود (م ۳۰۷ھ)

۹) المصنف للامام ابن أبی شیبه (م ۲۳۵ھ)

۱۰) کتاب محمد بن نصر المروزی (م ۲۹۴ھ)

۱۱) السنن للامام سعید بن منصور (م ۲۲۷ھ)

۱۲) تهذیب الآثار للامام محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)

۱۳) مسند للامام بقی بن مخلد قرطبی (م ۲۷۶ھ)

۱۴) مسند للامام عبید اللہ بن موسیٰ (م ۲۱۳ھ)

۱۵) مسند للامام اسحاق بن راهویه (م ۲۳۷ھ)

۱۶) مسند للامام عبد بن حمید (م ۲۴۹ھ)

۱۷) مسند للامام ابی عبد الله الدارمی (م ۲۵۵ھ)

۱۸) مسند للامام ابی یعلٰی الموصلی (م ۳۰۲ھ)

۱۹) مسند للامام ابن ابی اسامه الحارث ابن محمد التیمی (م ۲۸۲ھ)

۲۰) مسند للامام ابن ابی عاصم احمد بن عمرو الشیبانی(م ۲۲۷ھ)

۲۱) مسند للامام ابن ابی عمرو محمدبن یحییٰ المدنی (م ۲۴۳ھ)

۲۲) مسند للامام علی بن احمد بن شعیب النسائی (م ۳۰۳ھ)

۲۳) مسند للامام ابراهیم بن اسماعیل الطوسی(م ۲۸۰ھ)

۲۴) مسند للامام مسدّد بن مسرهد (م ۲۲۸ھ)

۲۵) مسند للامام محمد بن مهدی (م ۲۷۲ھ)

۲۶) مسند للامام الحمیدی (م ۲۱۹ھ)

۲۷) مسند للامام ابراهیم بن معقل نسفی (م ۲۹۵ھ)

۲۸) مسند للامام ابراهیم بن یوسف (م ۳۰۱ھ)

۲۹) مسند للامام حسن بن سفیان (م ۳۰۳ھ)

۳۰) مسند للامام أبی بکر البزار (م ۲۲۲ھ)

۳۱) مسند للامام یعقوب بن ابی شیبه (م ۲۶۲ھ)

۳۲) مسند للامام علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ)

۳۳) مسند للامام ابن ابی عزره احمد بن حازم (م ۲۷۶ھ)

۳۴) مسند للامام عثمان بن ابی شیبه (م ۲۳۹ھ)

اس فہرست میں صرف ان کتابوں کے نام دیئے گئے ہیں جو طلبہ اور علماء کے ہاں متداول اور رائج رہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس صدی میں بہت بڑی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ اس صدی میں جو مصادر مدوّن

دارمی حافظ حدیث، طلب علم کے سیاح اور ثقہ تھے۔ زہد وتقویٰ، دیانت وامانت میں مشہور تھے۔ ایک دفعہ آپ سمرقند میں قاضی بنائے گئے۔ ایک مقدمہ کے فیصلہ کے بعد منصب قضاء سے استعفیٰ دے دیا۔ نہایت عاقل، حلیم، عابد اور قانع تھے۔ امام دارمی نے مسند، تفسیر اور ''جامع'' تألیف کی۔ امام ابوحاتم، امام احمد ابن حنبل، رجاء بن مرجی یہ سب حضرات امام دارمی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں: دارمی اپنے دور کے امام اور پیشوا تھے۔ دارمی کی وفات سن ۲۵۵ھ میں ذوالحج کے مہینہ میں واقع ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.12 امام ابن قتیبہ دینوری

ابومحمد کنیت، عبداللہ نام ہے۔ والد کا نام مسلم بن قتیبہ ہے۔ دینوری اور مروزی ان کی نسبت ہے۔ ابن قتیبہ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ عربی لغت میں مہارت کی وجہ سے ''لغوی'' بھی کہلاتے ہیں۔ ان کی کتاب ''المعارف'' اور ''ادب الکاتب'' بہت مشہور کتابیں ہیں۔ آپ فاضل، ثقہ، عادل اور متمکن تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور یہاں اسحاق بن راہویہ، ابواسحاق ابراہیم زیادی، ابوحاتم سجستانی اور انہی محدثین کے طبقہ کے اصحاب حدیث سے تعلیم حاصل کر کے حدیث کی روایت کی۔ ابن قتیبہ سے ان کے فرزند ابوجعفر احمد فقیہ نے روایت کی ہے۔ ابوجعفر احمد فقیہ مصر کے قاضی رہے۔ ابن قتیبہ کی کتابوں کو [illegible] مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ ''المعارف''، ''ادب الکاتب'' اور ''تاویل مختلف الحدیث'' کے علاوہ آپ سے جو کتابیں یادگار ہیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) غریب القرآن

(۲) غریب الحدیث

(۳) عیون الأخبار

(۴) مشکل القرآن

(۵) مشکل الحدیث

(۲) امام مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری

(۳) ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی

(۴) ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانی

(۵) ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی

(۶) ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ قزوینی، ابن ماجہ

ان حضرات کے علاوہ اس صدی میں ایسے محدثین پیدا ہوئے جن کا بالاستیعاب تذکرہ کرنا یہاں مشکل ہے۔ اسلامی ممالک کے ہر بڑے شہر میں بہ یک وقت کافی تعداد میں محدثین پیدا ہوئے جو مذاکرہ کرکے احادیث کو اسی طرح حفظ کرتے تھے جس طرح حفاظ قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں ان محدثین کی شبانہ روز محنت اور جانفشانی سے پورے ممالک اسلامیہ میں حدیث کی اشاعت ہوتی رہی۔ حدیث حاصل کرنے والے طلبہ کا ہجوم محدثین کی درسگاہوں میں یا ان کے گھروں میں رہتا تھا۔ خوشنویس کاتبوں کی تعداد بھی ہر بڑے شہر میں بکثرت ہوگئی تھی جو مشہور محدثین کی تالیفات کی کتابت کرکے اپنی روزی حاصل کرتے تھے اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتی تھیں اور معقول معاوضہ دے کر طالبان علم حاصل کرتے تھے۔ بعض محدثین کا اپنا خاص کاتب ہوتا تھا جو وراق کہلاتا تھا۔ وہ وراق اپنے خاص محدث کی تالیفات لکھنے میں مشغول رہتا تھا۔ حدیث کے مختلف شعبوں میں مختلف عنوان اور موضوع کے تحت اس صدی میں اس قدر کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار کرنا بہت مشکل ہے۔ تیسری صدی میں باوجودیکہ حدیث کی تدوین تقریباً مکمل ہوگئی تھی اور کتابی صورت میں ہر جگہ حدیث کی کتابیں ملتی تھیں پھر بھی اسناد اور متن کے ساتھ زبانی روایت کا سلسلہ قائم تھا۔ اس صدی کے محدثین کی خدمات اس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں کہ اس صدی کے چھ اکابر محدثین کی تالیفات میں سے چھ کتابیں جو "صحاح ستہ" کے نام سے مشہور ہیں منتخب کرکے حدیث کی تعلیم کے لئے عالم اسلام کے تمام دینی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کی گئیں اور اب تک یہ کتابیں درس نظامی کے نصاب میں داخل ہیں۔ اور کوئی دینی طالب علم اس وقت تک سند کا مستحق نہیں سمجھا جاتا جب تک ان چھ کتابوں کو باقاعدگی

سے نہ پڑھ لے۔ اس صدی میں محدثین نے حدیث کی کتابیں صحیح، سنن، مصنف اور مسند کے نام سے جس قدر لکھی ہیں ان کی ایک فہرست یہاں پیش کی جاتی ہے۔ تاکہ آپ کو ایک حد تک اندازہ ہو جائے کہ تیسری صدی علم حدیث کے حوالہ سے کتنی بھرپور رہی ہے۔

1.13 تیسری صدی ہجری کی تالیفات:

۱) الصحیح للامام البخاری (م ۲۵۱ھ)

۲) الصحیح للامام مسلم بن الحجاج القشیری (م ۲۶۱ھ)

۳) السنن للامام ابی داؤد السجستانی (م ۲۷۵ھ)

۴) السنن للامام النسائی (م ۳۰۳ھ)

۵) الجامع للامام الترمذی (م ۲۷۹ھ)

۶) السنن للامام ابن ماجه القزوینی (م ۲۷۳ھ)

۷) المسند للامام احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۵۱ھ)

۸) المنتقٰی فی الأحکام لعبد الله بن الجارود (م ۳۰۷ھ)

۹) المصنف للامام ابن أبی شیبه (م ۲۳۵ھ)

۱۰) کتاب محمد بن نصر المروزی (م ۲۹۴ھ)

۱۱) السنن للامام سعید بن منصور (م ۲۲۷ھ)

۱۲) تهذیب الآثار للامام محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)

۱۳) مسند للامام بقی بن مخلد قرطبی (م ۲۷۶ھ)

۱۴) مسند للامام عبید الله بن موسیٰ (م ۲۱۳ھ)

۱۵) مسند للامام اسحاق بن راهویه (م ۲۳۷ھ)

۱۶) مسند للامام عبد بن حمید (م ۲۴۹ھ)

۱۷) مسند للامام ابی عبد اللہ الدارمی (م ۲۵۵ھ)

۱۸) مسند للامام ابی یعلی الموصلی (م ۳۰۲ھ)

۱۹) مسند للامام ابن ابی اسامہ الحارث ابن محمد التیمی (م ۲۸۲ھ)

۲۰) مسند للامام ابن ابی عاصم احمد بن عمرو الشیبانی(م ۲۷۲ھ)

۲۱) مسند للامام ابن ابی عمرو محمدبن یحییٰ المدنی (م ۲۴۳ھ)

۲۲) مسند للامام علی بن احمد بن شعیب النسائی (م ۳۰۳ھ)

۲۳) مسند للامام ابراھیم بن اسماعیل الطوسی(م ۲۸۰ھ)

۲۴) مسند للامام مسدد بن مسرھد (م ۲۲۸ھ)

۲۵) مسند للامام محمد بن مہدی (م ۲۷۲ھ)

۲۶) مسند للامام الحمیدی (م ۲۱۹ھ)

۲۷) مسند للامام ابراھیم بن معقل نسفی (م ۲۹۵ھ)

۲۸) مسند للامام ابراھیم بن یوسف (م ۳۰۱ھ)

۲۹) مسند للامام حسن بن سفیان (م ۳۰۳ھ)

۳۰) مسند للامام أبی بکر البزار (م ۲۲۲ھ)

۳۱) مسند للامام یعقوب بن ابی شیبہ (م ۲۶۲ھ)

۳۲) مسند للامام علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ)

۳۳) مسند للامام ابن ابی عزرہ احمد بن حازم (م ۲۷۶ھ)

۳۴) مسند للامام عثمان بن ابی شیبہ (م ۲۳۹ھ)

اس فہرست میں صرف ان کتابوں کے نام دیئے گئے ہیں جو طلبہ اور علماء کے ہاں متداول اور رائج رہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس صدی میں بہت بڑی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ اس صدی میں جو مصادر مدوّن

ہوئے ، بعد کے علماء نے ان کی بنیاد پر مزید کام کیا۔ اور اس طرح علم حدیث کی ترویج اور تطویر میں تیسری صدی ہجری کے کام کو سنگ میل کی حیثیت حاصل رہی۔

خود آزمائی ②

۱- محمد بن سعد کاتب واقدی کا تعلق کس دور سے تھا۔

۲- امام اسحاق ابن راہویہ کے معروف و مشہور تلامذہ کے نام بتایئے۔ اور امام ابن راہویہ کی حیثیت پر گفتگو کیجئے۔

۳- امام احمد بن حنبل کی مسند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ امام احمد کا سب سے اہم کارنامہ کونسا ہے۔ وضاحت کیجئے۔

۴- امام دارمی کا تعلق کس دور اور کس علاقہ سے رہا، ان کی سنن اور دیگر تالیفات کا تذکرہ کیجئے۔

۵- امام دینوری کی اہم تالیفات کی نشاندہی کیجئے اور امام دینوری کے بارے میں ابن تیمیہ کی رائے پیش کیجئے۔

۶- تیسری صدی ہجری کے اہم تالیفات کی ایک فہرست تیار کیجئے۔

فہرست مصادر ومراجع

۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی

۲) تقیید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش

۳) الجرح والتعدیل از امام ابن ابی حاتم رازی

۴) حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم الأصبہانی

۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی

۶) التاریخ الکبیر للامام البخاری

۷) الکامل لابن اثیر الجزری

۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر

۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری

۱۰) تاریخ الأمم والملوک لابن جریر الطبری

۱۱) الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر الکتانی

۱۲) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی

۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب

۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد

۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبداللطیف

۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی

۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد محمد ابوزہرۃ

۲۰) ضحیٰ الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ⑤

حدیث کا چوتھا دور

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔اس کا تعلق حدیث کے چوتھے دور سے ہے۔کسی بھی علم اور فن کے اصول ومصادر اور مآخذ ومراجع تک رسائی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور سے طلبہ علوم وفنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے۔ اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے۔کہ طلبہ کے ہاتھوں میں اعلی سے اعلی ڈگریاں ہوتی ہیں۔لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم وفن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔حدیث کے طلبہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہمارے یہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں۔ وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموماً یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اس کتاب کے بارے میں اسے علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے میں وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے۔ نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مولف کے مقام ومرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے۔علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں ازبر ہوں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- امام حاکم نیشاپوری اور امام دارقطنی کی خدمات اور تالیفات پر گفتگو کر سکیں۔
- امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام قاسم بن اصبغ کا تعارف کروا سکیں۔
- امام ابن السکن، امام طحاوی اور امام ابوعوانہ کی تالیفی خدمات پر تبصرہ کر سکیں۔
- حافظ ابن مندہ، حافظ ابن السنی، حافظ رامہرمزی اور حافظ ابن عدی کے عہد اور حیثیت کے بارے میں ایک خاکہ تیار کر سکیں۔
- امام بیہقی خطیب بغدادی، حافظ ابن عبدالبر اور امیر ابن ماکولا کی ان خدمات کا تذکرہ کر سکیں جو انہوں نے حدیث کی اشاعت کے ضمن میں انجام دیں۔
- امام حمیدی اندلسی، حافظ بغوی حافظ رزین اور حافظ ابن عساکر دمشقی کے آثار کا جائزہ لے سکیں۔

① حدیث کا چوتھا دور

چوتھی صدی کے مشہور محدثین

۱۳۲ھ میں خلافت بنوامیہ کے خاتمہ کے بعد بنوعباس نے اقتدار حاصل کرلیا۔ بنوعباس نے دمشق کی بجائے بغداد کو دارالخلافہ بنایا۔ اس دور میں سپین (اندلس) کے علاوہ جہاں بنوامیہ کی حکومت قائم ہوگئی تھی باقی تمام اسلامی ممالک پر بنوعباس کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اور دارالسلام بغداد کی مرکزی حیثیت ہر جگہ تسلیم کرلی گئی اور عباسی خلفاء یکے بعد دیگرے امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کئے جانے لگے اور مامون الرشید کے دور میں علماء حدیث کے خلاف حکومت کی طرف سے جوسخت اقدامات کئے گئے وہ چند برس کے بعد واثق کے عہد میں ختم ہو گئے اور سنت کے فروغ وترویج میں جو روکاوٹ پیدا ہوگئی تھی وہ دور ہوگئی۔ جس کے بعد اہل اقتدار نے بھی علماء اور محدثین کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے سنت اور اس سے متعلقہ علوم وفنون کی اشاعت تیزی سے ہوئی لیکن چوتھی صدی کے آغاز کے ساتھ بغداد کی مرکزی حکومت میں کمزوری اور ضعف کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ اس کے ٹکڑے ہونے لگے۔ جب اندلس کے اموی حکومت کے حکمران عبدالرحمٰن الناصر نے بغداد کی مرکزی حکومت میں ضعف کے آثار پیدا ہوتے ہوئے دیکھے تو اس نے اندلس میں ۳۲۵ھ میں اپنے لیے امیر المؤمنین کے لقب کا اعلان کر دیا۔ دوسری طرف فاطمیہ نے شمالی افریقہ میں اپنی خودمختار حکومت قائم کر لی۔ تیسری طرف دولت اخشیدیہ نے مصر میں اپنے استقلال اور خودمختاری کے لیے کوششیں شروع کر دیں، اگرچہ ظاہر میں دولت اخشیدیہ عباسی حکومت کے اقتدار کا دم بھرتی رہی۔ بنوحمدان کی حکومت نے بھی موصل اور حلب شام پر اپنی حکومت کا جھنڈا بلند کر دیا اور یہ حکومت بھی ظاہری طور پر عباسی حکومت کی سیادت کا اقرار کرتی رہی۔ یمن میں زیدی شیعہ نے بھی اپنی ذاتی حکومت قائم کر لی، سامانی سلطنت کا اقتدار مشرق اور ماوراء النہر (ترکستان) کے شہروں پر قائم ہوگیا اور بنوبویہ نے بغداد کو اپنی گرفت میں لے لیا اور برائے نام بنو عباس کا اثر

بغداد میں رہ گیا۔ ان انقلابات کے ساتھ ساتھ سیاسی حالت ایک سطح پر قائم نہ تھی۔ اضطراری کیفیت ہر جگہ نظر آتی تھی اور ہر جگہ سیاسی انقلابات کے کوہ آتش فشاں پھٹ رہے تھے۔ فاطمیین جو شمالی افریقہ پر قابض ہو چکے مسلسل مصر پر دباؤ ڈالتے اور حملے کرتے رہتے تھے۔ آخر کار ۳۵۸ھ میں وہ مصر پر قابض ہو گئے۔ دوسری طرف آل سلجوق کا امڈتا ہوا سیلاب اکثر اسلامی ممالک پر محیط ہو گیا اور بنو بویہ کے مقبوضات پر قبضہ کر کے الجزیرہ اور وسطی ایشیا پر بھی آل سلجوق چھا گئے اور فاطمیوں سے بھی ملک شام کا علاقہ چھین لیا اور سوائے مصر اور بلادِ مغرب کے پورے اسلامی ممالک پر ان کا تسلط قائم ہو گیا۔

پھر جب آل سلجوق کے حالات بدل گئے اور ان میں اختلافات پیدا ہو گئے تو پانچویں صدی میں عیسائی حکومتوں کی متحدہ طاقت نے صلیب کے نام پر اسلامی حکومت کے خلاف بڑی جنگ چھیڑ دی جو تاریخ میں صلیبی جنگ یا ''حروب صلیبیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس صلیبی جنگ کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا جس کے نتیجہ میں اہل صلیب ۴۹۰ھ میں بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ دولت سلجوق کی تباہی کے بعد اس کے کھنڈر پر اتابکی سلطنت قائم ہو گئی اور مشرق سے مغرب تک اسی کا سکہ چلنے لگا اور اسی کا جھنڈا لہرانے لگا یہاں تک کہ محمود نور الدین زنگی کی تلوار نے مصر میں فاطمی حکومت کو ختم کر دیا اور مصر عباسی حکومت کے دائرے میں دوبارہ آ گیا اور صلاح الدین ایوبی نے جو محمد نور الدین زنگی کا سپہ سالار تھا مصر میں شاندار حکومت قائم کی۔

مشرقی ممالک، خراسان اور اس کے آس پاس کے شہروں پر خوارزم شاہ محمد بن تکش نے ایک طاقتور حکومت قائم کر لی اور تمام چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کو ختم کر کے اپنی حدود ممالک میں شامل کر لیا۔ چھٹی صدی کے اواخر میں خوارزم شاہ کا ارادہ تھا کہ آگے بڑھ کر عباسی خلیفہ کا قصہ بھی ختم کر کے رکھ دے کہ دفعتاً تاتاریوں کا سیلاب بڑے زوروں سے اٹھا اور چنگیز خان تاتاری اپنی سرکردگی میں بے پناہ اور بے نیام فوج گراں لے کر اسلامی سلطنت پر چڑھ دوڑا اور یلغار کرتا ہوا تمام اسلامی شہروں کو لوٹتا اور تباہ کرتا ہوا بغداد پہنچ گیا اور خلیفہ کو قتل کر کے عباسی خلافت کا تختہ الٹ دیا۔ اور لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کیا یہ ۶۵۶ھ کا واقعہ ہے۔

ان دردناک اور ہولناک تاریخی وسیاسی واقعات کے رونما ہوتے ہوئے اس کا لازمی اثر یہ ہو سکتا تھا کہ

حدیث وسنت کی تحریک جو تمام اسلامی ممالک میں زوروں پر جاری تھی رک جاتی اور علم حدیث کی تعلیم وتعلّم سے لوگ کنارہ کش ہو جاتے لیکن اس کے برعکس علماء اور اہل علم کا شعور اور احساسات تیز سے تیز تر ہو گئے اور ناسازگار حالات کا مقابلہ نہایت حکمت اور دانش مندی سے کیا، اور اپنی تعلیمی کوششوں اور علمی سرگرمیوں میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔ اللہ جل شانہ کا فضل وکرم ان کے شامل حال رہا اور وہ علم حدیث کی تعلیم کے ہر منزل میں آگے رہتے رہے۔ انہیں تعلیم دینے کے لیے نہ بڑی عمارت کی ضرورت تھی اور نہ بڑی تنخواہوں کی۔ وہ روکھی سوکھی کھا کر مسجدوں اور درسگاہوں میں اپنے حلقۂ درس کے طلبہ کو علم کے سرچشمے سے سیراب کرتے رہے۔ علمی سفر برابر جاری رہا۔ تالیف وتصنیف میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ نقد رجال، احادیث کی چھان بین، علل حدیث، تاریخ رُواۃ اور تمام علومِ حدیث پر بہتر سے بہتر کتابیں تالیف ہوتی رہیں۔ متقدمین کی کتابیں جو عالمِ اسلام کے اطراف واکناف میں بکھری ہوئی تھیں اکٹھی کی گئیں، اسانید کے بارے میں گفتگو کرتے تو متقدمین علماء ہی کی زبان اور اسلوب میں کرتے۔ اور متاخرین کی کتابوں کو مختصر کرتے تو ازسرِنو ان کو ترتیب وتہذیب سے آراستہ کرتے اور اسانید کو حذف کر دیتے۔ تاہم علماء کے سابقین کی روش ہی پر اپنی کوششوں کو برقرار رکھتے اور احادیث کی روایت اور اسانید کی تلاش وتفحص میں ملکہ اور اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ چوتھی صدی ہجری سے زبانی روایت کا طریقہ رفتہ رفتہ متروک ہونے لگا کیونکہ قوتِ حافظہ جو اسلاف میں تھی وہ بعد کے لوگوں میں کمزور ہو گئی تھی اس لیے طلبہ لکھی ہوئی احادیث کی کتابوں کو سامنے رکھ کر اپنے شیوخ سے پڑھنے لگے اور شیوخ بھی کتابوں ہی کی مدد سے پڑھانے لگے اور پھر یہ سلسلہ مستقل طور سے قائم ہو گیا جو اب تک قائم ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں اسلامی ممالک کے مختلف حصوں میں نامور اور بلند پایہ محدّث پیدا ہوئے۔ ان حضرات کی علمی خدمات کے ذکر سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے چند کا تذکرہ اجمال اور اختصار کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ طلبہ کو اندازہ ہو جائے کہ اس صدی میں حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے کس نوعیت کا کام ہوا۔

1.1 امام حاکم نیشاپوری

آپ کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم نیشاپوری۔ امام حاکم ابن البیع کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ۲ ربیع الاول ۳۲۱ ھ کی صبح کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور ماموں کی خاص توجہ سے طلب علم میں مشغول ہوئے۔ امام حاکم کے شیوخ کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ جن میں ایک ہزار صرف نیشاپور کے شیوخ تھے۔ امام دارقطنی بھی امام حاکم کے شیخ تھے اور دارقطنی نے حاکم سے روایت بھی کی ہے۔ طلب علم کے لیے آپ نے دو مرتبہ عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ مختلف شیوخ سے مذاکرہ اور حفاظ حدیث سے مناظرہ کیا۔ حاکم کی جملہ کتابیں پندرہ سو اجزاء پر مشتمل ہیں۔

نوٹ: امام حاکم نیشاپوری اور ان کی کتاب ''المستدرک علی الصحیحین'' کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۸ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر اس یونٹ کا مطالعہ کر لیجیے۔

1.2 امام دارقطنی

آپ کا نام علی ہے۔ دارقطنی کے نام سے مشہور تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن دینار بن عبداللہ، دارقطنی حدیث کے حافظ تھے۔ اور امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے تھے۔ آپ نے شیوخ کی بڑی تعداد سے حدیث کی سماعت کی اور حدیث میں آپ کی تالیفات بہت مفید اور وقیع سمجھی جاتی ہیں۔ آپ جرح وتعدیل کے امام ہیں۔ امام دارقطنی نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں لکھیں۔ لیکن سب سے زیادہ شہرت ''السنن'' کو حاصل ہوئی۔ صحیحین پر آپ نے استدراک بھی کیا ہے۔

نوٹ: امام دارقطنی اور ان کی کتاب ''السنن'' کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲ یونٹ نمبر ۱۴ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اسے ایک بار پھر دیکھ لیجیے۔

1.3 امام ابن حبان

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: ابوحاتم ابن حبان محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد التمیمی۔

امام ابن حبان نے اکثر اسلامی شہروں کے شیوخ کی بڑی تعداد سے حدیث میں استفادہ کیا۔ آپ اپنے دور کے رحالہ (بہت زیادہ علمی سفر کرنے والے) تھے۔ ابن سمعانی کہتے ہیں کہ امام ابن حبان اپنے عہد کے امام تھے۔ آپ نے شاش اور اسکندریہ کے درمیان کے تمام شہروں کی علمی سیاحت کی۔ امام حاکم نیشاپوری کہتے ہیں کہ ابن حبان فقہ، حدیث، لغت اور وعظ کا خزانہ تھے۔ اور بہت زیادہ ذہین عقل مند اور دانش ور تھے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابن حبان بڑے ثقہ اور بہت ساری کتب کے مؤلف ہیں۔ آپ کی تالیفات میں سے دو کتابیں ایسی ہیں جنہیں شہرت، مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ ایک ''کتاب الثقات'' اور دوسری ''صحیح ابن حبان''۔ آپ کی وفات شوال ۳۵۴ھ میں ہوئی۔

نوٹ: امام ابن حبان اور ان کی کتاب ''الصحیح'' کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۱۲ میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہاں کی مناسبت سے آپ ایک بار پھر اس یونٹ کا مطالعہ کر لیجئے۔

1.4 الطبرانی

امام ابوالقاسم بن احمد طبرانی (م ۳۶۰ھ) نے تین معاجم تالیف کیں۔ معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر۔ معجم کبیر میں صحابہ کی مسانید کو حروف معجم کی ترتیب کے مطابق جمع کیا ہے۔ معجم اوسط کو امام طبرانی نے اپنے شیوخ کے ناموں کی ترتیب کے مطابق تالیف کیا ہے۔ جن کی تعداد دو ہزار ہے۔ اس معجم میں تیس ہزار روایات آئی ہیں۔ اس معجم کے متعلق امام طبرانی کہتے ہیں کہ یہ کتاب میری روح ہے کیونکہ اس کی تالیف میں انہوں نے بہت زیادہ اہتمام سے کام لیا تھا۔

نوٹ: امام طبرانی اور ان کی کتاب ''المعجم'' کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۱۳ میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہاں کی مناسبت سے اس یونٹ کا ایک بار پھر مطالعہ کیجئے۔

1.5 قاسم بن اصبغ

ابومحمد قاسم بن اصبغ بن محمد بن یوسف البیانی۔ آپ کی نسبت بیانہ کی طرف ہے جو قرطبہ سے تیس میل کے

فاصلہ پر واقع ہے۔ قاسم بن اصبغ اندلس کے ممتاز محدثین اور فقہاء میں سے ہیں۔ آپ نے حدیث اور فقہ پر کئی کتابیں لکھیں۔ لیکن جو کتاب زیادہ متداول رہی وہ ''الصحیح المنتقی'' ہے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ قاسم بن اصبغ کا انتقال ۳۴۰ھ میں ہوا۔ آخری عمر میں روایت کرنا اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ قوت حافظہ کمزور ہو گئی تھی۔

1.6 ابن السکن

حافظ ابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن بغدادی، مصری۔ اپنے دور کے بہت بڑے امام اور محدث تھے۔ علماء حدیث نے آپ کی کتاب ''الصحیح'' کو صحاح غیر مجردہ میں شمار کیا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں تمام ضروری احکام ابواب کے مطابق ترتیب دیئے۔ اور وہ روایات جمع کیں جن کا تعلق سنن ماثورہ سے ہے۔ آپ نے ۳۵۳ھ میں مصر میں وفات پائی۔

1.7 امام طحاوی

ابو جعفر کنیت، احمد بن محمد نام اور طحاوی نسبت ہے۔ آپ نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر کئی کتابیں تالیف کیں۔ جن میں سب سے زیادہ شہرت ''معانی الآثار'' اور ''مشکل الآثار'' کو حاصل ہوئی۔ امام طحاوی سے پہلے علماء حدیث روایات کو جمع کرتے تھے اور ان کی اسانید و متون کو ضبط کرتے تھے۔ امام طحاویؒ نے روایات کا تقابل اور تجزیہ کیا۔ اور اس طرح علماء حدیث کو کام کرنے کی ایک نئی جہت سکھا دی۔ امام طحاوی کی کتابیں طلبہ اور اساتذہ کے لیے بہت مفید اور وقیع ثابت رہتی ہیں۔

نوٹ: امام طحاوی اور ان کی کتاب معانی الآثار کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۵ میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

1.8 ابو عوانہ

ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید اسفرائنی۔ حافظ حدیث، عادل اور ثقہ تھے۔ ان کی تالیف کا نام ''الصحیح المسند'' ہے۔ ابو عوانہ نے طلب علم کے لیے اسلامی دنیا کے اہم مقامات کا سفر کیا۔ امام حاکم

نیشاپوری کہتے ہیں کہ ابوعوانہ اپنے دور میں علمائے حدیث کے امام تھے۔ ۳۱۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ قبر اسفرائین کے مرکز میں ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابوعوانہ پہلے شخص ہیں جو امام شافعی کے مذہب اور کتابوں کو اسفرائین لائے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.9 حافظ ابن مندہ

محمد نام ہے۔ ابوعبداللہ کنیت ہے۔ والد کا نام ابو یعقوب اسحاق ہے۔ ابوعبداللہ کے آباء واجداد میں ابن مندہ ایک ممتاز شخص تھے۔ جن کی نسبت سے ابوعبداللہ ابن مندہ مشہور ہو گئے۔ حافظ ذہبی نے ابن مندہ کو امام، حافظ، جوال (زیادہ سفر کرنے والا) اور محدّث العصر کے القاب سے یاد کیا ہے۔ آپ ۳۱۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۹۵ھ میں وفات پائی۔ طلب علم میں شاش سے اسکندریہ تک سفر کیا۔ اس دور کے جتنے اہم علمی مراکز تھے آپ نے ان سب سے استفادہ کیا۔ زیادہ سفر میں رہنے کی وجہ سے آپ ''ختام الرحالین'' کہلاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سفر ان پر ختم ہوگیا۔ آپ کا تعلق طبقۂ مکثرین سے ہے یعنی حدیث کی سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ ابن مندہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے جس قدر حدیث کی سماعت کی اور جس قدر حدیث لکھ کر جمع کیا اس امت میں کسی نے اس قدر حدیث کی نہ سماعت کی اور نہ جمع کا کام کیا۔

جب ابن مندہ خراسان سے واپس آ رہے تھے تو ان کے پاس کتابوں کا جو ذخیرہ تھا وہ چالیس بوجھ کے برابر تھا۔ ابن مندہ کی صحت اتنی اچھی تھی کہ خود ابن مندہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بھر نہ کبھی دوا پی اور نہ فصد کھلوائی اور نہ کسی سے کچھ عطیہ قبول کیا۔

حافظ ابن مندہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ان کے والد ابن مندہ نے چار شیوخ سے چار ہزار اجزاء لکھیں۔ وہ چار شیوخ یہ ہیں: ابن الاعرابی، اصم، خیثمہ، ہیثم بن کلیب، نیز ابن مندہ کے فرزند اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار سات شیوخ سے حدیث کی کتابت کی ہے۔ ابو اسحاق بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ بن مندہ جیسا عالم، فاضل اور عاقل کوئی اور نہیں دیکھا۔ حافظ جعفر بن احمد کہتے ہیں کہ

میں نے ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے استفادہ کیا ہے لیکن ان میں ابن مندہ جیسا حافظ اور ضابط کسی کو نہیں پایا۔ ہرات کے شیخ ابو اسماعیل القاری کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ ابن مندہ اپنے دور کے سند ہیں۔ حافظ ابونعیم اور حافظ ابن مندہ میں باہم علمی اور فکری اختلافات رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے بارے میں بعض اوقات سخت الفاظ بھی استعمال کر لیتے تھے۔ تاہم جب ابونعیم کے سامنے ابن مندہ کا ذکر ہوتا تو وہ کہتے کہ ابن مندہ جبال میں سے ایک جبل ہیں یعنی علم کے پہاڑ ہیں۔ حافظ ابن مندہ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے کئی تالیفات کیں لیکن جو کتاب طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں متداول رہی وہ ''معرفۃ الصحابۃ'' ہے۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ابن مندہ کی یہ کتاب بہت عمدہ اور مفید ہے۔ لیکن اس میں ایسی روایات بھی آئی ہیں جو کمزور اور غیر معیاری ہیں۔

1.10 ابن السنی

ابوبکر کنیت، احمد نام ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم دینوری۔ آپ ابن السنی کے نام سے مشہور ہیں۔ حافظ حدیث، امام، ثقہ اور عادل تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت جعفر بن ابو طالب ہاشمی کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے۔ ابن السنی کی تالیف کا نام ''عمل الیوم واللیلۃ'' ہے۔ اس کتاب میں رسول اکرم ﷺ کے شب و روز کے اعمال کا تذکرہ ہے۔ حافظ ابن السنی، سنن نسائی کے روای ہیں۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن السنی دیندار، نیک خو اور راست باز تھے۔ آپ نے اسی (۸۰) برس سے زیادہ عمر پائی۔ ابن السنی کے صاحبزادے علی بن احمد کہتے ہیں کہ میرے والد نے قلم کو دوات پر رکھا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی حالت میں ان کی روح پرواز کرگئی۔ یہ واقعہ ۳۶۴ھ کے آخری سال کا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.11 رامہرمزی

ابومحمد کنیت، حسن نام ہے۔ والد کا نام عبدالرحمٰن بن خلاد فارسی ہے۔ آپ ''رامہرمز'' کے رہنے والے تھے اس لیے رامہرمزی مشہور ہو گئے۔ حافظ حدیث، اپنے دور کے امام اور قاضی تھے۔ علوم حدیث میں آپ کی تالیف کا نام ''المحدث الفاصل بین الراوی والواعی'' ہے اور دوسری تالیف ''کتاب الامثال'' ہے۔ حافظ ابن مندہ نے

اپنی کتاب ''الوفیات'' میں لکھا ہے کہ رامہرمزی تقریباً ۳۶۰ تک رامہرمز میں بقید حیات رہے۔

''المحدث الفاصل بین الراوی والواعی'' علوم الحدیث میں پہلی کتاب ہے۔ بعد میں آنے والے علماء نے علوم الحدیث کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ اسی کتاب کی بنیاد پر لکھا ہے۔

1.12 حافظ ابن عدی

ابواحمد کنیت، عبداللہ نام ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابواحمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد بن مبارک جرجانی۔ آپ ابن عدی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ ابن عدی اپنے عہد کے امام، حافظ حدیث اور نقاد تھے۔ قوت حافظہ ایسی تھی کہ ضرب المثل تھے۔ آپ نے امام نسائی سے بھرپور استفادہ کیا۔ حدیث کے مختلف پہلوؤں پر آپ نے تالیفات کیں۔ لیکن جس تالیف کی وجہ سے آپ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ ''الکامل'' ہے۔ ''الکامل'' فن جرح وتعدیل میں اسم بامسمّٰی ہے۔ امام حمزۃ السہمی کہتے ہیں کہ میں نے امام دارقطنی سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ''ضعفاء'' کے موضوع پر ایک کتاب لکھیں۔ میری خواہش کے جواب میں امام دارقطنی نے کہا: کیا آپ کے پاس حافظ ابن عدی کی کتاب ''الکامل'' نہیں ہے؟ ...... میں نے کہا: ہاں! ''الکامل'' میرے پاس موجود ہے۔ امام دارقطنی نے کہا: ''الکامل'' تیرے لیے کافی ہے اس میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ حافظ احمد بن ابی مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ابن عدی جیسا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔ ابن عدی بہت بڑے حافظ تھے احمد بن ابی مسلم کی ملاقات امام طبرانی اور ابواحمد حاکم سے ہوچکی ہے تھی ان دونوں کا حافظہ اور ابن عدی کے حافظ کا مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان دونوں (طبرانی اور ابواحمد حاکم) کا حافظہ کسبی (حاصل کردہ) تھا اور ابن عدی کا وھبی (قدرتی) تھا۔ ابن عدی کی معجم ایک ہزار سے زیادہ شیوخ پر مشتمل ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.13 قاضی المحاملی

حسین نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام اسمٰعیل بن محمد ہے۔ ضبّی اور بغدادی نسبت ہے۔ المحاملی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۲۳۵ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ نو برس کی عمر میں آپ نے علمی مجالس میں شرکت کرنے کا

آغاز کیا۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں ابو حذافہ احمد بن اسماعیل السہمی بھی ہیں اور تلامذہ میں امام دارقطنی بھی ہیں۔ قاضی المحاملی نے حدیث کے موضوع پر بہت کچھ لکھا۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ المحاملی فاضل، دیندار اور صادق القول تھے۔ بیس (۲۰) سال کی عمر میں آپ کو قضا کے منصب پر فائز کیا گیا اور ساٹھ سال کی عمر تک کوفہ کے قاضی رہے۔ ابن جمیع الغسانی کہتے ہیں کہ المحاملی کے پاس سفیان بن عیینہ کے تلامذہ بھی آتے اور بکثرت آتے تھے۔ ابوبکر داؤدی کہتے ہیں کہ المحاملی کی مجلسوں میں دس ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے۔ ۳۲۰ھ سے پہلے المحاملی منصب قضا سے مستعفی ہو گئے۔ آپ جب تک قاضی رہے خواص اور عوام سب آپ کے سلوک اور رویہ سے خوش تھے۔ ۳۲۰ھ میں المحاملی نے اپنے گھر میں فقہ کی مجلس قائم کی جس میں اہل علم اور اہلِ نظر برابر شریک ہوتے تھے۔ ۱۲ ربیع الآخر ۳۳۰ھ کو حسب دستور المحاملی نے مجلس منعقد کی جس کے بعد وہ بیمار ہو گئے اور گیارہ روز تک بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

② پانچویں صدی کے بعض مشہور محدّثین

چوتھی صدی ہجری کی طرح پانچویں صدی میں بھی عالم اسلام کے مختلف اطراف میں بڑے نامور اور بلند پایہ محدّث پیدا ہوئے جنہوں نے علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ یہاں ان میں چند حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ کو اس صدی میں علماء حدیث کی خدمات کے انداز اور اسلوب کا تعارف ہو سکے۔

2.1 امام بیہقی

ابوبکر کنیت، احمد نام ہے۔ والد کا نام حسین بن علی بن موسیٰ ہے۔ خراسان کے علاقہ بیہق کے رہنے والے تھے اس لیے بیہقی کہلاتے ہیں۔ حافظ حدیث، اپنے عہد کے امام اور شیخ خراسان تھے۔ ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ قوت حفظ اور فہم وذکاء میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ نے امام حاکم نیشاپوری سے بھرپور استفادہ کیا۔ امام بیہقی کی تالیفات کی فہرست بہت طویل ہے تاہم آپ کو شہرت اور مقبولیت ''سنن کبریٰ'' اور ''شعب الایمان'' کی وجہ سے ہوئی۔ عبدالغافر فارسی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقی نہایت قانع، زاہد اور متقی تھے۔ امام الحرمین ابوالمعالی کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کا تعلق فقہ شافعی سے ہے اس پر امام شافعی کا احسان ہے لیکن بیہقی وہ شخص ہے کہ اس کا احسان امام شافعی پر ہے نہ کہ امام شافعی کا اس پر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بیہقی نے فقہ شافعی کی تائید اور حمایت میں بہت ساری کتابیں لکھی ہیں۔ امام بیہقی اپنی عمر کے آخری حصہ میں بیہق سے نیشاپور گئے۔ یہاں انہوں نے اپنی کتابوں کی روایات بیان کیں اور اسی شہر میں ۱۰ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ میں انتقال کر گئے۔

نوٹ: امام بیہقی اور ان کی کتاب ''سنن کبریٰ'' کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۴ میں مطالعہ کر چکے

ہیں۔ یہاں کی مناسبت سے اس یونٹ کا مطالعہ ایک بار پھر کر لیجیے۔

2.2 خطیب بغدادی

آپ کا نام احمد، کنیت ابوبکر ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی۔ آپ خطیب بغدادی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے والد ابوالحسن علی بھی خطیب تھے۔ خطیب بغدادی عربی النسل ہیں۔ آپ کا خاندان فرات کے مضافات میں جصاصہ کے مقام میں سکونت پذیر تھا اور گھوڑوں کی سواری میں مشہور تھا۔

خطیب بغدادی ۲۴ جمادی الثانی ۳۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ابوالحسن علی بہت اچھے عالم اور عراق میں واقع ایک بستی درانجان میں خطیب تھے۔ آپ نے بچپن میں اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر توجہ دی۔ خطیب بغدادی نے گیارہ سال کی عمر میں علماء کی مجالس میں بیٹھنا شروع کیا۔ طلبِ حدیث کے لیے خطیب بغدادی نے کوفہ، بصرہ، شام، دمشق، نیشاپور، اصبہان، رے، ہمدان، حجاز اور قدس کا علمی سفر کیا۔ جو اس دور کا ایک عام دستور تھا۔ آپ نے صحیح بخاری مشہور محدثہ کریمہ بنت احمد مروزیہ سے پڑھی۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں البرقانی، ابونعیم اصبہانی، ابوسعد مالینی، قاضی ابوالطیب طبری، ابوالحسن بن المحاملی قاضی زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں جن کو شہرت اور مقبولیت حاصل رہی ان کے نام یہ ہیں: فقیہ نصر مقدسی، ابو عبداللہ حمیدی، ابونصر ابن ماکولا، اور عبدالعزیز کتانی۔ ابن سمعانی کہتے ہیں کہ خطیب بلاشبہ اپنے عہد کے امام اور حافظ حدیث تھے۔ ان کی تالیفات کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے۔ خطیب بغدادی کی ہر ایک تالیف مفید، وقیع اور معیاری ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے طلبِ علم کے لیے کئی ممالک کا سفر کیا۔ علم میں مہارت حاصل کی، کتابیں لکھیں اور جمع بھی کیں۔ آپ سفر میں بھی اپنی کتابیں ساتھ رکھتے تھے۔ ابن ماکولا کہتے ہیں کہ ابوبکر خطیب بغدادی حدیث کی معرفت، حفظ واتقان اور ضبط میں ان بڑی شخصیتوں میں آخری شخص تھے جن کو میں

نے دیکھا ہے۔ وہ حدیث کے علل، اسانید، صحیح، غریب، فرد، منکر اور مطروح سے اچھی طرح واقف تھے۔ بغداد میں دار قطنی کے بعد خطیب کی مانند کوئی شخص نہیں تھا۔ مؤتمن ساجی کہتے ہیں کہ بغداد نے دار قطنی کے بعد خطیب جیسا شخص پیدا نہیں کیا۔ ابو اسحاق شیرازی لکھتے ہیں کہ خطیب حدیث کی معرفت اور حفظ میں دار قطنی کے مشابہ تھا۔ ابو سعد سمعانی کہتے ہیں کہ خطیب باوقار، پر رعب، ثقہ، فصیح، خوش خط، کثیر الضبط اور علم کے متلاشی تھے۔

خطیب بغدادی کی مشہور اور ضخیم تالیفات میں تاریخ بغداد ہے جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور اہم تالیفات میں ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' ہے۔ حافظ ابن حجر خطیب کی کتاب ''الکفایۃ'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ اصطلاح حدیث میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد رامہرمزی نے کتاب ''المحدث الفاصل'' لکھی۔ لیکن وہ اسے مکمل نہ کر سکے۔ پھر حاکم نیشاپوری نے کتابیں لکھیں مگر وہ بھی اس فن کو مہذب اور مرتب نہ کر سکے۔ ان کے بعد ابو نعیم اصبہانی حاکم کے نقش قدم پر چلے اور حاکم کی کتاب سے اپنی کتاب کو متخرج کیا لیکن انہوں نے بہت سی باتوں کو اپنے بعد کے آنے والوں پر چھوڑ رکھا۔ ان سب کے بعد ابو بکر خطیب کا دور آیا اور انہوں نے روایت کے قوانین میں کتاب ''الکفایۃ'' لکھی اور اس فن کے آداب میں ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام ''الجامع لاداب الراوی والسامع'' ہے اور حدیث کا کوئی ایسا فن نہیں ہے جس میں انہوں نے کتاب نہ لکھی ہو۔ اسی بناء پر حافظ ابو بکر بن نقطہ کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو انصاف پسند ہے جانتا ہے کہ خطیب کے بعد تمام محدثین خطیب کی کتابوں کے محتاج ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نہایت دولت مند اور متمول تھے۔ اپنی دولت کو علمائے حدیث اور طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔

ابن السبکی کہتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے اپنی بیماری کے دنوں میں جس میں ان کی وفات ہوئی اپنی تمام کتابوں کو وقف کر دیا تھا اور اپنی دولت وثروت کو اہل علم، علماء، حدیث اور بھلائی کے دوسرے کاموں کے لیے تقسیم کر دیا اور تقسیم سے پہلے امیر المؤمنین القائم بامر اللہ سے اجازت حاصل کی تھی کیونکہ خطیب کا کوئی وارث نہیں تھا اگر وہ امیر المؤمنین سے اجازت نہ لیتے تو ان کا سارا ترکہ بیت المال میں چلا جاتا۔ خطیب بغدادی کی وفات ذی الحجہ ۴۶۳ھ میں واقع ہوئی اور مشہور بزرگ بشر بن الحارث حافی کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

حافظ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "المنتظم" میں لکھا ہے کہ خطیب کہا کرتے تھے کہ میں نے آب زمزم اس نیت سے پیا ہے کہ میں بغداد جاؤں اور وہاں اپنی کتاب تاریخ بغداد کی روایت کروں اور مرنے کے بعد بشر حافی کے پہلو میں دفن کیا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے میری دو آرزؤں کو پورا کر دیا ہے یعنی بغداد میں آنا اور تاریخ بغداد کی روایت کرنا۔ تیسری آرزو بھی ان شاء اللہ پوری ہوگی۔

خطیب بغدادی کی وفات اس حجرہ میں ہوئی جو مدرسہ نظامیہ کے پڑوس میں مقام درب السلسلہ میں واقع تھا جہاں وہ سکونت پذیر تھے۔ خطیب کے جنازے کو امام ابو اسحاق شیرازی نے اٹھایا اور پل پار کر کے کرخ سے ہوتے ہوئے جامع منصور لے گئے جہاں ان کے جنازہ کی نماز میں بہت بڑی خلقت شریک ہوئی جس میں علماء، فقہاء اور اعیان شہر بھی تھے۔

2.3 ابن عبدالبر قرطبی اندلسی

یوسف نام اور ابو عمر کنیت ہے۔ ابن عبدالبر کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم نمری، حافظ المغرب، امام اور شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ قبیلۂ نمر بن قاسط سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نمری کہے جاتے ہیں۔ اندلس میں ربیع الثانی ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ طلبِ علم کے لیے اندلس سے مصر اور مکہ آئے اور یہاں کے شیوخ سے حدیث میں استفادہ کیا۔ حفظ واتقان میں اپنے دور کے علماء پر فوقیت حاصل کر کے سیادت وامامت کا درجہ پایا۔ ابن عبدالبر کے شاگرد حمیدی کہتے ہیں کہ ابن عبدالبر فقیہ، مفسر، علوم حدیث اور رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ ابو الولید باجی کہتے ہیں کہ حدیث میں ابو عمر وابن عبدالبر کی مانند اندلس میں کوئی شخص نہیں تھا وہ اہل مغرب میں سب سے زیادہ حافظہ کے مالک تھے۔ ابن حزم اندلسی کہتے ہیں کہ ابو عمر ابن عبدالبر کی کتاب "التمہید لما فی الموطا من المعانی والأسانید" فقہ حدیث میں اتنی اچھی ہے کہ اس کی مانند کسی کتاب کا مجھے علم نہیں اس سے بہتر کتاب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن عبدالبر نے کئی کتابیں مرتب کیں۔ آپ کی ہر ایک کتاب کو مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱) التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید: یہ مؤطا امام مالک کی بہت مقبول اور عمدہ شرح ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے بہت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ یہ شرح لکھی ہے۔ مؤطا امام مالک پر کام کرنے والے بعد کے علماء نے اس کو بنیاد بنایا ہے۔

۲) الاستذکار: یہ بھی مؤطا امام مالک کی شرح ہے۔ ''تمہید'' کے مقابلہ میں اس میں اجمال ہے لیکن اس کے باوجود اس کی ایک مستقل حیثیت ہے۔ اور بہت مفید اور وقیع مباحث پر مشتمل ہے۔

۳) الکافی: یہ ''فقہ'' کے موضوع پر بہت عمدہ اور خوبصورت کتاب ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس میں مالکی مسلک کے مطابق روایات جمع کی ہیں اور احکام پر بحث کی ہے۔

۴) جامع بیان العلم وفضلہ: یہ ابن عبدالبر کی وہ کتاب ہے جس کی وجہ سے آپ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس میں آپ نے علم اور علماء سے متعلق روایات جمع کی ہیں۔ اس موضوع پر یہ بنیادی اور اساسی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

۵) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: یہ صحابہ کرام کی تاریخ سے متعلق ایک بنیادی اور اہم ماخذ ہے۔ بعد میں آنے والے علماء نے اس کی بنیاد پر کام کیا ہے۔ حافظ ابن اثیر الجزری اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتابوں میں اس کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔

۶) کتاب الانتقاء: اس میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے فضائل ومناقب اور ان کی خدمات کا تذکرہ ہے۔

حافظ ابن عبدالبر عرصہ تک اندلس کے مغربی حصہ میں رہے۔ اس کے بعد آپ اندلس کے مشرقی حصہ میں منتقل ہو گئے۔ دانیہ۔ بلنسیہ اور شاطبہ میں قیام کیا۔ ربیع الآخر ۴۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر پچانوے سال تھی۔ حافظ ابن عبدالبر نہایت دیندار، ثقہ، متبع شریعت اور اپنے عہد کے امام تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.4 ابن ماکولا

آپ کا نام علی اور کنیت ابونصر ہے۔ ابن ماکولا کے نام سے مشہور تھے۔ والد کا نام ہبۃ اللہ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابونصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی بن جعفر بن محمد العجلی بغدادی۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل کی ایک شاخ ''عجل'' سے ہے اس لیے عجلی کہلاتے ہیں۔ ابن ماکولا کی پیدائش شعبان ۴۲۲ھ میں ہوئی۔ طلبِ علم کے لیے بغداد، دمشق، مصر، ماوراء النہر، خراسان اور دوسرے اہم مقامات کا سفر کیا اور بکثرت شیوخ سے علم حاصل کیا۔

ابن ماکولا کی مشہور تالیف ''الإکمال'' ہے۔ ابن ماکولا دولت منداور خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ابن ماکولا کے والد امیر المؤمنین قائم کے وزیر تھے اور ان کے چچا حسین بن علی بغداد میں قاضی القضاۃ تھے۔ دولت مندی کی وجہ سے ابن ماکولا امیر کبیر مشہور تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ المقتدی باللہ نے ابن ماکولا کو اپنا نمائندہ بنا کر سمرقند بھیجا تاکہ وہاں کے بادشاہ طمغا خان سے خلیفہ کے لیے بیعت لیں۔ دولت مندی اور خوشحالی کے باوجود ابن ماکولا نے اپنی ساری زندگی علم حدیث کی خدمت میں گزاری۔

ابن ماکولا کی تعریف میں ابواسحاق حبّال کہتے ہیں کہ جب وہ مصر آئے تو ایک کاتب کے بھیس میں تھے اس لیے ہم لوگوں نے ان کی طرف دھیان نہ دیا۔ لیکن جب ان کی علمی صلاحیت اور قابلیت معلوم ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بلند پایہ علماء میں سے ہیں۔

ابن ماکولا کے شاگرد حمیدی کہتے ہیں کہ میں جب کبھی خطیب بغدادی کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو وہ کہتے تھے کتاب دیکھ کر بتاؤں گا اور جب ابن ماکولا کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو وہ فوراً زبانی جواب دیتے تھے۔ گویا وہ کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ماکولا کی کتاب ''مستمر الاوہام'' دیکھی ہے وہ نفیس کتاب ہے اس کتاب سے ابن ماکولا کے تبحر علمی اور امامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سمعانی کہتے ہیں کہ ابن ماکولا نہایت دانشمند،

عارف اور حافظ تھے انہیں لوگ خطیب ثانی کہتے تھے۔ وہ اچھے نحوی اور ماہر شاعر بھی تھے۔ فصیح عبارت لکھتے تھے۔ بغداد میں ان کے دور میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ دنیا کی سیاحت کرنے کے بعد بغداد میں مقیم ہو گئے تھے۔

ابن ماکولا کے حالات میں ابن نجار لکھتے ہیں کہ وہ بچپن سے علم کی طرف راغب تھے۔ حدیث میں انہوں نے شیوخ سے بھرپور استفادہ کیا۔ عربی ادب اور نظم ونثر میں پورا ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ شجاع ذہلی کہتے ہیں کہ ابن ماکولا حافظ، فہیم اور ثقہ تھے۔ علم حدیث میں ان کی تالیفات کو مقبولیت اور تداول حاصل رہا۔ مؤتمن ساجی لکھتے ہیں کہ ابن ماکولا نے عام اہل علم کے طریقہ کو نہیں اپنایا۔ وہ علم کی خدمت بے لوث اور مخلص ہو کر کرتے تھے اور کسی قسم کی نمود ونمائش کے قائل نہیں تھے۔ ابن ماکولا شہید کئے گئے۔ ابن عساکر ابن ماکولا کی شہادت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے اسماعیل سمرقندی سے سنا ہے کہ ابن ماکولا کے چند ترک غلام تھے جنہوں نے ابن ماکولا کو جرجان میں شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۴۷۰ھ کا ہے۔ ابن ناصر لکھتے ہیں کہ ابن ماکولا کرمان جا رہے تھے۔ سفر کی حالت میں ان کے ساتھ چند ترک غلام تھے انہوں نے ابن ماکولا کو شہید کر دیا اور ان کا سارا مال لے لیا۔ یہ واقعہ ۴۷۵ھ کا ہے۔ قاضی ابن خلکان جو ابن ماکولا کے شاگرد ہیں لکھتے ہیں کہ ابن ماکولا کو ۴۸۲ھ میں شہید کر دیا گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.5 حمیدی اندلسی بغدادی

آپ کا نام محمد اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ حمیدی کے نام سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابوعبداللہ محمد بن ابونصر فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن جہد بن یصل ازدی۔ اندلس کے مشرقی محاذ میں ایک جزیرہ ''میورقہ'' کے نام سے معروف تھا اسی جزیرہ میں امام حمیدی ۴۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جس کی وجہ سے آپ اندلسی میورقی کہلاتے تھے۔

امام حمیدی نے اندلس، مصر، شام، عراق اور دوسرے شہروں کے اساتذہ سے حدیث میں استفادہ کیا اور

مختلف مراکز میں حدیث کی روایت کی۔ آخر میں بغداد آ گئے اور یہیں قیام کیا۔ آپ کی وفات ۴۸۸ھ میں ہوئی۔ حمیدی نے ابن حزم اندلسی سے بھرپور استفادہ کیا اس لیے آپ ظاہری کہلاتے ہیں۔

امام حمیدی کہتے ہیں کہ میرے والد اندلس کے دارالخلافہ قرطبہ کے محلّہ رصافہ میں رہتے تھے وہاں سے منتقل ہو کر وہ جزیرۂ میورقہ جا بسے وہیں میری پیدائش ہوئی اور ۴۲۵ھ میں جب میں بچہ تھا کندھے پر اٹھا کر حدیث کی سماعت کے لیے شیخ کے پاس مجھے بھیجا جاتا تھا اس وقت بھی شیخ کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا تھا میں اسے سمجھتا تھا۔ حمیدی کے بعض شیوخ کے نام یہ ہیں: ابن حزم اندلسی، ابوعمرو بن عبدالبر قرطبی، ابوزکریا عبدالرحمٰن بخاری، ابوالقاسم الجیانی الدمشقی، ابوبکر خطیب بغدادی اور ابوغالب بن بشران اموی۔

آپ نے مشہور محدثہ کریمہ مروزیہ سے بھی ملاقات کی۔ طلبِ علم میں حمیدی کی محنت کا یہ حال تھا کہ گرمی کی راتوں میں جب وہ لکھتے لکھتے تھک جاتے تھے تو ایک بڑے ٹب میں پانی بھر کر اس میں بیٹھ جاتے تھے۔ جب بدن کی گرمی دور ہو جاتی تو پانی کے برتن سے باہر نکل آتے تھے۔ ابن ماکولا کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے دوست حمیدی جیسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا ہے۔ وہ پاک دامن، پاک طینت اور ہمیشہ علم کی جستجو میں مشغول رہا کرتے تھے۔

یحییٰ بن ابراہیم سلماسی کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے حمیدی جیسا صاحبِ فضل وشرف، صاحبِ علم وعمل اور علم کی اشاعت کرنے والا نہیں دیکھا ہے۔ وہ متقی، ثقہ، حدیث اور علل کے امام تھے اور کتاب وسنت کے مطابق اور علماء حدیث کے اسلوب پر علمی تحقیق کرتے تھے ان کی عبارت فصیح ہوتی تھی اور عربی ادب میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ ابوعابد عبدری کہتے ہیں کہ حمیدی نے اپنے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ان جیسے شخص کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت ہے۔ محدّث شہاب کے پاس حدیث کی سماعت کے لیے حمیدی بہت جاتے تھے اسی لیے حمیدی کا قول ہے: صیرنی الشهاب شهابا ...... ''شیخ شہاب نے مجھے ستارہ شہاب بنا دیا ہے''۔

حمیدی نے کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے جو مشہور ہوئیں ان کے نام یہ ہیں:

۱) کتاب الجمع بین الصحیحین: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو یکجا کر دیا ہے۔ اس پہلو سے بنیادی اور

اساسی کتاب ہے۔

۲) تاریخ اندلس

۳) الذہب المسبوک فی وعظ الملوک

۴) کتاب الترسل

ابن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ علوم حدیث کی تین کتابیں ایسی ہیں جن کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے۔ وہ تین یہ ہیں:

۱) کتاب العلل: اس موضوع پر سب سے مفید کتاب امام دارقطنی کی ہے۔

۲) کتاب المؤتلف والمختلف: اس میں سب سے وقیع کتاب امیر کبیر ابن ماکولا کی ہے جس کا نام ''الاکمال'' ہے۔

۳) کتاب الوفیات: وفیات کے موضوع پر معیاری کتاب نہیں ہے اس لیے میرا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر ایک کتاب لکھوں۔

ابن طرخان کہتے ہیں کہ حمیدی ''الجمع بین الصحیحین'' کی تالیف میں مشغول ہوگئے۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور ''وفیات'' کے موضوع پر کتاب لکھنے کی اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ جب حمیدی کی وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی نماز امام ابوبکر شامی نے جامع قصر بغداد میں پڑھائی اور باب النہر کے قبرستان میں شیخ ابو اسحاق شیرازی کے قبر کے پاس دفن کئے گئے۔ پھر دو سال کے بعد ان کی میت اس قبر سے نکال کر باب حرب کے قبرستان میں مشہور صوفی اور زاہد بشر بن الحارث حافی کی قبر کے پاس دفن کی گئی۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ امام حمیدی نے وصیت کی تھی کہ ان کی میت بشر حافی کی قبر کے پاس دفن کی جائے لیکن مظفر ابن رئیس الرؤساء نے وصیت کے خلاف عمل کیا۔ ایک عرصہ کے بعد رئیس نے حمیدی کی میت کو قبر سے نکلوا کر وصیت کے مطابق دوسری قبر بشر حافی کی قبر سے متصل منتقل کرا دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

پانچویں صدی کے مشہور محدثین کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم چھٹی صدی ہجری کے ان علمائے

حدیث کا ذکر کریں گے جنہوں نے حدیث کی ترویج، اشاعت اور تطویر کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔

2.6 السمعانی

آپ کا نام محمد، اور کنیت ابوبکر ہے۔ سمعانی، مروزی اور تمیمی نسبتیں ہیں۔ والد کا نام ابوالمظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار ہے۔ اپنے عہد کے حافظ حدیث، امام اور خطیب تھے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی وعظ ونصیحت کا درس دیتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کی زبان میں بہت چاشنی، جاذبیت اور تاثیر تھی۔ عربی ادب، علم حدیث، علم رجال اور انساب میں کمال حاصل تھا۔ ان علوم میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ اپنے وعظ میں اسانید کے ساتھ حدیث بیان کرتے تھے۔ جامع مرو میں ایک سو چالیس مجالس میں املا کرایا۔ ایک دفعہ عین مجلس میں حاضرین ان کے حافظہ کا امتحان لیا اور دس روایات کی اسانید کو الٹ پلٹ کر ان کے سامنے پیش کیا۔ امام سمعانی نے سب روایات کے متون اور اسانید کو درست کر کے بتا دیا جس کے بعد لوگوں نے ان کی صلاحیت، قابلیت اور قوت حافظہ کا اعتراف کیا۔ اس مجلس میں انہوں نے اپنے طلبہ کے لیے تعاون طلب کیا۔ لوگوں نے ہزاروں دینار پیش کئے۔ امام سمعانی نے کئی کتابیں لکھیں لیکن آپ کی شہرت ''کتاب الانساب'' کی وجہ سے ہے۔ ابوبکر السمعانی کی وفات ۵۱۰ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر تینتالیس (۴۳) سال تھی۔ آپ نہایت متقی اور عابد وزاہد تھے۔ امراء اور سلاطین سے جب ملتے تھے اس وقت بھی بے باکی اور تشخص کے ساتھ ملتے تھے۔

2.7 بغوی

ابو محمد کنیت اور حسین نام ہے۔ محی السنۃ اور رکن الدین کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ والد کا نام مسعود بن محمد بن الفراء ہے۔ امام بغوی حافظ، مجتہد اور اپنے عہد کے امام تھے۔ علماء ربانیین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عابد، زاہد اور بہت قانع تھے۔ بالکل سادہ زندگی گذارتے تھے۔ اور زیادہ وقت اللہ جل شانہ کی عبادت میں گزارتے تھے۔ علم وعمل کے جامع تھے۔ آپ نے فقہ اور حدیث میں قاضی حسین سے بھرپور استفادہ کیا۔ اسی

(۸۰) سال کی عمر میں ۵۱۶ھ میں وفات پائی۔ اور اپنے شیخ قاضی حسین کی قبر کے پاس دفن کئے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

نوٹ: امام بغوی کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر۱۱ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک بار پھر اس یونٹ کا مطالعہ کر لیجئے۔

2.8 رزین (م ۵۲۰ھ)

ابوالحسن کنیت اور رزین نام ہے۔ والد کا نام معاویہ بن عمار عبدری ہے۔ اندلس کے شہر سرقسطہ کے رہنے والے تھے۔ اس لیے اندلسی سرقسطی کی نسبت سے مشہور تھے۔ مکہ مکرمہ میں طویل قیام کیا۔ یہیں رہتے ہوئے ابو مکتوم اور عیسیٰ بن ابوذر الہروی سے حدیث کی روایت کی۔ اپنے دور کے حافظ حدیث، امام اور شیخ تھے۔ امام رزین بن معاویہ نے کئی کتابیں تالیف کیں لیکن آپ کو شہرت اور مقبولیت ''کتاب التجرید'' سے ہوئی۔ اس کتاب میں سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحاح کی پانچ کتب اور موطأ امام مالک کی روایات کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ آپ کی دوسری تالیف ''اخبار مکۃ'' ہے۔ امام رزین نے مصادر حدیث کی تجرید میں بہت محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ بعد میں آنے والے کئی حضرات نے اس کی بنیاد پر مصادر حدیث کی تجرید کی ہے۔ ۵۲۰ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

2.9 سمعانی (۵۰۶-۵۶۲ھ)

ابوسعد کنیت اور عبدالکریم نام ہے۔ تاج الاسلام کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ سمعانی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ والد کا نام احمد ہے۔ حافظ ذہبی نے آپ کا نام اور نسب اس طرح لکھا ہے: ابوسعد عبدالکریم بن احمد الحافظ تاج الاسلام معین الدین بن ابی بکر محمد بن العلاء المجتہد ابی المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار السمعانی المروزی۔

ابوسعد السمعانی ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۵۰۹ھ کے اواخر میں ان کے والد انہیں اپنے ساتھ نیشاپور

لے گئے۔ ۵۱۰ھ میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا جس کے بعد ان کی کفالت اور پرورش ان کے اہل خاندان نے کی۔ قرآن مجید کے حفظ کرنے اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حدیث کی تحصیل کی طرف آپ راغب ہوئے اور اسی مقصد کے لیے دور دراز ممالک کا سفر کیا۔ مرو، اصبہان، بغداد، کوفہ، دمشق، بخارا، سمرقند، اور بلخ کا سفر کر کے وہاں کے علماء حدیث سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت ذکی، فہیم، ثقہ، حافظ، عادل، دیندار اور سیرت وصورت کے پیکر تھے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جس سے سمعانی نے بیان کیا تھا کہ ان کے شیوخ کی تعداد سات ہزار ہے۔ سمعانی کی یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی اور عالم کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ سمعانی کی تالیفات بہت ہیں اور سب ہی مفید اور معیاری ہیں۔ لیکن جس کتاب نے ان کو شہرت اور عزت دی وہ ''المعجم'' ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کی دوسری کتاب ''التحبیر'' ہے جس میں انہوں نے اپنے شیوخ کے حالات لکھے ہیں۔ یہ بھی بہت مفید کتاب ہے جسے بہت محنت اور اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ ۵۶۲ھ میں جب آپ مرو میں تھے آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ اور انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر ۵۶ سال تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.10 حافظ ابن عساکر

ابو القاسم کنیت اور علی نام ہے۔ والد کا نام حسن ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابن عبداللہ بن حسین۔ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ابن عساکر کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے دور کے حافظ حدیث، امام اور شیخ تھے۔ حافظ کبیر اور فخر الائمہ کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ۴۹۹ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد اور بھائی ضیاء الدین کی توجہ سے پڑھنا شروع کیا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا۔ بغداد، کوفہ، اصبہان، مرو اور ہرات کے علمی مراکز سے استفادہ کیا۔ ابن عساکر کے شیوخ کی تعداد تیرہ سو کے لگ بھگ ہے۔ ابن عساکر نے لکھا اور خوب لکھا۔ لیکن آپ کی شہرت جس [illegible] سے ہوئی وہ ''تاریخ دمشق'' ہے۔ یہ بہت ضخیم کتاب ہے۔ دوسری کتاب ''الموافقات'' ہے جو

چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

سمعانی کہتے ہیں کہ ابن عساکر حافظ، ثقہ، صاحبِ اتقان، دین دار اور صاحبِ علم وفضل تھے۔ متون اور اسناد کے جامع تھے۔ تحصیل علم میں بڑی محنت کی تھی اور علم کے اس قدر جامع تھے کہ دوسرے علماء اس وصف سے متصف نہ تھے۔ آپ کے ہم عصر علماء آپ کے علم وفضل کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ ابن عساکر کے فرزند محدّث بہاء الدین قاسم کہتے ہیں کہ میرے والد جماعت کے پابند تھے۔ ہر رات تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے اور رمضان کے مہینہ میں مسلسل عبادت کرتے تھے۔ منارہ شرقیہ میں معتکف ہوتے تھے۔ نوافل اور اذکار میں مشغول رہتے تھے اور اپنے نفس کا برابر محاسبہ کرتے تھے کہ کوئی لحظہ ذکرِ الٰہی کے بغیر نہ گذر جائے۔

ابوالمواہب کہتے ہیں کہ میں چالیس سال سے برابر ابن عساکر کو دیکھتا آ رہا ہوں کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رہتے تھے اور رمضان میں اعتکاف کرتے تھے۔ وسائل کے حصول کا خیال کبھی ان کے دل میں نہیں گزرا۔ منصب کی طلب سے بھی روگردانی کی۔ ہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مشغول رہتے تھے اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ابن عساکر کی غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے بغداد کے لوگ انہیں ''شعلۂ آتش'' کہتے تھے۔ حافظ عبدالقادر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عساکر سے زیادہ قوتِ حافظہ رکھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ ابن عساکر اپنے وقت کے امام المحدّثین تھے۔ حفظ، اتقان اور علم میں ریاست ان پر ختم ہوگئی تھی۔ ابن عساکر کے فرزند کہتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ۱۱ رجب ۵۷۱ھ کو ہوئی اور ان کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کے مرثیے کہے اور پڑھ کر سنائے۔ انہیں باب الصغیر میں دفن کیا گیا۔
(تذکرۃ الحفاظ)

2.11 ابن بشکوال

ابو القاسم کنیت اور خلف نام ہے۔ اپنے پردادا بشکوال کی نسبت سے مشہور ہیں۔ والد کا نام عبدالملک ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو القاسم خلف بن بعدالملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال بن یوسف انصاری

اندلسی۔ ابن بشکوال اندلس کے محدّث اور مؤرخ تھے۔ ۴۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور اندلس کے علماء اور محدّثین سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے علمِ حدیث کی طرف خاص توجہ دی۔ روایت کے طرق اور وجوہ سے آپ پوری طرح واقف تھے اور اپنے عہد کے علماء میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اپنے شیوخ سے چھوٹی بڑی چار سو کتابوں کی روایت سند کے ساتھ کی ہے۔ ابن بشکوال نے اپنا حلقہ قائم کیا تھا جس میں اطراف و اکناف سے طلبہ آکر قیام کرتے تھے۔ اور آپ سے مستفید ہوتے تھے۔ طلبہ کے ساتھ آپ کا سلوک اور رویہّ مثالی تھا۔ آپ نہایت خلیق اور متواضع تھے۔ مختلف عنوانات پر آپ نے پچاس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ اندلس کے مشہور شہر اشبیلہ میں ابن العربی کی نیابت میں قاضی بھی رہے۔ بعد میں آپ نے اپنے آپ کو علمی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا اور آخر تک تعلیم و تدریس کے ساتھ وابستہ رہے۔ ۸ رمضان المبارک ۵۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا اس وقت عمر چوراسی (۸۴) سال ہو گئی تھی۔ اور امام یحییٰ بن یحییٰ لیثی کے مقبرے میں دفن کیے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.12 ابن جوزی

عبدالرحمٰن نام اور کنیت ابن جوزی ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: عبدالرحمٰن بن ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن عبیداللہ بن عبداللہ القرشی البغدادی۔

ابن جوزی کے پردادا کے گھر میں جو واسط میں تھا ایک درخت جوزہ (اخروٹ) کا تھا۔ اس درخت کے علاوہ شہر واسط میں اور کوئی درخت جوزہ کا نہ تھا۔ اس لیے وہ جوزی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے پردادا کی اسی نسبت پر عبدالرحمٰن ابن جوزی کہے جانے لگے اور اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

ابن جوزی عراق کے عالم، حافظ، امام اور واعظ تھے۔ ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جس وقت ابن جوزی کی عمر تین سال کی تھی ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ پھوپھی نے ان کی پرورش کی۔ ان کے عزیز و اقارب تانبے کا کاروبار کرتے تھے اس لیے ابن جوزی نے اپنا نام سماعِ حدیث میں "عبدالرحمٰن بن علی الصفار" لکھا ہے۔

ابن جوزی کی مجلس وعظ بہت مشہور تھی۔ اس لیے وہ ''واعظ الآ فاق'' کہلاتے تھے۔ ان کی مجلس وعظ میں عموماً ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا اور کبھی کبھی ایک لاکھ تک سننے والوں کی تعداد پہنچ جاتی تھی۔

حافظ ابن جوزی نے لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ ان کی تالیفات کی تعداد دو سو پچاسی سے زیادہ ہے۔ المنتظم، صفوۃ الصفوۃ، الموضوعات اور العلل ان کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔

الموفق عبداللطیف کہتے ہیں کہ ابن جوزی خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔ بہت شستہ زبان بولتے تھے ان کی مجلس وعظ میں ایک لاکھ بلکہ کچھ زیادہ ہی لوگ شریک ہوتے تھے وہ اپنے وقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں کرتے تھے۔ ہر روز چار بیاض (کاپیاں) لکھ لیتے تھے۔ ہر فن میں انہیں درک تھا۔ تفسیر میں ان کا شمار بلند پایہ مفسرین میں تھا۔ حدیث کے حافظ تھے۔ تاریخ کی معلومات میں وسعت رکھتے تھے۔ فقہ میں وافر حصہ پایا تھا اور وعظ گوئی میں بہت قوی ملکہ رکھتے تھے۔ ان کی تالیفات اطراف واکناف میں پھیل گئی تھیں۔ ابن جوزی کی وفات جمعہ کے دن ۱۳ رمضان المبارک ۵۹۷ھ کو ہوئی اس وقت ان کی عمر نوے سال کے قریب تھی۔ باب حرب کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.13 سہیلی (م ۵۸۱ھ)

عبدالرحمٰن نام ہے۔ ابوالقاسم اور ابوزید کنیت ہے۔ والد کا نام عبداللہ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن اصبغ بن حسین بن سعدون اندلسی مالقی۔ اندلس کے مشہور شہر مالقہ سے متصل سہیل نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اس گاؤں کا نام سہیل اس لیے رکھا گیا تھا کہ ستارۂ سہیل صرف اسی گاؤں کے پہاڑ کے اوپر سے نظر آتا تھا۔ اس گاؤں میں رہنے کی وجہ سے آپ سہیلی مشہور ہو گئے۔ آپ کی پیدائش اشبیلیہ میں ہوئی۔

سہیلی نے اندلس کے مختلف شیوخ اور علماء سے استفادہ کیا۔ عربی زبان میں اتنی مہارت پیدا کی کہ وہ اس زبان کے امام تسلیم کئے گئے۔ دوسرے فنون میں انہیں کافی دستگاہ حاصل تھی۔ نہایت ذہین اور ذکی واقع

ہوئے تھے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت تھی۔ ابو جعفر بن الزبیر کہتے ہیں کہ سہیلی کا علم وسیع تھا۔ نحو، لغت، تفسیر، حدیث، رجال، انساب، علمِ کلام، اور اصولِ فقہ کے عالم، قدیم وجدید تاریخ کے ماہر تھے اور استنباط واستخراج نیز تجزیہ وتحلیل میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابو القاسم عبید الرحمٰن سترہ سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حیرت ہے کہ اس نابینائی کی حالت میں انہوں نے تالیف وتصنیف کا کام جاری رکھا اور متعدد کتابیں تالیف کیں۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت جس کتاب کے باعث ہوئی وہ ''الروض الأنف'' ہے جس میں سیرتِ نبوی ﷺ کو نہایت شرح وبسط سے لکھا ہے۔ یہ بہت مفید اور وقیع کتاب ہے اس کتاب کی تالیف میں سہیلی نے ایک سو بیس مأخذ سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی دوسری کتاب ''الاعلام بما أبہم فی القرآن من الأعلام'' ہے۔ ایک اور کتاب ''فرائض'' سے متعلق ہے۔ سہیلی منصب قضا پر بھی فائز رہے اور بہت کامیاب قاضی رہے۔ سہیلی کے شاگرد ابو الخطاب ابن وہبہ کہتے ہیں کہ سہیلی بہت پاکیزہ اور پرہیز گار تھے۔ ان کی زندگی تنگدستی سے بسر ہوتی تھی۔ لیکن ہمیشہ شاکر اور قانع رہتے تھے۔ مراکش کے سلطان کو آپ کی تنگدستی کے بارے میں معلوم ہوا تو انہیں مراکش بلا لیا اور معاشی پریشانی کا ازالہ کر دیا۔ مراکش میں تین سال قیام کے بعد آپ ۵۸۱ھ میں انتقال فرما گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

خود آزمائی ②

۱- امام بیہقی اور خطیب بغدادی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ان ائمہ کی تالیفی خدمات کی نشاندہی کیجئے۔

۲- حافظ ابن عبدالبر قرطبی اور امیر ابن ماکولا نے حدیث کی اشاعت کے لیے جو خدمات انجام دیں ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیجئے۔

۳- امام حمیدی اندلسی اور حافظ سمعانی نے حدیث کے لٹریچر میں جو نئی جہات نمایاں کیں ان پر تبصرہ کیجئے۔

۴- حافظ بغوی اور حافظ رزین نے جن تالیفات پر زیادہ توجہ دی اور جن کی وجہ سے انہیں مقبولیت حاصل ہوئی ان تالیفات کا تذکرہ کیجئے۔

۵- حافظ ابن عساکر دمشقی اور حافظ ابن بشکوال پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

۶- حافظ ابن الجوزی اور حافظ سہیلی کی خدمات وآثار پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
۲) تقیید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش
۳) الجرح والتعدیل از امام ابن ابی حاتم رازی
۴) حلیۃ الاولیاء از ابونعیم الأصبہانی
۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
۶) التاریخ الکبیر للامام البخاری
۷) الکامل لابن اثیر الجزری
۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر
۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری
۱۰) تاریخ الأمم والملوک لابن جریر الطبری
۱۱) الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر الکتانی
۱۲) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی
۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب
۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد
۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبداللطیف
۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد محمد ابوزہرۃ
۲۰) ضحیٰ الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ⑥

حدیث کا پانچواں دور

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔اس کا تعلق حدیث کے پانچویں دور سے ہے۔کسی بھی علم اورفن کے اصول ومصادر اور مآخذ ومراجع تک رسائی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور سے طلبہ علوم وفنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے۔ اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلبہ کے ہاتھوں میں اعلی سے اعلی ڈگریاں ہوتی ہیں لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم وفن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔حدیث کے طلبہ کا بھی تقریبا یہی حال ہے۔ ہمارے یہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔اساتذہ بھی عموما یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اس کتاب کے بارے میں اسے علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے میں وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے۔ نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام ومرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے۔علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں ازبر ہونی چاہئیں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ حافظ ابن اثیر الجزری کی تالیفی خدمات پر گفتگو کر سکیں۔

⇦ حافظ عز الدین الجزری کا تعارف کروا سکیں۔

⇦ حافظ ابن الصلاح کی تالیفات اور آثار پر ایک جامع نوٹ تحریر کر سکیں۔

⇦ امام نووی کے دور اور علماء حدیث کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ پر بحث کر سکیں۔

⇦ حافظ ابن دقیق العید کی ان خدمات کا جائزہ لے سکیں جو انہوں نے حدیث کی اشاعت کے لیے انجام دیں۔

⇦ حافظ جمال الدین مزی اور حافظ ابن تیمیہ کے احوال و آثار کے بارے میں سیر حاصل تبصرہ کر سکیں۔

⇦ حافظ ذہبی کی تالیفات کا تذکرہ کر سکیں۔

① حدیث کا پانچواں دور

چھٹی صدی ہجری کی طرح ساتویں صدی ہجری میں بھی علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے بڑے بڑے علماء اور نابغۂ روزگار پیدا ہوئے۔ اس صدی کے تمام محدثین کا بالاستیعاب تذکرہ کرنا یونٹ میں مشکل ہے اس لیے چند اُن حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کی خدمات اس مجال میں بہت زیادہ ہیں۔ اور جنہوں نے نت نئے پیرایوں کے ساتھ علم حدیث کی ترویج کے لیے کام کیا ہے۔ اس صدی میں زیادہ تر کام گزشتہ صدیوں کی تالیفات اور مجموعوں کی تہذیب وتنقیح اور ترتیب کے حوالہ سے ہوا۔

1.1 مجد الدین ابن اثیر الجزری (۵۴۴-۶۰۶ھ)

ابو السعادات کنیت، مبارک نام، اور مجد الدین لقب ہے۔ والد کا نام ابو الکرم محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی ہے۔ آپ ربیع الاول ۵۴۴ھ میں جزیرۂ ابن عمر میں پیدا ہوئے۔ اس جزیرہ کو رئیس عبد العزیز بن عمر نے آباد کیا تھا۔ اس کے نام پر جزیرۂ ابن عمر موسوم ہو گیا۔ اس جزیرہ کے چاروں طرف دریائے دجلہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور شہر موصل سے اوپر واقع ہے۔ ابو السعادات مجد الدین ابن اثیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی ابو الحسن عز الدین علی بھی ابن اثیر کے نام سے معروف اور مشہور ہیں۔ یہ دونوں بھائی علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔

مجد الدین ابن اثیر کی نشوونما جزیرۂ ابن عمر میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ شہر موصل میں منتقل ہو گئے۔ مجد الدین قائماز الخادم الزینی نائب سلطنت کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور کتابت وانشاء کی خدمت پر مامور کئے گئے۔ یہ خدمت حکومت کے اعلیٰ مناصب میں شمار کی جاتی تھی۔ آپ امیر قائماز کے روبرو سلاطین عالم کے نام خط اور مراسلے لکھا کرتے تھے۔ ایک دور آپ پر ایسا آیا کہ ۵۸۹ھ میں آپ گرفتار ہو کر قید خانہ میں ڈال دیئے

گئے اور سبب یہ ہوا کہ جب سلطان عز الدین مسعود اپنے بھائی سیف الدین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے تو اہل فساد اور دشمنوں نے مجد الدین کے خلاف سازش کی اور خادم قائماز کو جھوٹی اطلاع دے کر اور غلط الزامات لگا کر پیہم اصرار کر کے انہیں گرفتار کرا دیا۔ لیکن جلد ہی قائماز کو اس سازش کی اطلاع ہو گئی اور تمام الزامات جو آپ پر لگائے گئے تھے غلط ثابت ہوئے اور آپ قید سے رہا کر دیئے گئے۔ اور اپنی سابقہ حیثیت پر بحال رکھے گئے۔ اور جب ۵۹۵ھ میں خادم قائماز کا انتقال ہو گیا تو وہ اس خدمت سے کنارہ کش ہو گئے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی کہتے ہیں کہ سلطان عز الدین مسعود کی زندگی تک شیخ مجد الدین خدمتِ انشاو کتابت پر برقرار رہے تھے۔

جب موصل کی حکومت نور الدین ارسلان شاہ ابن سلطان عز الدین مسعود کو ملی اس نے اپنے مملوک لؤلؤ کو شیخ مجد الدین کے پاس بھیجا کہ وہ وزارت کا عہدہ قبول فرمائیں لیکن شیخ نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر خود سلطان نور الدین ارسلان شاہ کے پاس آیا اور وزارت کا عہدہ قبول کرنے کے لیے کہا۔ اس وقت بھی شیخ نے معذرت کی اور کہا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری علمی خدمت کی شہرت ہو چکی ہے اور وزارت کی حالت میں کچھ سختیاں بھی کرنی پڑتی ہیں جو ظلم کے معنی میں ہوتی ہیں اور یہ اہل علم کی شان کے خلاف ہے اس لیے مجھے عہدۂ وزارت کے قبول کرنے سے معاف فرمایا جائے۔ چنانچہ سلطان نے شیخ کی معذرت قبول فرمالی۔ لیکن مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ شیخ مجد الدین نور الدین ارسلان شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے اور عرصہ تک اس دربار میں کتابت وانشاء کے فرائض انجام دیتے رہے اور نیک نام رہے۔ اور نور الدین ارسلان شاہ بھی ان سے برابر خوش رہا۔ یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں میں ایسا مرض لاحق ہو گیا جس کی وجہ سے وہ اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو سیدھا کرنے سے معذور ہو گئے۔ یہیں ان کے پاس امراء، اعیان سلطنت اور اکابر وعلماء آتے تھے اور ان سے مشورہ لے کر جاتے تھے۔

شیخ مجد الدین کے چھوٹے بھائی شیخ عز الدین ابوالحسن علی کا کہنا ہے کہ جب شیخ مجد الدین بیماری کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے تھے اس دور میں ان کے پاس ایک طبیب آیا۔ اس نے شیخ کا علاج شروع کیا۔ اس طبیب نے ایک قسم کا روغن تیار کیا اور روزانہ شیخ مجد الدین کے ہاتھ پاؤں میں مالش کرنے لگا۔ چند دنوں کے بعد کچھ

افاقہ محسوس ہوا۔ شیخ بیماری کی حالت میں بہت پرسکون رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان سے پوچھا گیا تو کہنے لگے: میں اب اپنی پہلی زندگی کی بہ نسبت زیادہ آرام اور راحت میں ہوں۔ گھر میں دل جمعی سے بیٹھا ہوں۔ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے مشورہ کرتے ہیں۔ اور میری رائے لے کر جاتے ہیں۔ پہلے جب میں صحت مند تھا تو ان کے پاس جاتا تھا۔ اب میری عمر کے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ میں اپنی زندگی کو آرام سے گزارنا چاہتا ہوں۔ شیخ عز الدین کہتے ہیں: شیخ کو اس طبیب کی دوائی اور علاج سے افاقہ بھی ہوا۔ لیکن پوری طرح صحت نہیں ملی۔ شیخ نے گھر میں رہتے ہوئے تالیف وتصنیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے متعدد علماء کو اپنے پاس رکھا تھا جو ان کی تالیف وتصنیف میں مدد کرتے تھے۔ یہ حضرات کتابت کرتے تھے اور مصادر وماآخذ سے مواد جمع کرتے تھے۔ شیخ مجد الدین نے مختلف موضوعات پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن آپ کو جس کتاب کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ ''جامع الاصول'' ہے۔ اس کتاب کو آپ نے امام رزین بن معاویہ کی کتاب التجرید کو مدنظر رکھ کر مرتب کیا۔ اس میں مؤطا امام مالک، صحیحین، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور جامع ترمذی کی روایات کو اسانید حذف کر کے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ امام رزین بن معاویہ کی کتاب التجرید اور امام ابن اثیر الجزری کی جامع الاصول میں بنیادی فرق یہ ہے کہ امام رزین نے روایات کو ابواب کے تحت جمع نہیں کیا بلکہ محض تجرید کی ہے اور امام ابن اثیر الجزری نے تجرید کے ساتھ ساتھ تبویب بھی کی ہے۔ بعض روایات کو ابواب کے تحت جمع کیا ہے۔ امام ابن اثیر نے حدیث کے جس ماخذ سے روایت لی ہے اس کی علامت بھی لکھی ہے۔ تاکہ اس سے استفادہ کرنے والے کو آسانی ہو۔ مثلاً صحیح بخاری کے لیے ''خ''...... صحیح مسلم کے لیے ''م''...... موطأ امام مالک کے لیے ''ط''...... جامع ترمذی کے لیے ''ت''...... سنن ابوداؤد کے لیے ''د'' اور سنن نسائی کے لیے ''س'' کی علامات مقرر کی ہیں۔ اگر کوئی حدیث ایسی ہو جو ان تمام مصادر میں روایت کی گئی ہو تو آپ نے ساری علامات ابتدا میں لکھ دی ہیں۔ علاوہ ازیں روایات میں مشکل اور غریب الفاظ وکلمات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اور حواشی میں ضروری نکات بھی شامل کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے بہت مفید ہے۔ شیخ مجد الدین کی دوسری کتاب جسے حدیث کے لٹریچر میں بہت اہمیت حاصل ہے وہ ''النہایۃ فی غریب الحدیث'' ہے۔ یہ کتاب اسم با مسمی ہے۔ اور غریب الحدیث کے موضوع پر سب سے زیادہ متداول اور

رائج ہے۔ آپ کی تیسری اہم کتاب ''الانصاف فی الجمع بین الکشف والکشاف'' ہے۔ یہ تفسیر ثعلبی اور زمخشری سے ماخوذ ہے اور بہت بنیادی مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب کو بھی علماء کے ہاں اہمیت حاصل رہی:

۱) کتاب الأدعیۃ والاذکار

۲) کتاب البدیع فی شرح الفصول (اس کا تعلق نحو سے ہے)۔

۳) کتاب الشافی فی شرح مسند الامام الشافعی

۴) دیوان رسائل

شیخ مجد الدین کی وفات موصل میں ذی الحجہ ۶۰۶ھ کو ہوئی اور اندرونِ شہر درب الدرج کی رباط میں مدفون ہوئے۔

شیخ عز الدین آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ شیخ مجد الدین فقہ، اصول، نحو، حدیث اور لغت کے عالم تھے اور تفسیر، حدیث، فقہ، ریاضی اور غریب الحدیث پر ان کی تالیفات مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے مدون رسائل ہیں۔ شیخ بہت دین دار اور پرہیزگار تھے۔ آپ کا تقوی اور دین داری ضرب المثل تھی۔ اپنے دور کے مقبول ترین اور محبوب ترین شخص تھے۔ معاصر علماء نے آپ کے علم وفضل اور سیرت وکردار کا بھرپور اعتراف کیا ہے۔ (مقدمۃ جامع الاصول)

1.2 عز الدین ابن اثیر

ابوالحسن کنیت، عز الدین لقب اور علی نام ہے۔ ابن اثیر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ والد کا نام ابوالکرم محمد بن بن محمد بن عبدالکریم ہے۔ اس خاندان کی اصل نیشاپوری ہے۔ عز الدین ابن اثیر کی پیدائش جزیرہ ابن عمر میں ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ عز الدین، شیخ مجد الدین ابن اثیر کے چھوٹے بھائی ہے۔ عز الدین نے بغداد، دمشق، حلب اور موصل کے اکابر علماء اور شیوخ سے استفادہ کیا اور فراغت کے بعد علم وفضل میں کمال حاصل کیا۔ آپ

اپنے دور کے محدّث ،لغوی اور مؤرخ تھے۔ حافظ ذہبی نے آپ کو امام، علامہ، حافظ اور فخر العلماء کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ صحابہ کرام کے حالات اور ان کے انساب کے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے اسی لیے انہیں نسابہ (بہت زیادہ نسب جاننے والا) کہا جاتا تھا۔ عزالدین ابن اثیر کے گھر میں علماء اور فضلاء کا مجمع رہتا تھا جس کی وجہ سے ان کا گھر دار العلماء مشہور تھا۔ تواضع، کرم اور فضائل کے لیے آپ ضرب المثل تھے۔ آپ حکومت وقت کی طرف سے شام میں سفیر بھی رہے۔ آپ نے موصل کی مستقل تاریخ لکھنا شروع کیا تھا لیکن یہ تاریخ مکمل نہ ہو سکی۔ آپ نے مختلف موضوعات پر لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ جن کتابوں کے باعث آپ کی شہرت ہوئی ان میں ایک ''اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ'' ہے۔ اس کتاب میں آپ نے صحابہ کرام کے حالات ترتیب کے ساتھ قلم بند کئے ہیں۔ اس موضوع پر اس سے پہلے امام احمد بن حنبل اور امام ابن عبدالبر بنیادی کام کر چکے تھے۔ امام عزالدین نے سابقہ مصادر کو مدنظر رکھ کر اپنی کتاب مرتب کی۔ بعد میں اس موضوع پر جن علماء نے کام کیا انہوں نے اس کتاب کو بنیاد بنایا۔ مثلاً حافظ ابن حجر نے ''الاصابۃ'' میں اس کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے۔ آپ کی دوسری کتاب ''الکامل'' ہے۔ اس کا تعلق تاریخ سے ہے اور اسم با مسمّٰی ہے۔ تاریخ کے طلبہ اور اساتذہ اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ بہت مفید، وقیع اور متداول کتاب ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.3 حافظ ابن الصلاح

ابوعمرو کنیت، عثمان نام اور تقی الدین لقب ہے۔ والد کا نام عبدالرحمٰن بن عثمان بن موسیٰ ہے۔ ابوعمرو کے والد کا لقب صلاح الدین تھا جس کی طرف نسبت سے وہ ابن صلاح مشہور ہو گئے۔ ابن الصلاح نسلاً کردی تھے۔ شمالی عراق کے علاقہ اربل کے قصبہ شہرزور کے قریب ایک گاؤں شرخان میں ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے اس لیے کردی، شہرزوری اور شرخانی کہلاتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کے والد جلیل القدر، فقیہ اور امام شافعی کی فقہ میں متبحر تھے۔ اپنے دور کے مفتیٔ اعظم تھے۔ علم و فضل میں ان کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے فرزند ابن الصلاح کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ حافظ ابن الصلاح نے فقہ اور اصول فقہ میں اپنے والد سے استفادہ کیا۔ فقہ شافعی کے اہم مصادر کا بالالتزام مطالعہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے موصل کا سفر کیا۔ موصل کے علماء اور اساتذہ

سے آپ نے تفسیر، حدیث، لغۃ اور دیگر فنون حاصل کیے۔ اس کے بعد حافظ ابن الصلاح نے اس دور کے دستور کے مطابق علمی مراکز کا سفر کیا۔ آپ بغداد، شام، حلب، خراسان اور نیشاپور گئے اور وہاں کے شیوخ اور علمائے حدیث سے سماعت کی۔ مسلسل محنت اور اہتمام کی وجہ سے آپ نے علوم وفنون میں رسوخ حاصل کیا اور نامور علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ اپنے سفر کے اختتام پر آپ شام گئے اور یہیں قیام کیا۔ شام میں رہ کر آپ علوم کی اشاعت اور تالیف وتصنیف میں مشغول ہو گئے۔ یہاں آپ کے علم وفضل کی شہرت ہوگئی اور فقہ میں مہارت کی وجہ سے مفتی اور شیخ الاسلام کہلائے۔ حدیث اور علوم حدیث میں اعلیٰ صلاحیت اور تفوق رکھنے کی وجہ سے طلبہ اطراف واکناف سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بکثرت ان کے پاس آنے لگے۔ محدثین اور حفاظ بھی آپ سے استفادہ کرنے لگے۔ حدیث اور فنون حدیث میں کمال تبحر کی وجہ سے جب علماء کے حلقہ میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال ہوتا تو اس سے مراد حافظ ابن الصلاح ہی لیے جاتے تھے۔ اسی کی طرف حافظ عراقی نے اپنی الفیہ میں اشارہ کیا ہے:

وكلما اطلقت لفظ الشيخ ما
أريد إلا ابن الصلاح مبهما

''جب میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال کرتا ہوں تو اس ابہام سے میری مراد حافظ ابن الصلاح ہی ہوتے ہیں''۔

شیخ ابن الصلاح نے جس مدرسہ میں بحیثیت صدر تدریسی خدمات انجام دی تھیں ان مدارس کے نام یہ ہیں:

۱) مدرسہ ناصریہ: یہ مدرسہ ''القدس'' میں تھا جو ملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کی طرف منسوب تھا۔ یہاں شیخ ابن الصلاح نے مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

۲) مدرسہ رواحیہ: ''القدس'' سے جب آپ دمشق منتقل ہو گئے تو یہاں مدرسہ رواحیہ میں تدریس شروع کی۔ اس مدرسہ کو الزکی ابو جلب ہبۃ اللہ بن عبدالواحد بن رواحہ الحموی نے قائم کیا تھا۔ اس نے ایک دوسرا مدرسہ ''رواحیہ'' کے نام سے حلب میں بھی قائم کیا تھا۔

۳) دارالحدیث دمشق: ملک الاشرف ابن الملک العادل بن ایوب نے جب دمشق میں دارالحدیث قائم کیا تو

اس میں تدریس کے لیے حافظ ابن الصلاح کو منتخب کیا۔

۴) دارالحدیث دمشق میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے فرائض سرانجام دینے کے بعد آپ مدرسہ ست الشام زمرد خاتون بنت ایوب میں صدر مدرّس مقرر کئے گئے۔ یہ مدرسہ شہر کے وسط میں بیمارستان نور کے مقابل واقع تھا۔ زمرد خاتون شمس الدولہ توران شاہ بن ایوب کی بہن تھیں۔ اس خاتون نے ایک دوسرا مدرسہ دمشق کے بیرونی حصہ میں بھی قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کے احاطہ میں اس خاتون اور اس کے بھائی توران شاہ اور اس کے شوہر ناصر الدین بن اسد الدین والی حمص کی قبریں ہیں۔

ان تین مدارس میں حافظ ابن الصلاح نے اپنی تدریسی خدمات کی اعلیٰ صلاحیت کے جوہر دکھائے۔ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ''العبر'' میں لکھا ہے کہ شیخ ابن الصلاح نے مدرسہ رواحیہ اور دارالحدیث دمشق میں تیرہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ شیخ ابن الصلاح کی خدمات میں جو اکابر علماء اور فقہاء رہ کر مستفید ہوتے حافظ ذہبی نے ان کے نام لکھے ہیں ان میں شمس الدین عبدالرحمٰن بن نوح، کمال الدین اسحاق، تقی الدین ابن رزین وغیرہ داخل ہیں۔ شیخ ابن الصلاح نہایت دین دار، متقی، مخلص اور دنیا کی طلب سے بے نیاز واقع ہوئے تھے۔ اپنی علمی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کے لیے نہایت اچھے لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ ان کا قول ہے: علم حدیث نہایت مبارک اور باوقار علم ہے جو مکارمِ اخلاق اور اچھے محاسن کا مقتضی ہے۔ یہ دنیاوی علم نہیں ہے بلکہ آخرت کے علوم میں سے ہے جو شخص حدیث کی سماعت کا خواہش ہے اسے چاہئے کہ اخلاص اور صحتِ نیت کو مدنظر رکھے۔

شیخ ابن الصلاح ہمیشہ اپنے احباب اور متعلقین کو بھلائی اور خیر کے کام کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مقام مقبولیت سے نوازا تھا۔ عوم، خواص، امراء اور حکام سب آپ کی تعظیم اور تکریم کرتے تھے۔ شیخ ابن الصلاح کے شاگرد ابن خلکان کہتے ہیں کہ شیخ ابن الصلاح تفسیر، حدیث، فقہ، اسماء الرجال اور فنونِ حدیث میں فضلائے عصر سے تھے۔ متعدد علوم میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی ان کے فتاویٰ درست ہوتے تھے۔ وہ میرے اساتذہ میں سے ایک تھے۔ میں نے ان سے خوب استفادہ کیا۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں: تقی الدین ابو عمر ابن الصلاح امام، مفتی اور شیخ الاسلام تھے، وہ پر شوکت، بارعب اور خوش لباس تھے۔ سلطان اور امراء کے نزدیک شیخ عزت و وقار کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ امام ابو حفص ابن الحاجب کہتے ہیں کہ شیخ ابن الصلاح متقی، صاحب عقل و دانش تھے۔ اصول اور فروع میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ طلب علم میں وہ ضرب المثل تھے۔ عبادت اور اطاعت میں منہمک رہتے تھے۔

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب ''فتح المغیث'' کی ابتداء میں لکھا ہے کہ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن صلاح الدین، علامہ، فقیہ، امام، حجۃ، حافظ، مفتی عراق اور شیخ الاسلام تھے۔ دینی علوم میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ لغت میں انہیں بہت مہارت حاصل تھی۔ اپنے زمانے میں عدیم النظیر تھے۔ مخلوق خدا کو ان سے بہت فائدہ پہنچتا تھا اور آپ کی تصانیف پر سب کو اعتماد تھا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ شیخ ابن الصلاح کی وفات ۲۵ ربیع الثانی کو دمشق میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ سال تھی۔ ظہر کے بعد آپ کے جنازہ کی نماز جامع دمشق میں ادا کی گئی۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ شیخ ابن الصلاح کے جنازہ میں خلقت کا ہجوم تھا۔ جنازہ کو لوگ بڑھ بڑھ کر کندھا دیتے رہے۔ آپ کو باب النصر کے باہر مقابر صوفیہ میں دفن کیا گیا۔ شیخ ابن الصلاح کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱) طبقات الفقہاء الشافعیہ

۲) الآمالی

۳) فوائد رحلۃ (سفرنامہ)

۴) ادب المفتی والمستفتی

۵) صلۃ الناسک فی صفۃ المناسک

۶) شرح الوسیط فی فقہ الشافعی

۷) الفتاویٰ

۸) شرح صحیح مسلم

۹) المؤتلف والمختلف فی اسماء الرجال

۱۰) علوم الحدیث (مقدمۃ ابن الصلاح)

حافظ زین الدین عراقی کہتے ہیں کہ محدثین نے ''اصطلاح حدیث'' میں جتنی کتابیں لکھی ہیں ان سب میں سب سے مفید اور بہترین کتاب حافظ ابن الصلاح کا مقدمہ ہے۔

1.4 امام نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ)

ابوزکریا کنیت، محی الدین لقب اور یحییٰ نام ہے۔ والد کا نام شرف بن مری الحزامی ہے۔ مقام نویٰ کے رہنے والے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی اس نسبت سے ابوزکریا یحییٰ نووی مشہور ہوئے۔ آپ اپنے دور کے امام حافظ حدیث، شیخ الاسلام اور یکتائے روزگار تھے۔ محرم ۶۳۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور رجب ۶۷۶ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ ۶۴۹ھ میں آپ نے دمشق کا سفر کیا۔ یہاں آ کر ''رواحیہ'' میں قیام کیا۔ اور یہاں کے علماء ومشائخ سے استفادہ کیا۔ آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ ساڑھے چار ماہ میں کتاب التنبیہ زبانی یاد کر لی اور کتاب المہذب کا چوتھائی حصہ پڑھ کر حفظ کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے حج کا ارادہ کر لیا۔ حج سے فارغ ہو جانے کے بعد آپ ڈیڑھ ماہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ شیخ ابوالحسن عطار کہتے ہیں کہ مجھ سے امام نووی نے بیان کیا کہ میں اپنے اساتذہ سے بارہ سبق پڑھتا تھا اور مشکل الفاظ کو معانی اور مطالب کے ساتھ اور لغوی الفاظ کو ضبط اعراب کے ساتھ لکھ لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اوقات میں برکت دی۔ ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ طب کا مطالعہ بھی کروں۔ میں نے قانون شیخ کا مطالعہ شروع کیا اور پورے انہماک کے ساتھ اس کو پڑھنے لگا مگر اس سے میرے دل میں تاریکی پیدا ہوگئی اور اضطراب کی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ دھیرے دھیرے مجھ سے مطالعہ چھوٹ گیا۔ بالآخر میں نے قانون شیخ کا نسخہ بیچ دیا۔ اور طب کا مطالعہ بالکل ترک کر دیا۔ شیخ ابوالحسن العطار کہتے ہیں کہ امام نووی شب وروز میں کسی وقت بھی بے کار نہیں رہتے تھے۔ راستہ چلتے ہوئے بھی پڑھتے جاتے تھے۔ آپ نے چھ سال تک مسلسل مطالعہ کیا اس کے بعد تالیف وتصنیف میں مشغول ہو گئے۔

امام نووی عبادت اور اذکار میں برابر مشغول رہتے تھے۔ بہت ہی سادہ زندگی اختیار کی تھی۔ خورد ونوش بقدر ضرورت تھا لباس بھی بہت کم درجہ کا ہوتا تھا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ شیخ رشید ابن معلم نے نووی کو ملامت کیا کہ تم حمام میں نہیں جاتے ہو۔ کھانا پینا نہایت معمولی ہے اور لباس بھی ادنیٰ درجہ کا پہنتے ہو تو ایسی حالت میں تم بیمار ہو جاؤ گے اور جو کچھ دینی خدمت کر رہے ہو وہ نہیں کر سکو گے۔ امام نووی نے جواب دیا: ...... عبداللہ بن عمرو بن العاص اتنے روزے رکھتے تھے کہ ان کا بدن نیلا پڑ گیا تھا میرا بدن تو الحمد للہ ٹھیک ہے۔

میں ضرورت کے مطابق کھاتا پیتا ہوں اور لباس پہنتا ہوں۔ امام نووی پھل اور کھیرے وغیرہ نہیں کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان چیزوں کے کھانے سے جسم میں رطوبت پیدا ہوتی ہے اور نیند بہت آنے لگتی ہے۔ آپ دن رات میں صرف ایک ہی دفعہ صبح کے وقت کھانا کھاتے تھے۔ ٦٦٥ھ میں آپ کو دارالحدیث کے ''شیخ'' کی حیثیت عطا کی گئی۔ شیخ شمس الدین حنبلی کہتے ہیں کہ امام نووی امام کامل، حافظ حدیث، صاحب اتقان اور تمام علوم میں پختہ تھے۔ آپ نے تمام مرغوب اشیاء کو ترک کر دیا تھا۔

شیخ قطب الدین یونینی کہتے ہیں کہ امام نووی علم، تقویٰ، عبادت، ریاضت میں یکتائے زمانہ تھے۔ ان کی زندگی سادہ تھی۔ آپ لوگوں کو نیکیوں کی ہدایت کرتے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ آپ امراء اور حکام کے پاس تبلیغ اور تلقین کے لیے جاتے تھے اور اللہ جل شانہ کے خوف سے ان کو ڈراتے تھے۔ امام نووی بیت المقدس گئے اور زیارت کر کے واپس ''نویٰ'' کا سفر کیا۔ نویٰ پہنچنے کے بعد آپ بیمار ہو گئے اور اس حد تک بیمار رہے کہ پھر جانبر نہ ہو سکے۔ امام نووی نے زندگی بھر لکھا اور خوب لکھا۔ آپ کی تالیفات میں صحیح مسلم کی شرح بہت مشہور ہے اور شروع سے متداول ہے اس کے علاوہ ریاض الصالحین، الاذکار، الاربعین، الارشاد، التقریب، کتاب المبہمات، الایضاح، المناسک، التبیان، الروضۃ اور شرح المہذب ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تذکرۃ الحفاظ از حافظ ذہبی)

خود آزمائی ①

۱- حافظ مجد الدین ابن الاثیر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ آپ کی مشہور ترین تالیفات پر ایک نوٹ تحریر کیجئے۔

۲- حافظ عز الدین الجزری بحیثیت مؤرخ مشہور ہیں۔ حدیث کے لٹریچر میں ان کی خدمات کا جائزہ لیجئے۔

۳- حافظ ابن الصلاح کے مقدمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بعد کے مؤلفین نے اس کو بنیاد بنا کر تالیفات کیں۔ اس مقدمہ کی اہمیت اور افادیت کی وضاحت کیجئے۔

۴- امام نووی کا تعلق کس دور سے رہا؟ امام نووی کی اہم تالیفات کا اجمالی خاکہ پیش کیجئے۔

1.5 حافظ ابن دقیق العید (۶۳۳-۷۰۲ھ)

ابوالفتح کنیت، تقی الدین لقب، محمد نام ہے۔ ابن دقیق العید کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام علی بن وھب بن مطیع قشیری منفلوطی صعیدی ہے۔ حافظ ذہبی نے ابن دقیق العید کو امام، فقیہ، مجتہد، محدث، حافظ، علامہ اور شیخ الاسلام کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ شافعی مذہب کے اصول اور جزئیات پر آپ کو عبور تھا۔ شعبان ۶۳۳ھ میں حجاز کے قصبہ ینبوع کے قریب ایک بستی میں آپ کی پیدائش ہوئی اور صفر ۷۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن دقیق العید کی تالیفات میں شرح عمدۃ اور کتاب الامام فی الاحکام کو شہرت حاصل رہی۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے ابن دقیق العید سے سب روایات براہ راست سنی ہیں۔ ایک حدیث کا انہوں نے مجھے املا کرایا تھا۔ اصول اور معقول میں آپ کو ید طولی حاصل تھا اور منقول کے علل میں بڑی بصیرت رکھتے تھے آپ دیارِ مصریہ میں منصبِ قضا پر کئی سال تک فائز رہے تھے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ حافظ قطب الدین حلبی کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اہل زمانہ کے امام تھے علم اور زہد میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔ دونوں مذاہب (مالکی اور شافعی) سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان دونوں کے اصول کے امام تھے۔ حافظِ حدیث، صاحبِ اتقان اور مہارت علوم میں ضرب المثل تھے۔ حافظہ قوی تھا، ہمیشہ ذکر وفکر میں مشغول رہتے تھے۔ شب بیدار تھے، تلاوتِ قرآن، ذکر اوراد اور تہجد میں رات گزار دیتے اور تمام اوقات میں یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آنکھوں نے ان کی جیسی ہستی ان کے زمانے میں نہیں دیکھی ہے۔ حافظ ابن دقیق العید منصبِ قضا پر بار بار فائز کئے جاتے اور کچھ دنوں کے بعد استعفیٰ دے دیتے تھے۔ سلطان حسام الدین سے جب وہ ملنے گئے تو وہ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شیخ اپنے طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے اور ان کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک اور رویہ رکھتے تھے۔ شیخ کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ نہایت پرسکون اور پروقار زندگی انہوں نے بسر کی۔ آپ کو اللہ جل شانہ نے جہاں علم وفضل سے نوازا تھا وہاں عقل وبصیرت اور ذکاوت وفطانت کی نعمت بھی عطا فرمائی تھی۔

1.6 حافظ جمال الدین مزّی (۶۵۴ھ-۷۴۲ھ)

ابوالحجاج کنیت، یوسف نام، جمال الدین لقب ہے۔ والد کا نام الزکی عبدالرحمٰن بن یوسف القضاعی

الکلبی ہے۔ حافظ مزّی ۶۵۴ھ میں شہر حلب کے بیرونی حصہ کی ایک بستی میں پیدا ہوئے اور ''المزّہ'' میں نشوونما پائی۔ اس لیے مزّی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ حافظ مزّی شافعی مذہب کے اصول اور فروع میں مہارت کے لیے مشہور تھے۔ حافظ حدیث، حافظِ قرآن اور محدّثِ شام کہے جاتے تھے۔ حرمین شریفین، حلب، حماۃ اور بعلبک کے شہر سے آپ نے استفادہ کیا۔ نہایت خوشخط تھے۔ عربی ادب کا گہرا اور وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور علم رجال کے علمبردار تھے۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ فن رجال میں حافظ مزّی اس قدر معلومات رکھتے تھے کہ آنکھوں نے ان کے جیسے آدمی کونہیں دیکھا ہے۔ فن رجال میں آپ کی تصنیف ''تہذیب الکمال'' بڑے پایہ کی کتاب ہے جو دوسو اجزاء پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب ''اطراف'' ہے جو اطراف مزّی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اسی (۸۰) سے زیادہ اجزا پر مشتمل ہے۔ مختلف مقامات کے علمی حلقوں اور درسگاہوں سے آپ نے استفادہ کیا۔ اور اپنے دور کے اہم مراکز میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ الدار الاشرفیہ میں ایک عرصہ تک آپ عوام اور خواص کا مرجع رہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ شیخ مزّی ثقہ، حجت، صاحب علم، بہترین اخلاق کے حامل، متواضع، حلیم، کم گو اور زیادہ خاموش رہنے والے انسان تھے۔ اکل وشرب اور لباس میں اعتدال کے پابند تھے۔ لوگوں کے مصالح اور خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ سماع حدیث میں شیخ ابن تیمیہ کے رفیق تھے۔ فقہ میں طریقہ سلف کے حامل تھے۔ معقولات اور ماوراء معقولات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ شیخ مزّی میرے استاد تھے۔ معقولات میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ خوب بحث ومباحثہ کرتے تھے۔

شیخ مزّی کا میلان تصوف کی طرف تھا۔ اس لیے آپ اپنا زیادہ تر وقت عبادت اور ریاضت میں گذراتے تھے۔ تنہائی اور سکوت آپ کو مرغوب تھی۔ ۷۴۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

1.7 حافظ ابن تیمیہ (۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ)

ابو العباس کنیت، تقی الدین لقب، احمد نام اور ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام مفتی شہاب الدین عبدالحلیم ابن امام مجد الدین عبدالسلام بن عبداللہ بن ابو القاسم الحرانی ہے۔ حافظ ذہبی نے ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام، علامہ، حافظ، ناقد، مفسر، مجتہد، علم الزہاد، نادرۃ العصر کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ربیع الاول کے مہینہ میں

۶۶۱ھ کو آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے اپنے دور کے بیشتر مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے استفادہ کیا۔ آپ نے مختلف علوم اور فنون میں مہارت حاصل کی لیکن آپ کا طبعی اور فطری میلان حدیث کی طرف تھا۔ اس لیے رجال، علل حدیث اور فقہ حدیث پر آپ نے خاص توجہ دی۔

حافظ ابن تیمیہ علم کے دریا تھے۔ اذکیاء میں ان کا شمار تھا۔ زاہد اور عابد تھے۔ بہادر اور حق گو تھے۔ کریم النفس اور سخی تھے۔ آپ کے موافقین اور مخالفین سب ہی آپ کے مداح تھے۔ آپ کا تعلق جہاں تدریس وتعلیم کے ساتھ رہا وہاں قلم وقرطاس کے ساتھ بھی آپ کا رشتہ تسلسل کے ساتھ قائم رہا۔ آپ کی تالیفات کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ لوگ آپ کی کتابیں سفر میں اپنے پاس رکھتے تھے۔ دمشق اور مصر میں آپ کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد رہی۔ کئی بار آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور مصر، قاہرہ، اور اسکندریہ کے قلعوں میں قید کئے گئے۔ قلعۂ دمشق میں دو بار قید میں رکھے گئے اور اسی قلعۂ دمشق میں بحالتِ قید ۲۰ ذوالقعدۃ ۷۲۸ھ میں وفات پائی اور اپنے بھائی شرف الدین عبدالقادر کے پہلو میں مقابر صوفیہ میں دفن کئے گئے۔ آپ اپنے فتاویٰ میں منفرد واقع ہوئے تھے اور انہی فتاویٰ کی وجہ سے آزمائش اور قید میں بند کئے جاتے تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے ان جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔

1.8 حافظ ذہبی (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ)

ابوعبداللہ کنیت، محمد نام، شمس الدین لقب ہے۔ ذہبی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ والد کا نام احمد بن عثمان ہے۔ حافظ ذہبی اپنے دور کے امام، حافظِ حدیث، مؤرخ اور صاحبِ تصانیف تھے۔ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ حافظ ذہبی ثقہ، حجت اور صاحبِ اتقان تھے۔ حافظ ذہبی ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۴۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حافظ ذہبی نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بہت کچھ یادگار چھوڑا ہے۔

آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں:

۱) تاریخ اسلام

۲) تذکرۃ الحفاظ

۳) میزان الاعتدال
۴) تجرید اسماء الصحابہ
۵) میزان الاعتدال
۶) تجرید اسماء الصحابۃ
۷) تذہیب تہذیب الکمال
۸) المشتبہ فی اسماء الرجال

حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ چار جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن میں طبع ہوئی۔ حافظ ذہبی نے اس کتاب میں مشہور صحابہ کرام، تابعین اور پہلی صدی سے آٹھویں صدی کے وسط تک جتنے مشہور محدثین اور حفاظِ حدیث گذرے ہیں ان کے حالات، سال ولادت اور سال وفات، ان کے شیوخ اور تلامذہ کے نام تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اور محدثین کو طبقات پر تقسیم کر کے ہر طبقہ کے حالات ترتیب وار قلم بند کئے ہیں۔ چوتھی جلد کے آخر میں حافظ ذہبی نے اپنے شیوخ کے نام مختصر حالات کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ آپ کی ساری تالیفات کو قبول عام حاصل ہوا لیکن تذکرۃ الحفاظ اپنی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے سب سے زیادہ مقبول اور متداول ہے۔

خود آزمائی ②

۱- حافظ ابن دقیق العید کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ان کے احوال و آثار پر گفتگو کیجئے۔
۲- حافظ جمال الدین مزی نے علوم حدیث کے کس فن پر زیادہ توجہ دی؟ اس بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجئے۔
۳- حافظ ابن تیمیہ کا سوانحی خاکہ پیش کرتے ہوئے ان کی تالیفی خدمات پر ایک جامع نوٹ تحریر کریں۔
۴- حافظ ذہبی کی تالیفات میں جس کتاب کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اس کی نشاندہی کرتے ہوئے حافظ ذہبی کے علمی مقام پر تبصرہ کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی

۲) تقیید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش

۳) الجرح والتعدیل از امام ابن ابی حاتم رازی

۴) حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم الأصبهانی

۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی

۶) التاریخ الکبیر للامام البخاری

۷) الکامل لابن اثیر الجزری

۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر

۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری

۱۰) تاریخ الأمم والملوک لابن جریر الطبری

۱۱) الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر الکتانی

۱۲) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی

۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب

۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد

۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبداللطیف

۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی

۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد محمد ابوزہرۃ

۲۰) ضحیٰ الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ⑦

طبقاتِ رُواۃِ حدیث

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں ۔ اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم پہلو ''طبقات رواۃ حدیث'' سے ہے ۔ علماء رجال نے رواۃ حدیث کو کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے ۔ اس تقسیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہر راویٔ حدیث کا طبقہ متعین کیا جائے اور اسے اسی طبقہ کی طرف منسوب کیا جائے ۔ تا کہ پڑھنے والا با آسانی سمجھ سکے کہ راوی کی حیثیت کیا ہے اور اس کا دور کون سا ہے علماء حدیث نے رواۃ حدیث کو دو (۲) قسم کے طبقات میں تقسیم کیا ہے ۔ ایک با عتبار صحت اور دوسرے باعتبار تاریخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دور تدوین تک کے رواۃ حدیث کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے ۔ اور اسی تقسیم کو اب تداول اور رواج حاصل ہے ۔ حدیث کے طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان طبقات اور ان کی تفصیل سے واقف ہوں تا کہ دوران مطالعہ وہ رواۃ کے بارے میں الجھن محسوس نہ کریں ۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث پر بنیادی مواد جمع کیا جائے اور اسے عام فہم زبان میں پیش کیا جائے ۔ یونٹ کے ابتدائی حصہ میں طبقات ابن سعد کا تعارف کرایا گیا ہے ۔ طبقات ابن سعد بہت ہی مفید اور دلچسپ کتاب ہے ۔ اس کتاب کے ذریعہ سے آپ صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کا اس حوالہ سے مطالعہ کر سکتے ہیں کہ یہ حضرات کہاں کہاں پیدا ہوئے ، کن کن علاقوں کا سفر کیا ۔ اور ان کے ذریعہ حدیث وسنت کی روایات کس طرح پھیلیں ۔ اس یونٹ میں ان صحابہ کرام کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے جن کی روایات مصادر حدیث میں بکثرت وراد ہوئی ہیں ۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین میں سے چندان حضرات کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے جن کی خدمات علم حدیث کی اشاعت وترویج میں مسلم ہیں آپ اس یونٹ کا مطالعہ کریں ۔ اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں ۔ امید ہے کہ آپ اسے مفید پائیں گے ۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- طبقات رواۃ حدیث کے بارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔
- طبقات ابن سعد کے مآخذ، مندرجات اور اسلوب و انداز کے ہر پہلو سے وضاحت کر سکیں۔
- صحابی کی تعریف، عدالت صحابہ اور صحابہ کرامؓ کی تعداد پر روشنی ڈال سکیں۔
- کثیر الروایۃ صحابہ کی فہرست تیار کر سکیں۔ اور ان میں ہر ایک صحابی کا اختصار کے ساتھ تعارف کر سکیں۔
- تابعین کبار کے احوال و آثار پر تبصرہ کر سکیں۔
- اتباع تابعین میں سے چند اہم رواۃ حدیث کے اساتذہ، تلامذہ اور علمی خدمات کا جائزہ پیش کر سکیں۔

① طبقاتِ رُواۃِ حدیث

علمائے حدیث نے رُواۃِ حدیث کو دو اعتبار سے طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ ایک باعتبار صحت اور دوسرے باعتبار تاریخ۔ اس یونٹ میں طبقاتِ رواۃ حدیث باعتبار تاریخ سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ طبقاتِ رواۃ سے متعلق تصانیف حدیث نبوی ﷺ سے متفرع ہونے والی اوّلین اسلامی ثقافت کی ایک نوع ہیں۔ ان کے ذریعہ ہم رُواۃِ حدیث کے احوال وسوانح اور مختلف ادوار وطبقات سے روشناس ہوتے ہیں۔ اس یونٹ میں آپ اس حوالہ سے مطالعہ کریں گے کہ طبقات سے آگاہی حاصل کرنا کس حد تک ضروری ہے؟ نیز یہ کہ طبقات کے بنیادی مأخذ ومصادر کیا ہیں۔ اور کن لوگوں نے تاریخ کی اس خاص تنقیدی فن میں دلچسپی اور اس پر کام کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

طبقاتِ رُواۃ حدیث کا ذکر آتے ہی طبقات ابن سعد کا نام ذہن میں آتا ہے۔ اس لیے کہ طبقات ابن سعد اس فن کی بنیادی اور اہم ترین کتاب ہے۔ ذیل میں اس کتاب کا اختصار کے ساتھ تعارف کرایا جاتا ہے۔

1.1 ابنِ سعد

آپ کا نام محمد بن سعد بن منیع زہری ہے کیونکہ آپ بنو زہرہ کے موالی میں سے تھے۔ آپ کے دادا حسین بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس ہاشمی کے موالی تھے۔ ۱۶۸ھ میں بمقام بصرہ آپ کی ولادت ہوئی۔ طلب علم میں مدینہ، کوفہ اور بغداد کی سیاحت کی۔ آپ نے مدینہ منورہ کے اہم اور معروف ومشہور شیوخ سے بھرپور استفادہ کیا۔ ابن سعد جب بغداد تک پہنچے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ۲۳۰ھ میں بغداد ہی میں وفات پائی۔ بغداد پہنچ کر آپ علامہ واقدی کے حلقہ سے منسلک ہو گئے اور مسلسل ان کے ساتھ رہے۔ ابن سعد واقدی کی کتابیں لکھتے رہے حتیٰ کہ ''کاتب الواقدی'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابن سعد کی طرف تین کتابیں منسوب کی جاتی ہیں:

۱) الطبقات الکبریٰ

۲) الطبقات الصغیر

۳) اخبار النبی ﷺ

یہ تینوں کتابیں دراصل ایک ہی ہیں اس لیے کہ ''الطبقات الصغیر'' اور کتاب ''اخبار النبی ﷺ'' کے مندرجات الطبقات الکبریٰ کی ابتدائی جلدوں میں شامل ہیں۔

1.2 ابن سعد کے مآخذ

طبقات ابن سعد کے مصادر کی دو قسمیں ہیں:

۱) بالمشافہ اور براہِ راست روایات جو آپ نے اپنے شیوخ واساتذہ سے حاصل کیں۔

۲) مخطوطات: وہ کتابیں جو آپ نے مختلف مراکز، علمی حلقوں اور علماء سے حاصل کیں۔

ابن سعد نے زیادہ تر ان روایات پر اعتماد کیا ہے جو براہِ راست شیوخ واساتذہ سے سنیں۔ اس طرح ابن سعد نے اپنے استاد واقدی سے وہ روایات براہِ راست سنی تھیں جو واقدی نے اپنی کتاب میں ذکر کی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض روایتیں واقدی کی کتاب سے بھی اخذ کی تھیں۔

1.3 طبقات ابن سعد کے اہم مندرجات

طبقات ابن سعد ایک ضخیم اور علمی مواد سے بھرپور کتاب ہے۔ ابن سعد نے اپنی اس تالیف میں ان محدثین، مؤرخین اور ماہر انساب علماء کے حالات قلم بند کئے ہیں جو عہدِ رسالت وصحابہ وتابعین اور خود ان کے دور میں بقیدِ حیات تھے۔ طبقات کی روایت ابن سعد کے شاگرد حارث بن ابی اسامہ نے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طبقات میں کہیں کہیں اس قسم کی عبارت ملتی ہے: ''یہ روایت ہمیں محمد بن سعد نے سنائی''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کا راوی ابن سعد نہیں بلکہ ان کا شاگرد ہے۔ ابن سعد اکثر اخبار وواقعات کو باریک بینی کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر ان پر تبصرہ کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ روایات حارث بن ابی اسامہ نے نقل کی ہیں۔ بذاتِ خود ابن سعد کی بیان کردہ نہیں ہیں۔

کتاب کا کچھ حصہ ابن سعد کے شاگرد حسین بن فہم کی روایت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ گویا ان دونوں شاگردوں نے مل کر طبقات ابن سعد کو روایت کیا ہے۔

طبقات ابن سعد کی پہلی دو جلدیں سیرتِ رسول ﷺ سے متعلق ہیں۔ تقدیم کے طور پر ابن سعد نے رسول اکرم ﷺ کے ان آباء واجداد کا بھی ذکر کیا ہے جو انبیاء علیہم السلام میں سے تھے۔ اور اس کے پہلو بہ پہلو۔ حوا، ادریس، نوح، ابراہیم، اسماعیل اور حضرت آدم وحضرت محمد ﷺ کے درمیانی صدیوں اور سالوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن سعد نے حضرات انبیاء کے اسماء وانساب، رسول اللہ ﷺ کے اجداد مثلاً قصی وعبد مناف وہاشم وعبدالمطلب نیز آپ ﷺ کے والد اور والدہ کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد آپ نے بعثت نبوی ﷺ، نزولِ وحی، ہجرت، اور ایک ایک کر کے آپ ﷺ کے تمام غزوات اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کا ذکر کیا ہے۔ پھر عہد رسالت میں مفتیانِ مدینہ اور دیگر صحابہ وتابعین کے سیر وسوانح سے طبقات کے باقی ماندہ اجزاء کو بھر دیا ہے۔ طبقات کی آخری جلد میں خواتین کا تذکرہ ہے۔

1.4 طبقات ابن سعد کا اسلوب وانداز

طبقات میں تاریخی ترتیب کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ابنِ سعد کو اس بارے میں پورا ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے تاریخی ترتیب میں تقدّم فی الاسلام کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور اس اعتبار سے مہاجرین حبشہ، بدری صحابہ یا فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا ذکر کیا ہے۔ اس ترتیب کے پیش نظر آپ پہلے بدری مہاجرین، پھر بدری انصار، اور پھر ان صحابہ کا ذکر کرتے ہیں جو غزوۂ بدر سے پہلے اسلام لا چکے تھے مگر اس میں شرکت کرنے سے قاصر رہے۔ کیونکہ وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ ان میں سے بعض کو بدر میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل بھی ہوئی۔ پھر فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد کا یہ طرزِ عمل عمر فاروقؓ کے طریق کار سے ملتا جلتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ناموں کی فہرست مرتب کی تھی۔ ترتیبِ زمانی کے پہلو بہ پہلو ابن سعد نے علاقہ کی اہمیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان بلاد وامصار کے لحاظ سے صحابہؓ کرام کی فہرست مرتب کی ہے جن میں وہ رہائش پذیر تھے۔ اس سلسلہ میں ابن سعد نے علیحدہ علیحدہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ،

طائف، یمن، یمامہ، کوفہ، بصرہ اور شام ومصر میں قیام کرنے والے صحابہؓ کا تذکرہ کیا ہے۔ طبقات تابعین کا ذکر کرتے ہوئے بھی ابن سعد نے ترتیب زمانی ومکانی کا خیال رکھا ہے اور اسی ترتیب کے پیش نظر تابعین کا تعارف کرایا ہے۔ ایک طبقہ کی مدت (دور) قول راجح کے مطابق ابن سعد کے نزدیک بیس سال ہے۔ اکثر علمائے حدیث نے صحابہؓ کرام کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

۱- بدری مہاجرین: وہ مہاجر صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

۲- بدری انصار: وہ انصار جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

۳- وہ صحابہ جو ابتدائی دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اہل مکہ کے رویہ اور حالات کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ نیز وہ صحابہ جو غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔

۴- وہ صحابہؓ جو فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۵- وہ صحابہ کرام جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

② رواۃ حدیث کے طبقات
اور ان کی اصطلاحی تقسیم

اس بات پر علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ طبقہ کا اطلاق ان رواۃ پر کیا جاتا ہے جن کی عمر ملتی جلتی ہو اور وہ شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کرنے میں باہم یکساں ہو۔ جب علمائے حدیث نے رُواۃ حدیث کو طبقات میں تقسیم کیا تو یہ تقسیم ایک اصطلاح کی حیثیت اختیار کر گئی۔ چنانچہ بعض علماء رجال نے صحابہ کو پہلا طبقہ، تابعین کو دوسرا طبقہ، اور تبع تابعین کو تیسرا طبقہ قرار دیا۔ اس تقسیم کی بنیاد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"خير القرون قرنی، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" (رواه البخاری ومسلم عن عمران بن حصين)

"سب سے بہتر اور بڑ[illegible] میرا دور ہے۔ اس کے بعد وہ جو لوگ میرے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے"۔

رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں عہدِ رسالت کے بعد دو یا تین ادوار کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے صحابہ کرام کو کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے اور تابعین و تبع تابعین کو بھی مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

2.1 حافظ ابن حجر عسقلانی کی تقسیم

حافظ ابن حجر عسقلانی نے عہدِ صحابہ سے لے کر دورِ روایت کے آخر (تیسری صدی ہجری) تک رُواۃ حدیث کے طبقات کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ نے رواۃ حدیث کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ طبقات درج ذیل ہیں:

۱- پہلا طبقہ: اس طبقہ میں سارے صحابہ آتے ہیں۔ خواہ کبار ہوں یا صغار ہوں۔

۲- دوسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ ملاقات کی ہو اور ان سے استفادہ کیا ہو۔ مثلاً سعید بن المسیب وغیرہ۔

۳- تیسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات صحابہ کرام سے ہوئی ہو۔ لیکن دوسرے طبقہ کے مقابلہ میں کم ہوئی ہو۔ انہیں اصطلاحاً ''الطبقۃ الوسطیٰ من التابعین'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً امام حسن اور امام ابن سیرین وغیرہ۔

۴- چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی بیشتر روایات کبار تابعین سے ہوں۔ اس طبقہ کو اصطلاح میں ''طبقۃ التابعین بعد الوسطیٰ'' کہا جاتا ہے۔

۵- پانچواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات بہت کم صحابہ سے ہوئی۔ اور جن کی ساری روایات تابعین سے ہیں۔ اصطلاح میں اس طبقہ کو ''طبقۃ الصغریٰ من التابعین'' کہا جاتا ہے۔

۶- چھٹا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین شمار ہوتے ہیں جن کی ملاقات صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہوئی البتہ ان کے دور میں صحابہ کرام کا وجود رہا۔ اصطلاح میں یہ طبقہ ''طبقۂ اخیرہ'' کہلاتا ہے۔ مثلاً ابن جریج وغیرہ۔

۷- ساتواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تبع تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات تابعین کی بہت بڑی جماعت سے ثابت ہو اور ان کی ساری روایات کبار تابعین سے ہوں۔ مثلاً مالک بن انس اور سفیان ثوری۔

۸- آٹھواں طبقہ: یہ طبقہ ان تبع تابعین پر مشتمل ہے جن کی ملاقات تابعین سے ثابت ہو۔ لیکن استفادہ کے لحاظ سے ساتویں طبقہ کی نسبت کمزور ہوں۔

۹- نواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تبع تابعین آتے ہیں۔ جن کی بیشتر روایات کبار تبع تابعین سے ہوں۔ مثلاً امام شافعی اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ۔

۱۰- دسواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ حضرات آتے ہیں جو تبع تابعین کے بعد آئے۔ اصطلاح میں ان کو ''آخذین'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً امام احمد بن محمد بن حنبل وغیرہ۔

۱۱- اس طبقہ میں وہ آخذین آتے ہیں جن کی ملاقات تبع تابعین سے ہوئی لیکن روایات آخذین کبار سے بھی حاصل کیں۔ مثلاً امام ذہلی اور امام بخاری وغیرہ۔

۱۲- اس طبقہ میں وہ آخذین آتے ہیں جن کی زیادہ تر روایات آخذین میں کبار سے ہیں۔ مثلاً امام ترمذی وغیرہ۔

ان بارہ طبقات کو ہم مندرجہ ذیل چارٹ کے ذریعہ زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں:

۱-صحابہ	۱
۲-تابعین	۵
۳-تبع تابعین	۳
۴-آخذین	۳
کل:	۱۲

ذیل میں ان طبقات سے متعلق اہم مباحث پر اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ آپ اس حصہ کا بہت غور سے مطالعہ کریں۔

③ طبقۂ صحابہؓ

3.1 صحابیؓ کی تعریف

''صحابی'' اس شخص کو کہتے ہیں جو حالتِ ایمانی میں نبی کریم ﷺ سے ملا ہو، اور اسلام ہی پر اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ اس تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابی کے لیے رسول کریم ﷺ کی ملاقات شرط ہے۔ اگر چہ تھوڑی دیر کے لیے ہوئی ہو۔ (الکفایۃ فی علم الروایۃ :ص ۵۱)

امام نووی اور حافظ عراقی کہتے ہیں کہ جو بچہ بات سمجھتا ہو اور جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اس کو صحابی کہہ سکتے ہیں مثلاً حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، اور محمود بن الربیع وغیرہ۔

علماء نے وضاحت کی ہے کہ جب کسی شخص میں مندرجہ ذیل میں سے کوئی خصوصیت پائی جاتی ہو تو اس کو ''صحابی'' کہہ سکتے ہیں۔ ان میں سے اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱) جس شخص کے بارے میں تواتر سے معلوم ہو کہ وہ صحابی ہے مثلاً حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا صحابہ ہونا۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

سیّدنا ابو بکر صدیقؓ، سیّدنا عمر فاروقؓ، سیّدنا عثمانؓ، سیّدنا علیؓ، سیّدنا سعدؓ بن ابی وقاص، سیّدنا سعید بن زیدؓ، سیّدنا طلحہ بن عبید اللہؓ، سیّدنا زبیر بن عوامؓ، سیّدنا عبد الرحمٰن بن عوفؓ، سیّدنا ابو عبیدہ عامرؓ بن الجراحؓ۔

۲) جس شخص کا صحابی ہونا مشہور ہو اگر چہ تواتر کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ مثلاً ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن وغیرہ۔

۳) کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے۔ جیسے ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا تھا کہ حممہ بن ابی حممہ دوسی صحابی ہے۔

۴) کوئی امانت و دیانت میں معروف شخص ایسے زمانہ تک صحابی ہونے کا دعویٰ دار ہو جب اس کے

صحابی ہونے کا امکان بھی ہو۔علماء نے یہ زمانہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک مقرر کیا ہے۔
صحبت رسول ﷺ کے اثبات کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ قبیلۂ اوس وخزرج کے سب لوگ عہد رسالت میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اس لیے ان میں سے جس کو بھی رسول اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا وہ صحابی ہے۔اسی طرح ہجرت کے دسویں سال مدینہ اور طائف کے جولوگ مشرف بہ اسلام ہوکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے وہ سب صحابی ہیں۔غزوات میں آپ نے صرف ان لوگوں کو امیر بنایا تھا جو صحبت کا شرف حاصل کر چکے تھے اس لیے غزوات کے تمام قائدین صحابہ میں شامل تھے۔

3.2 عدالتِ صحابہؓ

حافظ ابن الصلاح، حافظ ابن عبدالبر، اور امام نوویؒ نے تمام صحابہؓ کی عدالت پر اجماع نقل کیا ہے۔
قرآن وحدیث میں بھی صحابہؓ کی فضیلت اور عدالت بتائی گئی ہے۔اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿کنتم خیر أمةً أخرجت للناس﴾ (آل عمران: ١١٠)

''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے چنا گیا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وكذٰلک جعلناكم امّةً وسطاً لتكونوا شهدآء على النّاس﴾ (البقرة: ١٤٣)

''اور اسی طرح تم کو متوازن امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو''۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''وہ شخص خوش قسمت ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا''۔

اور فرمایا:

''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے''۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

''میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں ہدفِ تنقید نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری وجہ سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے عداوت رکھنے کی بناء پر ان سے بغض رکھا۔ جس نے ان کو دکھ دیا، اس نے مجھے دکھ دیا۔ اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ جل شانہ کو دکھ پہنچایا کچھ بعید نہیں کہ وہ اسے پکڑ لے''۔ (المختصر فی علم رجال الاثر: ص۲۲)

3.3 صحابہ کرامؓ کی تعداد

چونکہ صحابہ مختلف بلاد وامصار میں پھیل گئے تھے اس لیے ان کا شمار دشوار ہے۔ حافظ ابوزرعہ کہتے ہیں:

''سرورِ کائنات ﷺ کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہؓ موجود تھے۔ عصرِ صحابہ کا اختتام اس وقت ہوا جب آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی کنانی نے ۱۰۰ھ میں وفات پائی''۔ (تلقیح فہوم اہل الاثر لابن الجوزی: ص۱۸۴)

صحابہ کرامؓ میں سے جس کی مرویات ایک ہزار سے زائد ہوں اسے اصطلاح میں کثیر الروایۃ کہا جاتا ہے۔ اس زمرہ میں جو صحابہؓ آتے ہیں ان کے نام اور مرویات کی تعداد درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرۃؓ	۵،۳۷۴
۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۲،۶۳۰
۳۔ حضرت انس بن مالکؓ	۲،۲۸۶
۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲،۲۱۰
۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۱،۶۶۰

٦ - حضرت جابر بن عبداللہؓ .... ١،٥٤٠

٧- حضرت ابوسعید خدریؓ .... ١،١٧٠

حافظ ابن سعد نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں صحابہؓ کرام کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ بعض علماء نے زیادہ تفصیل وتوضیح سے کام لے کر سبقت اسلام، ہجرت، اور غزوات میں شرکت کے اعتبار سے ان کے بارہ طبقات وضع کیے ہیں۔ ان طبقات کی تفصیل یوں ہے:

١) وہ صحابہؓ جو مکہ مکرمہ میں اسلام لائے تھے۔ مثلاً عشرہ مبشرہ، حضرت خدیجہؓ، اور حضرت بلالؓ وغیرہ

٢) اصحاب دارالندوۃ، جو حضرت عمرؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔

٣) وہ صحابہؓ جو بعثت نبوی ﷺ کے پانچویں سال ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے۔ یہ گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان بن عفانؓ، زبیر بن عوامؓ، جعفر بن ابی طالب، حضرت رقیہ زوجہ عثمان بن عفانؓ، اور سہلہ بنت سہل زوجۂ ابوحذیفہؓ اس جماعت میں شامل تھے۔ اس طبقہ میں وہ لوگ بھی شمار ہوتے ہیں جنہوں نے دوسری مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ وہ ١٨٣ افراد تھے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، عبیداللہ بن جحش، ان کی بیوی ام حبیبہ اور ان کے بھائی عبداللہ، نیز ابوموسیٰ اور ابن مسعودؓ بھی اس طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔

٤) چوتھے طبقہ میں وہ صحابہؓ کرام شمار ہوتے ہیں جو عقبۂ اولیٰ میں شریک تھے۔ ان میں بارہ انصار تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت اسعد بن زراہ اور عبادۃ بن صامت بھی اس طبقہ میں شامل ہیں۔

٥) پانچویں طبقہ میں وہ صحابہ کرام آتے ہیں جو عقبۂ ثانیہ میں شریک تھے اور وہ جو عقبۂ اولیٰ کے بعد اسلام لائے۔ یہ ستر انصار تھے۔ ان کے ساتھ دو خواتین تھیں۔ حضرت براء بن معرور، سعد بن عبادۃ اور کعب بن مالک بھی ان میں شامل تھے۔

۶) چھٹے طبقہ میں وہ صحابہ شمار ہوتے ہیں جو مدینہ منورہ میں اس وقت پہنچے جب کہ نبی کریم ﷺ ابھی قباء میں تھے اور مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

۷) ساتویں طبقہ میں ان صحابہ کرام کو شمار کیا جاتا ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ اہل بدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ جل شانہ نے اہل بدر پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہاری مغفرت کر دی''۔

ان کی تعداد تین سو تیرہ بتائی جاتی ہے۔

۸) اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام آتے ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

۹) نویں طبقہ میں وہ صحابہ کرامؓ شامل ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر ''بیعتِ رضوان'' میں حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

''جس نے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی وہ دوزخ نہیں جائے گا''۔

۱۰) وہ صحابہ کرام جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی حضرت خالد بن ولیدؓ بھی ان میں شامل ہیں۔

۱۱) اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام شامل ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ حضرت ابوسفیان بن حربؓ، اور حکیم بن حزام اس طبقہ میں شامل ہیں۔

۱۲) اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام آتے ہیں جنہوں نے فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔

خود آزمائی ①

۱- طبقات رواۃ حدیث کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اختصار کے ساتھ بیان کیجئے۔

۲- طبقات ابن سعد کس دور کی تالیف ہے۔اس تالیف کے اسلوب و انداز پر بحث کیجئے۔

۳- حافظ ابن حجر نے رواۃ حدیث کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے ان طبقات کو ترتیب کے ساتھ واضح کیجئے۔

۴- صحابی کے بارے میں ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

۵- تابعی کی تعریف بتاتے ہوئے تبع تابعین کا تذکرہ کیجئے۔

۵- کثیر الروایہ صحابہ سے کیا مراد ہے۔سیدنا ابو ہریرہؓ ابن عمرؓ انس بن مالک اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں اختصار کے ساتھ گفتگو کیجئے۔

④ طبقۂ تابعین

4.1 تابعی کی تعریف

''تابعی'' وہ ہے جو کسی صحابی کو مومن ہونے کی حالت میں ملا ہو اور اس کی موت بھی ایمان دار ہونے کی حالت میں واقع ہوئی ہو۔

خطیب بغدادی تابعی کے لیے صرف صحابی کی ملاقات کو کافی نہیں سمجھتے۔ بلکہ صحابی کی صحبت ورفاقت کو بھی شرط ٹھہراتے ہیں۔ قرآن مجید اور حدیث میں تابعین کی مدح وستائش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿والسابقون الأوّلون من المهاجرين، والأنصار، والّذين اتبعوهم باحسان، رضى الله عنهم ورضوا عنه﴾

''اور مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولینؓ، اور وہ لوگ جو بھلائی کرنے میں ان کے بعد تھے۔ اللہ جل شانہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ جل شانہ سے راضی ہو گئے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس شخص کو خوش خبری سنا دو جس نے مجھے دیکھا، یا مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا''۔

اور فرمایا:

''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان سے قریب ہوں گے''۔

امام حاکم نیشاپوری کے موقف کے مطابق تابعین کے آخری طبقہ میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے صحابہؓ کے بعد فوت ہونے والے صحابی سے ملاقات کی ہو۔ اس لیے آخری تابعی وہ ہے جس نے مکہ مکرمہ میں

حضرت ابو الطفیلؓ سے ملاقات کی ہو۔ یا مدینہ منورہ میں حضرت سائبؓ، شام میں حضرت ابو امامہؓ کوفہ میں عبید اللہ بن ابی اوفیؓ اور بصرہ میں انس بن مالکؓ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو۔ خلف بن خلیفہ (م ۱۸۱ھ) کو آخری تابعی تصور کیا جاتا ہے اس لیے کہ موصوف نے آخری صحابی ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے مکہ میں ملاقات کی تھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ تابعین کا عہد ۱۸۱ھ میں ختم ہو گیا تھا۔

4.2 تبع تابعین

''تبع تابعی'' وہ ہے جو مومن ہوتے ہوئے کسی تابعی سے ملا ہو۔ اور اس کی موت بھی حالت اسلام میں واقع ہوئی ہو۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، کو بھی اس طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ تابعی تھے کیونکہ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن جزء زبیدیؓ، عبداللہ بن انیسؓ، اور عائشہ بنت عجردؓ سے مل کر ان سے روایت کی ہے۔ امام احمد بن محمد بن حنبل ان لوگوں میں شامل ہیں جو اتباع تابعین کے بعد آئے۔ کیونکہ آپ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اور اتباع تابعین کا عہد ۲۲۰ھ پر ختم ہو گیا تھا۔ (المختصر فی علم رجال الاثر: ص ۴۴، ۴۵)

⑤ مشاہیر صحابہؓ کا تعارف

صحابہؓ کرام چونکہ "طبقہ اولی" میں شامل ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے ان حضرات کا مختصر تعارف کرایا جائے جنہیں روایت حدیث کے لحاظ سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

5.1 کثیر الروایۃ صحابہ

جس صحابی کی روایات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو اسے اصطلاح میں "کثیر الروایۃ" کہا جاتا ہے۔ کثیر الروایۃ صحابہ کی تعداد سات ہے۔ ذیل میں ترتیب کے مطابق ان کا تعارف اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

5.2 ابو ہریرۃؓ

حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔ بقی بن مخلد کی مسند میں آپؓ کی ۵،۳۷۴ روایات منقول ہیں۔ آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔ قبیلہ ازد کی ایک شاخ بنو دوس بن عدنان سے تعلق تھا۔ حضرت ابو ہریرۃؓ ۷ھ میں غزوۂ خیبر والے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور موضع عقیق میں ۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا تعلق اہل صفہ سے رہا۔ صفہ مسجد نبویﷺ میں ایک سائبان تھا جس میں عابد و زاہد لوگ رہائش پذیر ہو کر عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ رسول اکرمﷺ نے حضرت ابو ہریرۃؓ کی قوتِ حافظہ میں اضافہ کے لیے دعا فرمائی تھی جو مقبول ہوئی۔ آپ زاہد، متقی، خوش طبع اور ملنسار تھے۔ جب بچوں سے ملتے تو انہیں خوب ہنساتے۔ عام لوگوں کے پاس بیٹھ کر بلا تکلف گفتگو فرماتے۔ رات کو تنہائی میں خشوع و خضوع کے ساتھ تہجد پڑھتے اور بہت انہماک کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے۔ عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں بحرین کے عامل رہے۔ حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں منصب" کی پیش کش کی تو قبول نہ فرمایا۔ حضرت معاویہؓ نے آپ کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا۔

حضرت ابو ہریرۃؓ نے نبی کریمﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، ابی بن کعبؓ،

اسامہ بن زیدؓ، حضرت عائشہؓ، اور دیگر صحابہؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ جن راویوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد آٹھ سو سے بھی زیادہ ہے ان میں طبقۂ صحابہ سے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ، اور انس بن مالک جیسے اکابر شامل ہیں۔ طبقۂ تابعین میں سے سعید بن میّب، ابن سیرین، عکرمہ، عطاء، مجاہد اور امام شعبی نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

5.3 عبداللہ بن عمرؓ

حضرت ابن عمرؓ کی روایات کی تعداد ۲،۶۳۰ ہے۔ آپ خلیفۂ ثانی سیّدنا عمر فاروقؓ کے بیٹے، اور حضرت حفصہؓ کے بھائی ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ بعثتِ نبوی ﷺ کے کچھ عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ جب اپنے والد کے ہمراہ اسلام لائے تو عمر دس سال تھی۔ پھر اپنے والد سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ غزوۂ احد میں کم عمر تھے اس لیے آپ ﷺ نے شرکت کی اجازت نہ دی۔ غزوۂ احد کے بعد کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ کو جنگِ قادسیہ، یرموک اور افریقہ نیز مصر و فارس کی فتوحات میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے بصرہ اور مدائن کا سفر بھی کیا۔

حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، اور اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہؓ سے احادیث روایت کیں۔ آپ سے سعید بن میّب، امام حسن بصری، امام ابن شہاب زہری، امام ابن سیرین، نافع، مجاہد، طاؤس، اور عکرمہ رحمہم اللہ نے استفادہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ۷۳ھ میں وفات پائی۔

5.4 حضرت انسؓ

کثیر الروایۃ صحابہ میں حضرت انسؓ کا تیسرا نمبر ہے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۲،۲۸۶ ہے۔ آپ کی والدہ آپ کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائیں تو اس وقت آپ دس سال کے تھے۔ آپ کے والد کا نام مالک بن نضر ہے۔ نسب ابن عدی بن نجار تک پہنچ جاتا ہے۔ آپ طویل عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں رہے۔ اس ضمن میں آپ کہا کرتے تھے:

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کبھی دریافت نہ کیا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا؟..... بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو چاہا وہ نہ ہوا"۔

غزوۂ بدر کے زمانہ میں حضرت انسؓ چھوٹے تھے اس لیے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد کے سارے غزوات میں شریک ہوئے۔ جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے عمر فاروقؓ سے حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل بنانے کے بارے میں مشورہ کیا تو عمر فاروقؓ نے جواباً کہا: انس ایک دانا و بینا اور پڑھا لکھا جوان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اس میں زہد و تقویٰ کے اوصاف پیدا ہو گئے ہیں"۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں: میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کی نماز حضرت انس سے زیادہ رسول اکرم کی نماز کے ساتھ ملتی جلتی ہو۔

حضرت انسؓ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بصرہ چلے گئے تھے آپ وہاں آخری صحابی تھے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت انس آخری صحابی تھے جو بصرہ میں فوت ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ترجمہ انس بن مالک، ج ۴)

5.5 ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ اور ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں اسلام لائیں۔ آپ سے پہلے صرف اٹھارہ آدمی اسلام لائے تھے۔ حضرت عائشہؓ ادب، طب، انساب اور ایام العرب کے بارے میں بہت زیادہ معلومات رکھتی تھیں۔ امام زہری کہتے ہیں: اگر حضرت عائشہؓ کے علم کا تقابل ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کے علم کے ساتھ کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم ان پر فوقیت لے جائے گا۔

حضرت عروۃ بن الزبیرؓ کا قول ہے: میں نے کسی کو طب، شعر اور فقہ میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر نہیں دیکھا"۔

حضرت عائشہ کثیر الروایۃ صحابہ میں شمار کی جاتی ہیں اور روایت حدیث میں ان کا درجہ انس بن مالک کے قریب قریب ہے۔ ان کی مرویات کی تعداد ۲،۲۱۰ ہے۔ آپ کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ بعض مسائل کے استنباط میں بالکل منفرد ہیں۔ اس بارے میں ان کا خصوصی اجتہاد دیگر صحابہؓ سے بالکل الگ تھا۔ علامہ زرکشی نے حضرت عائشہؓ کے اجتہادات سے متعلق ایک کتاب "الاجابة لإيراد ما استدركته عائشة على الصحابة" تالیف کی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے اپنے والد ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، اسید بن حضیرؓ، اور دیگر صحابہ سے احادیث کی روایت کی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل صحابہ شامل ہیں: ابو ہریرۃؓ، ابوموسیٰ اشعری، زید بن خالد الجہنی اور صفیہ بنت شیبہؓ۔

طبقۂ تابعین میں مندرجہ ذیل رواۃ نے آپ سے استفادہ کیا: سعید بن میبّب، علقمۃ بن قیس، مسروق بن اجدع، عائشہ بنت طلحہ، عمرۃ بنت عبدالرحمٰن اور حفصہ بنت سیرین۔

5.6 عبداللہ بن عباسؓ

عبداللہ بن عباسؓ پانچویں کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ کثرت روایات میں آپ حضرت عائشہؓ کے قریب قریب ہیں۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔ حضرت عبداللہ، رسول کریم ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت عباس کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عباس کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اس دعا کے نتیجے میں آپ کو علم، فہم، تاویل اور استنباط واستخراج کے حوالہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ لوگ دور دراز سے احکام سمجھنے اور روایات حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد پینتیس (۳۵) برس تک آپ لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو احادیث رسول، فتاویٰ وقضایائے صحابہ، نیز تفسیر وفقہ، شعر وعربیت اور حساب وفرائض میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ معلومات رکھتا ہو۔ آپ نے ایک دن تفسیر قرآن کے لیے، ایک دن تعلیم

احکام (فقہ) کے لیے۔ ایک دن مغازی وسیر کے لیے اور ایک دن شعر وادب اور تاریخ کی تدریس کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ جو عالم بھی آپ سے استفادہ کرنے کے لیے آیا آپ سے ضرور متاثر ہوا۔ جس طالب علم نے آپ سے کوئی سوال کیا آپ کے پاس اپنے سوال کا جواب ضرور پایا''۔

حضرت ابن عباسؓ کی معلومات میں بہت جامعیت تھی۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ: آپ نے علم کے حصول میں کون سا طریقہ اختیار کیا تو آپ نے جواب دیا: میں نے سوال کرنے والی زبان اور سوچنے سمجھنے والے دل سے سب کچھ سیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ محض تفسیر وحدیث اور فقہ کے ماہر نہ تھے بلکہ عربی زبان وادب اور تاریخ وثقافت میں بھی ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے اور اشعار وامثال سے اسلوب قرآن پر استشہاد فرمایا کرتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عمرؓ، اور ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے۔ معمر بن راشد یمنی کا تجزیہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی روایات ان تینوں صحابہؓ سے ماخوذ ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ نے معاذ بن جبلؓ اور ابوذر غفاریؓ سے بھی روایت کی ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن حنیف اور حضرت عکرمہ جیسے اکابر شامل ہیں۔ ابن عباسؓ کو حنین، طائف، فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ابن ابی السرح کی معیت میں آپؓ نے افریقہ کی فتوحات میں حصہ لیا۔ ۶۸ ھ میں قیام طائف کے دوران آپ کی وفات ہوئی۔ محمد بن حنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: ترجمۂ ابن عباس)

5.7 حضرت جابر بن عبداللہؓ

حضرت جابرؓ چھٹے کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۱۵۴۰ ہے۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ بن عمرو انصاری ہے۔ بنوسلمہ انصار کی ایک شاخ تھی اس کی طرف نسبت کر کے آپ کے والد کو سلمی کہا جاتا ہے۔ حضرت جابرؓ نے اپنے والد اور ماموں کے ہمراہ ان ستر (۷۰) انصار کے ساتھ عقبۂ ثانیہ میں شرکت

کی تھی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور دین اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی بیعت کی تھی۔

حضرت جابرؓ غزوۂ بدر و احد کے سوا سب غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ آپ خود کہتے ہیں:

''میں نے انیس لڑائیوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ غزوۂ احد اور غزوۂ بدر میں اس لیے شریک نہ ہو سکا کہ میرے والد نے مجھے روک دیا تھا۔ جب والد شہید ہو گئے تو میں کسی لڑائی میں آپ ﷺ سے پیچھے نہ رہا''۔

حضرت جابرؓ کو مصر اور شام میں بھی رہنے کا موقع ملا۔ ان دونوں علاقوں کے لوگوں نے آپؓ سے خوب استفادہ کیا۔ مسجد نبوی ﷺ میں آپ کا ایک مستقل حلقہ ہوتا تھا جس میں لوگ جمع ہوتے اور آپ کے علم و تقویٰ سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں ۷۴ھ میں انتقال کیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ)

5.8 حضرت ابوسعید خدریؓ

ابوسعید خدریؓ ساتویں کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے۔ آپ نام کے بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا نام سعد بن مالک بن سنان اور کنیت ابوسعید ہے۔ آپ کے والد مالک بن سنان غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ آپ کو خدری اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کا نسب خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج سے جا ملتا ہے۔ ابوسعید خدری کے والد نے غزوۂ احد کے موقع پر آپ کو رسول کریم کی خدمت میں پیش کیا اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ والد نے آپ کی صحت اور قوت کی تعریف کرتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول! ابوسعید عمر کے لحاظ سے چھوٹا ہے لیکن جسم اور صحت کے لحاظ سے بہت اچھا ہے اس لیے اسے غزوہ میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ رسول کریم ﷺ نے آپ کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے واپس کر دیا اور غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔

ابوسعید خدریؓ نے متعدد صحابہ کرام سے روایت کی ہے۔ صحابہ میں آپ سے مشہور ترین اساتذہ میں آپ کے والد مالک بن سنان، حضرت قتادۃ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو

موسیٰ اشعریؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے اکابر شامل ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن سعدؓ، آپ کی زوجہ زینب بنت کعبؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوالطفیل، نافع اور عکرمہ قابل ذکر ہیں۔

ابوسعید خدری نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: تہذیب التہذیب اور حلیۃ الاولیاء)

5.9 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

آپ کا نام عبداللہ بن مسعودؓ ہذلی اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ کا چھٹا نمبر ہے۔ آپ نے دو مرتبہ ہجرتِ حبشہ کی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ غزوۂ بدر میں ابوجہل کو آپ نے قتل کیا۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''چار صحابہ سے قرآن سیکھو۔ یعنی عبداللہ بن مسعود، سالم بن مولیٰ، ابوحذیفہ، معاذ بن جبل اور ابی بن کعب سے''۔

علمائے حدیث کے ہاں جب عبداللہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کو کوفہ کا قاضی اور خازن مقرر کیا۔

آپ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے لحاظ سے صحابہ کرام میں مشہور تھے۔ آپ نے حضرت عمر فاروقؓ اور سعد بن معاذؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت علقمہ، مسروق اور قاضی شریح۔

آپ کی روایات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔ ۳۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ بقیع کے قبرستان میں آپ کی قبر ہے۔ عثمان بن عفانؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

5.10 عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

آپ طبقۂ صحابہ میں فقیہ کہلاتے ہیں۔ اپنے والد سے پہلے اسلام لائے اور فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ بڑے عابد وزاہد تھے۔ حدیث نبوی ﷺ سے بہت زیادہ شغف تھا۔ آپ کی روایات کی تعداد ۷۰۰ ہے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کتابتِ حدیث کی اجازت عطاء فرمائی تھی۔ حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں:

''صحابہؓ میں عبداللہ بن عمرو کے سوا مجھ سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن عمرو لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا''۔

آپ نے عمر فاروقؓ، ابوالدرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر صحابہ کرام سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: عبداللہ بن عمرؓ، سائب بن یزید، سعید بن مسیب، طاؤوس، اور عکرمہ۔ آپ نے ۴۳ھ میں فسطاط کے محاصرہ کے موقع پر وفات پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد)

5.11 حضرت ابوذر غفاریؓ

ابوذر کنیت اور نام جندب بن جنادہ تھا۔ جنادہ آپ کے دادا کا نام ہے جو قبیلۂ غفار و کنانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ کا نمبر پانچواں ہے۔ غزوۂ خندق کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ ابوذر غفاریؓ بڑے زاہد وعابد تھے۔ توکل کا یہ عالم تھا کہ کل کا خرچ بھی اپنے پاس نہ رکھتے۔ زندگی کے آخری ایام ''ربذہ'' نامی مقام میں گزارے۔ یہاں الگ تھلگ رہ کر آپ عبادت وریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ ۳۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ابوذر غفاری نے حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر صحابہ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے احنف بن قیس، عبدالرحمٰن بن غنم اور عطاء نے روایت کی ہے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۲۸۱ ہے۔

5.12 حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

آپ کا نام سعد بن ابی وقاص بن اھیب زہری اور کنیت ابواسحٰق ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ آپ وہ اوّلین صحابی ہیں جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر لگنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ کا نمبر چوتھا ہے۔ سترہ سال کی عمر میں آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں نمایاں جوہر دکھائے۔ آپ بنوزہرہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول کریم ﷺ کی والدہ محترمہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں۔ نبی کریم ﷺ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''یہ میرے ماموں ہیں۔ کوئی مجھے ایسا ماموں دکھائے تو''۔

فاروق اعظمؓ نے آپ کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا تھا جس کو فتح ایران کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت سعد نے ۱۵ھ میں ایرانیوں کو قادسیہ کے مقام پر شکستِ فاش دی۔ پھر ۱۶ھ میں جلولاء کے مقام پر ایرانیوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان چھ صحابہ میں شامل تھے جن کو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے نامزد کیا تھا۔ ۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ بقیع کے قبرستان میں آپ کی قبر ہے۔ جن دس صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی آپ ان سب کے آخر میں فوت ہوئے۔ حضرت سعد نے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور خولہ بنت حکیم سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: مجاہد، علقمہ بن قیس، سائب بن یزید۔ آپ کی روایات کی تعداد ۲۷۰ ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: حلیۃ الاولیاء: ج ا، ص ۹۲)

5.13 حضرت معاذ بن جبلؓ

آپ کا نام معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس خزرجی اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ عقبۂ ثانیہ میں آپ ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ رسول کریم ﷺ نے معاذ بن جبل اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دینی تعلیم کی اشاعت کے لیے یمن بھیجا۔ حضرت معاذ سوار تھے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو خود الوداع کہا: حضرت معاذ بن

جبلؓ خلافتِ صدیقی تک یمن میں رہے پھر ہجرت کر کے شام چلے گئے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''معاذ حلال وحرام سے متعلق احکام کے سب سے بڑے عالم ہیں''۔

حضرت معاذ نے عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے انس بن مالک، مسروق اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ نے روایت کی۔ جب ۱۸ھ میں اردن کے علاقہ میں طاعون پھیلا تو اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا بھی انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر بتیس (۳۲) سال تھی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ج۳،ص۱۲۰)

5.14 حضرت ابوالدرداءؓ

آپ کا نام عویمر بن زید بن قیس ہے۔ لیکن کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ انصاری ہیں اور خزرج کے قبیلہ سے وابستہ تھے۔ نبی کریم ﷺ سے سن کر آپ نے قرآن حفظ کیا۔ غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ رسولِ کریم ﷺ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا: ''نعم الفارس عویمر'' ''عویمر بہت عمدہ شہسوار ہیں''۔

مواخاۃ کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے ابوالدرداءؓ اور سلمان فارسی کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا۔

خلافت عثمانی میں ابوالدرداء شام کے قاضی مقرر کئے گئے۔ آپ اہل شام کے مفتی اور اہل فلسطین کے فقیہ تھے۔ ابوالدرداءؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے آپ کی زوجہ محترمہ ام الدرداء اور بیٹے بلال نے روایت کی ہے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۷۹ ہے۔ مسروق آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میں نے رسول کریم ﷺ کا علم چھ آدمیوں کے پاس پایا۔ ان میں سے ایک ابودرداء ہیں''۔

آپ نے ۳۲ھ میں دمشق کے قیام کے دوران میں انتقال فرمایا۔

⑥طبقۂ تابعین

طبقۂ صحابہ میں سے چند مشہور ومعروف صحابہ کا تذکرہ کر لینے کے بعد طبقۂ تابعین میں سے چند حضرات کا اختصار کے ساتھ تعارف کروایا جاتا ہے:

6.1 سعید بن میبّب

آپ کا نام سعید بن المسیّب ابن حزن مخزومی ہے۔ آپ کے والد اور دادا دونوں صحابی تھے۔ آپ خلافتِ فاروقی کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے طلبِ علم کا شوق تھا اور اسی شوق کو پورا کرنے کے لیے سفر وسیاحت کا آغاز کر دیا۔ مکحول دمشقی آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

''میں نے علم کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا۔ مگر سعید میبّب سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا''۔

علی بن مدینی کہتے ہیں کہ:

''میرے نزدیک طبقۂ تابعین میں سعید بن میبّب سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔
جب سعید کسی بات کو سنت کے مطابق قرار دیں تو اس کو مضبوطی سے تھام لو۔
سعید طبقۂ تابعین میں سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہیں''۔

آپ نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، زید بن ثابتؓ، اور حضرت عائشہؓ سے براہِ راست استفادہ کیا۔ جن میں سے سالم بن عبداللہ زہری، قتادہ، شریک قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔
(تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ج۵، ص۸۸)

6.2 نافع مولیٰ ابن عمر

آپ کا نام نافع بن ہرمز ہے۔ کنیت ابوعبداللہ اور نسبت مدنی ہے۔ آپ عبداللہ بن عمر کی خدمت میں

تیس سال تک رہے۔ ابن عمرؓ آپ کے بارے میں فرماتے تھے:

''نافع عنایت کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا''۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں:

''نافع کا تعلق دیلم سے تھا اس لیے ان میں تتلاپن پایا جاتا تھا''۔

امام مالک نے نافع سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ امام نسائی کے بقول امام مالک نافع کے قریب ترین اور ممتاز ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ نافع نے عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ ابوسعید خدریؓ، حضرت عائشہؓ، اور حضرت حفصہؓ سے مرسلا روایات اخذ کی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن دینار، زہری، اوزاعی، ابن اسحٰق، صالح بن کیسان اور ابن جریج کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نافع کو بہت چاہتے تھے۔ ایک شخص نے نافع کے عوض ان کو تیس ہزار کی پیشکش کی تھی مگر آپ نے اس خطیر رقم کو ٹھکرا دیا اور رضائے الٰہی کے لیے نافع کو آزاد کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے حدیث اور فقہ کی ترویج و اشاعت کے لیے آپ کو مصر بھیجا تھا۔ ۱۱۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۱۵۰)

6.3 محمد بن سیرین

آپ بڑے عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ آپ کے والد سیرین انس بن مالک کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت انسؓ نے ان کو حضرت خالد بن ولیدؓ سے خریدا تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے عراق کے شہر ''عین التمر'' میں مقام انبار کے نزدیک ان کو قیدی بنایا تھا۔ حضرت انسؓ نے سیرین کو کچھ مال کے عوض آزاد کرنے کی پیشکش کی جو انہوں نے ادا کر کے آزادی حاصل کر لی۔ ابن سیرین کی والدہ کا نام صفیہ تھا جو حضرت ابوبکر کی آزاد کردہ تھیں۔ محمد بن سیرین خلافت عثمان کے آخری سال میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ تک حیات رہے۔ تیس صحابہ سے آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ ابن عباسؓ، ابوالدرداءؓ، عمران بن حصین اور حضرت عائشہؓ کی روایات آپ مرسلاً

بیان کرتے ہیں۔ البتہ زید بن ثابتؓ، انس بن مالکؓ، ابو ہریرہؓ اور حذیفہ بن یمانؓ سے آپ نے براہِ رسات روایات سنی ہیں۔ اور ان کی روایات آپ سنداً بیان کرتے ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں شعبی، اوزاعی، عاصم الاحول، مالک بن دینار اور خالد الحذاء قابل ذکر ہیں۔ ابن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

''محمد بن سیرین بڑے ثقہ، قابل اعتماد، بہت بڑے امام اور بہت بڑے عالم تھے''۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ بغداد: ج۵، ص۳۳۱)

6.4 ابن شہاب زہری

آپ کا نام محمد بن مسلم بن عبداللہ ہے۔ آپ بہت بڑے عالم، محدّث اور فقیہ تھے۔ لیث بن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

''میں نے زہری سے زیادہ بڑا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔ آپ جب احکام سے متعلق روایات پر بحث کرتے تو معلوم ہوتا کہ آپ کا تعلق اسی مجال سے ہے لیکن جب تفسیر اور حدیث کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے تو پتہ چلتا کہ آپ ہرفن میں اپنی مثال آپ ہیں''۔

زہری حجاز اور شام کے درمیانی علاقہ ''ایلہ'' نامی گاؤں میں رہتے تھے مگر آپ کی شہرت اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی تھی۔ آپ علماء حجاز اور شام کا مرکز اور مرجع تھے۔ آپ نے سعید بن المسیّب کی صحبت میں شام کے ایک سرحدی گاؤں ''شعبدا'' میں آٹھ سال گزارے اور اسی جگہ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ زہری جو روایات اپنے شیوخ سے اخذ کرتے تھے انہیں اپنے پاس لکھ لیا کرتے تھے۔ صالح بن کیسان کہتے ہیں:

''میں اور زہری دونوں اکٹھے پڑھا کرتے تھے۔ زہری نے مجھے کہا: آؤ! حدیثیں لکھ لیا کریں۔ پھر کہا: اقوال صحابہ بھی لکھیں گے۔ میں نے اس کا مشورہ ٹال دیا۔ وہ لکھتے رہے اور میں نے نہیں لکھا۔ اس لیے ان کے پاس علم محفوظ رہا اور ہم بھول گئے''۔

زہریؒ اپنے دور کے بہت بڑے حافظ اور ضابط تھے۔ عمرو بن دینار آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

''میں نے حدیث نبوی ﷺ کی روایت باللفظ کا زہری سے زیادہ اہتمام کرنے والا نہیں دیکھا''۔

زہری اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ حدیث کے الفاظ میں معمولی تغیر بھی رونما نہ ہو۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۲۰۰ ہے جس میں آدھی سے زیادہ سند متصل کے ساتھ ہیں۔ زہری نے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر، سہل بن سعد، عروۃ بن زبیر اور عطاء بن ابی رباح سے روایات اخذ کی ہیں۔ عبادہ بن صامت، ابوہریرۃ اور رافع بن خدیج کی جو روایات آپ نے بیان کی ہیں وہ ساری مرسل ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ: ج ا، ص ۱۰۲)

6.5 سعید بن جبیر

آپ کا نام سعید بن جبیر اسدی کوفی اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ، عابد، زاہد اور شب زندہ دار تھے۔ سفیان ثوری آپ کو ابراہیم نخعی پر ترجیح دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ:

''تفسیر کا علم سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک، یعنی ان چار علماء سے حاصل کرو''۔

جب عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کوفہ کے قاضی بنائے گئے تو سعید بن جبیر ان کے کاتب تھے۔ پھر ابو بردہ بن ابوموسیٰ کے کاتب مقرر ہوئے۔ آپ ۹۵ھ تک حیات رہے۔ سعید بن جبیر نے عبداللہ بن زبیرؓ، انس بن مالک، اور ابوسعید خدریؓ سے براہِ راست روایات اخذ کیں۔ البتہ آپ کا سماع ابوہریرۃؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں۔ اس لیے سعید جب ان سے روایت کرتے ہیں تو وہ روایت مرسل ہوتی ہے۔ یحییٰ بن سعید آپ کی مراسیل کے بارے میں کہتے ہیں:

''سعید بن جبیر کی مرسل روایات مجھے عطاء کی مرسل روایات سے زیادہ عزیز ہیں''۔

سعید بن جبیر سے مندرجہ ذیل حضرات نے بطورِ خاص استفادہ کیا اور روایات اخذ کیں۔ اعمش، منصور بن معمر، یعلیٰ بن حکم ثقفی، سماک بن حرب۔

میمون بن مہران کہتے ہیں: سعید بن جبیر نے اس حالت میں وفات پائی کہ ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا''۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ج ۴، ص ۱۸۲)

6.6 امام ابوحنیفہ

آپ کا نام نعمان بن ثابت ہے۔، کنیت ابوحنیفہ ہے اور اس کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ تابعی ہیں۔ کیونکہ آپ نے صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک، سہل بن سعد ساعدی، عبداللہ بن ابی اوفی اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔

نوٹ: امام ابوحنیفہ کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۳ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

⑦ اتباع تابعین

طبقۂ تابعین میں سے چند اہم اور معروف و مشہور تابعین کا مختصر تذکرہ کر لینے کے بعد اب اتباع تابعین میں سے ان حضرات کا تعارف کرایا جاتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بنیادی اور اہم کام کیا۔

7.1 امام مالک بن انس

آپ کا نام مالک بن انس بن عامر ہے۔ چونکہ آپ یمنی سلاطین میں سے ایک سلطان ذی اصبح کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اصبحی کہلاتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ امام شافعی آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

''مالک تابعین کے بعد خدا کی مخلوق پر حجت ہیں''۔

نوٹ: امام مالک کے بارے میں آپ کورس نمبر۲، یونٹ نمبر ۱ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک بار پھر اس یونٹ کا مطالعہ کر لیجئے۔

7.2 امام شافعی

آپ کا نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے۔ شافع کی جانب نسبت کر کے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔ آپ قرشی، مطلبی اور مکی ہیں۔ آپ کی والدہ قبیلۂ ازد سے تعلق رکھتی تھیں۔

امام شافعی غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں آپ کو مکہ مکرمہ پہنچا دیا گیا۔ چنانچہ مکہ ہی میں آپ نے طلبِ علم کے مراحل طے کئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر مکہ کے ایک مشہور قاری اسماعیل بن قسطنطین سے تجوید کا فن سیکھا۔ امام اہل مدینہ مالک بن انس سے تجوید کا فن لیا اور مؤطا کی ساری روایات زبانی یاد کیں۔ امام شافعی نے سفیان بن عیینہ اور عبدالملک بن ماجشون سے بھی حدیث کے مجال

میں استفادہ کیا۔ فقہ میں آپ نے مسلم بن خالد زنجی سے بھرپور استفادہ کیا۔ مسلم بن خالد زنجی نے آپ کو اس وقت فتویٰ نویسی کی اجازت دی تھی جب آپ کی عمر محض بیس سال تھی۔

حدیث وفقہ کے علاوہ امام شافعی کو لغت کے اسرار و رموز پر بہت عبور حاصل تھا۔ آپ بلند پایہ شاعر اور مناظر تھے۔ آپ نے مدینہ اور کوفہ میں قائم دونوں مراکزِ علم سے خوشہ چینی کی۔ آخر میں جب مصر کا سفر کیا تو وہاں کے مراکز کی روایات بھی حاصل کیں۔

امام شافعی نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں بنیادی مواد فراہم کیا۔ آپ کی مشہور ترین کتاب ''الرسالۃ'' ہے جو آپ نے عبدالرحمٰن بن مہدی کی استدعا پر تحریر کی۔ اس کا موضوع اصول الفقہ ہے۔ اسی طرح آپ کی کتاب ''کتاب الأم'' بھی بڑی شہرت رکھتی ہے۔ امام شافعی کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں جنہیں شہرت اور مقبولیت ملی وہ درج ذیل ہیں:

امام احمد بن حنبل، ابو عبید قاسم بن سلام، امام حمیدی، ابوثور ابراہیم بن خالد بغدادی، یوسف بن یحیٰ البویطی، حرملۃ بن یحیٰ اور حسن بن محمد زعفرانی۔

امام شافعی کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا:

''جس شخص نے بھی دوات اور قلم سنبھالا، امام شافعی کے احسانات اس کی گردن پر ہیں''۔

7.3 امام سفیان ثوری

آپ کا نام سفیان بن سعید بن مسروق کوفی اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ آپ کے والد سعید بن مسروق اپنے دور کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ حدیث نبوی کے ضبط اور روایت کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے حدیث نبوی ﷺ کے ضبط اور روایت میں اس حد تک شہرت پائی کہ شعبہ بن حجاج، سفیان بن عینیہ اور یحیٰ بن معین جیسے محدثین نے آپ کو 'امیر المؤمنین فی الحدیث' کا لقب دیا۔ خطیب بغدادی آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

''سفیان ثوری ایک عظیم امام اور حجۃ الاسلام کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی امامت پر علماء کا اجماع ہے۔ آپ میں حفظ واتقان، زہد وتقویٰ اور معرفت کے اوصاف اس حد تک موجود تھے کہ اس ضمن میں کسی تائید اور توثیق کی ضرورت نہیں''۔

سفیان ثوری نے سلیمان بن مہران، اعمش، عبداللہ بن دینار، عاصم الاحول ابن المنکدر اور دیگر علماء حدیث سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: عبدالرحمن اوزاعی، مسعر بن کدام، ابان بن عبداللہ حمصی، اور علی بن جعد۔

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں:

''میں نے گیارہ سو (۱۱۰۰) اساتذہ اور شیوخ سے استفادہ کیا مگر کسی کو بھی سفیان ثوری سے افضل اور برتر نہ پایا۔ ایک شخص نے پوچھا: ابوعبداللہ! آپ نے سعید بن جبیر جیسے علماء کو دیکھا ہے اور پھر بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں؟...... ابن مبارک نے فرمایا: بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ میں نے سفیان سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا''۔

سفیان ثوری کا انتقال بصرہ میں ۱۶۱ھ میں ہوا۔

7.4 سفیان بن عیینہ

آپ کا نام سفیان بن عیینہ بن میمون ہلالی کوفی اور کنیت ابومحمد ہے۔ ستاسی (۸۷) تابعین سے آپ کی ملاقات ثابت ہے جن میں ستر (۷۰) وہ حضرات ہیں جن سے آپ نے استفادہ کیا۔ آپ کے شیوخ میں امام جعفر صادق، حمید الطویل، عبداللہ بن دینار، ابوالزناد اور صالح بن کیسان جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں اعمش، مسعر بن کدام، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، اور علی بن مدینی قابل ذکر ہیں۔

سفیان بن عینیہ ۱۶۳ھ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے۔ آپ مکہ میں اہل حجاز کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ حافظ ابن حجر آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

''آپ بڑے حافظ، فقیہ، امام، حجت اور ثقہ تھے۔ آپ کا حافظہ آخری عمر میں کمزور ہو گیا تھا اس لیے روایات میں تدلیس کر جاتے تھے مگر آپ کی تدلیس صرف ثقہ رواۃ تک محدود تھی''۔

سفیان بن عینیہ نے سات ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ امام شافعی نے آپ کے بارے میں فرمایا:
''اگر امام امالک اور ابن عینیہ نہ ہوتے تو اہل حجاز کا علم رخصت ہو گیا ہوتا''۔

آپ کا انتقال مکہ مکرمہ میں ۱۶۸ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر اکیانوے سال تھی۔

7.5 لیث بن سعد

آپ کا نام لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن اور کنیت ابوالحارث ہے۔ آپ قشند میں ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ دیارِ مصر کے عظیم محدّث تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری وسائل سے بھی نوازا تھا۔ سالانہ آمدنی بیس ہزار دینار سے زائد تھی مگر اس کے باوجود آپ کے مال پر کبھی زکوٰۃ فرض نہ ہوئی کیونکہ آپ سب مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے لیث بن سعد سے بکثرت روایات اخذ کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام سفیان ثوری اور دیگر علماء حدیث نے آپ کو ثقہ اور عادل قرار دیا ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں:

''لیث بن سعد، امام مالک سے بڑے فقیہ تھے مگر ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کر دیا''۔

امام مالک اپنی تالیفات میں جہاں یہ کہتے ہیں کہ ''پسندیدہ اہل علم نے مجھے بتایا'' تو اس سے ان کا اشارہ لیث بن سعد کی جانب ہوتا ہے۔ لیث بن سعد نے نافع، زہری، سعید المقبری، اور یزید بن ابی حبیب

سے روایات اخذ کی ہیں۔ آپ سے عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن وہب اور اس طبقہ کے دیگر رواۃ نے استفادہ کیا۔ ۱۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ بغداد: ج ۱۳، ص ۳)

خود آزمائی ②

۱- حضرت ابن عباس، جابر بن عبد اللہ اور ابو سعید خدریؓ کا تعلق کس طبقہ سے ہے ان تینوں صحابہ کے بارے میں ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

۲- عبداللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، ابوذر غفاریؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ معاذ بن جبلؓ اور ابو الدرداءؓ کے بارے مس اپنی معلومات قلم بند کیجئے۔

۳- سعید بن میتب، نافع اور محمد ابن سیرین کا تعلق رواۃ حدیث کے کس طبقہ سے ہے۔ ان تینوں حضرات کے بارے میں ایک اجمالی خاکہ پیش کیجئے۔

۴- سعید بن جبیر، اور امام ابوحنیفہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ ان دونوں حضرات کی علمی خدمات کی وضاحت کیجئے۔

۵- امام مالک بن انس، اور امام شافعی کی شہرت اور مقبولیت کس وجہ سے ہے۔ ان دونوں آئمہ کے بارے میں تبصرہ کیجئے۔



یونٹ نمبر ⑧

تاریخ اور تاریخِ حدیث کی اہمیت

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات! اس وقت جو یونٹ آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ''تاریخ اور تاریخ حدیث کی اہمیت اور افادیت'' سے ہے۔ مسلمان علماء میں سب سے پہلے جس جماعت نے تاریخ کی ترتیب وتدوین کی طرف توجہ دی وہ علماء حدیث کی جماعت ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حدیث کی جانچ پڑتال میں خارجی نقد کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ حدیث کی صحت اور سقم کے بارے میں عام طور پر جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہ اس کے رواۃ اور رجال کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب اسناد پھیلنا اور بڑھنا شروع ہوگئیں اور اسناد کی وجہ سے بعض لوگوں نے حدیث کے ذخائر میں من گھڑت اور بے بنیاد متون کو شامل کرنے کی کوشش کی تو علماء حدیث میں سے ایک جماعت نے اپنی ساری توجہ اس جانب مبذول کر دی۔ امام عبداللہ بن المبارک، امام علی بن المدینی، امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل نے رواۃ حدیث کے بارے میں جانچ پرکھ کا آغاز کیا۔ ان حضرات سے پہلے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے بھی رواۃ حدیث پر کلام کیا اور ان کی درجہ بندی کی۔ امام عبداللہ بن المبارک، امام علی بن المدینی اور امام یحییٰ بن معین کا تعلق چونکہ امام ابوحنیفہؒ کے مکتب سے رہا اس لئے امام ابوحنیفہ کے تلامذہ نے جب علوم وفنون کے مختلف مجال اختیار کئے اور ہر ایک نے اپنے لیے خاص میدان متعین کیا تو ان حضرات نے علم الرجال کی طرف توجہ کی۔ امام ابن معین کے بارے میں علماء حدیث کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے دور میں سب سے زیادہ اس فن کے ماہر تھے۔ اسی طرح علی بن المدینی اور عبداللہ بن المبارک بھی فن رجال کے مرد میدان تھے۔ بعد میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے ان حضرات کے کام کو آگے بڑھایا۔ امام بخاری نے ''تاریخ'' میں بہت وقیع اور مفید کام کیا۔ آپ نے جس طرح اپنی ''صحیح'' کو بہت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ ترتیب دیا اسی طرح اپنی ''تاریخ'' کو بھی انتہائی توجہ اور انہماک کے ساتھ مرتب کیا۔ اسی طرح امام نسائی نے بھی رواۃ حدیث کے لئے بہت کڑی شرائط مقرر کیں امام نسائی کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی شرط امام بخاری کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ کو متعلقہ موضوع پر بنیادی اور اساسی مواد آسان اور عام فہم زبان میں فراہم کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا توجہ اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇦ تاریخ اور تاریخِ حدیث کی اہمیت اور افادیت پر گفتگو کر سکیں۔
- ⇦ اخبار مع اسناد کے آغاز اور ارتقاء پر بحث کر سکیں۔
- ⇦ فن طبقات اور مسلمان علماء کے اس فن کی ترویج میں کردار پر تبصرہ کر سکیں۔
- ⇦ خبر کی معروضیت اور مؤرخ کے کردار کی وضاحت کر سکیں۔
- ⇦ تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کر سکیں۔
- ⇦ تاریخ کے فوائد پر سیر حاصل تبصرہ کر سکیں۔
- ⇦ رُواۃ حدیث پر جرح کرنے کے جواز سے متعلق علماء حدیث کے اقوال پیش کر سکیں۔

① تاریخ اور تاریخِ حدیث

اسلامی دین اور معاشرہ کی داخلی ضروریات نے جن علوم کو ایجاد کیا ان میں علم تاریخ بھی ہے۔ اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل اور صحابہ کرامؓ کے آثار واخبار کو جو مثالی حیثیت اور قانونی اہمیت حاصل ہے اس کی کسی دوسرے دین اور معاشرہ میں مثال نہیں ملتی۔ حال کے لیے ماضی کی اہمیت بلکہ تقدس کا، اور شریعت اور معاشرہ کے تسلسل اور ارتقاء کا جو نقش اول اول مسلمانوں کے دل پر بیٹھا اس نے انہیں فوری طور پر حوادث وواقعات، سیر وسوانح اور اقوال وآثار کو محفوظ رکھنے کی ضرورت کا شعور دلایا۔ چنانچہ انہوں نے سوچا کہ ماضی کے علم کا ذریعہ ''خبر'' ہے اور ''خبر'' کا وقار واعتبار ''طریق روایت'' سے متعین ہوتا ہے اس طرح کہ ایک عینی شاہد واقعہ کی خبر دے اور وہ خبر معروف ومشہور اور قابل اعتماد راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے۔ جو واقعہ خود اپنے سامنے کا نہ ہو اس کے بارے میں دوسرے لوگوں کے چشم دید بیان اور ان کے ضبط وعدالت پر بھروسہ کرنے کے سوا اور کوئی قابل اعتماد طریقہ عقل کے نزدیک متصور نہیں۔ انسان ہمیشہ سے اپنے روزمرہ کے معاملات میں شہادت پر بھروسہ کرتا آیا ہے لیکن مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم نے تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کے سلسلہ میں شہادت اور روایت کو محفوظ رکھا جائے اور اس کی چھان بین کی جائے۔

1.1 اخبار مع اسناد

الغرض مسلمانوں نے اپنی مخصوص دینی ثقافت، قومی مزاج اور فطری عقل وذہانت کے مجموعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اخبار مع اسناد جمع کرنا شروع کیں۔ ان خبروں کے سانچے میں جزوی واقعات ہوتے ہیں۔ ہر خبر مستقل ہوتی ہے۔ طرز بیان کم وبیش ادبی ہوتا ہے۔ بسا اوقات نظم ونثر ملی جلی ہوتی ہیں۔ البتہ اخبار کے مجموعے میں ربط وتسلسل مفقود ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو بس اتنا جتنا ایک قصیدے کے اشعار میں ہوتا ہے۔ ہر خبر کے ساتھ اس کی سند جداگانہ ہوتی ہے۔

خبر مع سند کا یہ طریقہ بالاتفاق اسلامی عقلیت کی پیداوار ہے۔ اسلام سے پہلے نہ تو یہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اور نہ پڑوس کی متمدن قوموں میں۔ عربوں میں ایام (جنگوں) سے متعلق قبائل کی اپنی روایات ہوتی تھیں جو واقعات کو فخر کے رنگ میں پیش کرتی تھیں۔ سند کا کوئی اہتمام نہ تھا اور نہ کسی کو اتنی فرصت تھی کہ ان روایات کی صحت کو علمی طریقہ پر جانچے۔ ان کا مقصود تو صرف مسلسل جہد للبقاء میں لہو گرمانا تھا۔ یمن کئی صدیوں تک تجارت، تمدن اور تہذیب کا مرکز رہا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہاں کسی تاریخی روایت کا پتہ نہیں چلتا۔ ایران اور یونان میں کتابت کے ذریعہ تاریخ کو محفوظ کرنے کا رواج تھا لیکن سند کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ دونوں قوموں کے ہاں تاریخ ٹھوس حقائق اور مستند واقعات سے عبارت نہ تھی۔ بلکہ دیو مالا، خرافات اور ہر قسم کی خیال آرائی اور من گھڑت واقعات پر مشتمل تھی۔

خبر مع سند کے طریقے کو دین اور شریعت کی خاطر مسلمانوں نے سب سے پہلے حدیث کے لیے استعمال کیا، چنانچہ اس کا بھی معیار وہی رکھا جو شریعت میں قابل اعتماد ہو۔ اس معیار کو بروئے کار لانے کے لیے کئی اور علوم وفنون وجود میں آئے جن میں تاریخ اور اسماء الرجال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سند بے معنی ہے اگر رجال سے واقفیت نہ ہو۔ اور رجال سے واقفیت غیر مکمل اور غیر مفید رہے گی تاوقتیکہ ان رجال کے زمانے کے تمام حالات نظر میں نہ ہوں۔ لسانی علوم، لغت وشعر وادب کا بھی قرآن وحدیث سے ایسا ہی تعلق ہے۔ تاریخ، ادب ہی کی ایک شکل ہے اور ادب تاریخ کا مظہر بھی ہے اور ماخذ بھی۔

1.2 حدیث اور تاریخ کا باہمی تعلق

حدیث اور تاریخ کے قریبی ارتباط پر نظر رکھتے ہوئے توقع اس بات کی ہو سکتی تھی کہ تاریخ وہی قالب اختیار کرے جو حدیث کا قرار پا چکا تھا۔ چنانچہ تاریخ بھی ''خبر مع سند'' کی شکل میں جمع ہونا شروع ہوئی۔ جب اخبار کے ڈھیر لگ گئے تو ان کی تصنیف وتالیف یعنی ایک اصول پر ترتیب وتنظیم کا مسئلہ سامنے آیا۔ مسلمانوں نے اس مسئلے کے جتنے بھی حل ممکن تھے ان کی طرف توجہ کی اور جس حل کو جس حد تک مفید مطلب پایا اس کو اسی حد تک رواج دیا۔

راویوں کے سلسلہ کو دیکھئے: اس کی کڑیاں ''طبقات'' کی شکل میں علیحدہ کی جا سکتی ہیں۔ یہ عمودی تقسیم ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک افقی تقسیم ''بلدان'' (شہروں) کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تاریخ کی وہ صنف جو ''طبقات'' کہلاتی ہے فنِ حدیث سے بہت ہی قریب ہے۔ دوسرا طریقہ جو آسانی ہر ایک کے خیال میں آتا ہے یہ ہے کہ اخبار کو ''سنین'' یعنی ماہ و سال کی ترتیب سے مرتب کیا جائے۔ تیسرا طریقہ جس کی طرف ذہن منتقل ہوتے دیر نہیں لگتی یہ ہے کہ ''دول'' یعنی حکمران خاندانوں کے عہدِ حکومت کے لحاظ سے اخبار کو مرتب کیا جائے۔ مسلمانوں کے ہاں ابتداء ہی سے یہ سبھی طریقے ملتے ہیں۔ طبقات کی کتابوں میں بسا اوقات عمودی اور افقی دونوں تقسیمیں یک جا ہیں۔ ''سنین'' کا طریقہ زیادہ رائج ہوا اور دول کا کم تر۔ کہیں کہیں ''سنین'' اور ''دول'' دونوں کے لحاظ سے ملی جلی ترتیب بھی ملتی ہے۔

1.3 طبقات اور مسلمان علماء

طبقات کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ یہ خالص اسلامی عقلیت کی پیداوار ہے لیکن باقی دو طریقوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ ''سنین'' کی ترتیب یونانیوں کے ہاں رائج تھی اس لیے مسلمانوں نے وہیں سے لی ہوگی۔ اسی طرح ''دول'' کی ترتیب ایرانیوں کے یہاں مستعمل تھی اس لیے وہیں سے آئی۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے یونانی سے جو ترجمے کئے، وہ حکمت، فلسفہ اور علوم سے متعلق تھے۔ یونانی تاریخ و ادب پر مسلمانوں نے سرسری نگاہ بھی نہیں ڈالی۔ پھر بھی ''سنین'' کا طریقہ اپنانے کے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی نے شام کے کسی راہب سے باتوں باتوں میں سن لیا ہو گا!!...... یہ صحیح ہے کہ ایرانیوں کے ہاں ''دول'' کی ترتیب رائج تھی۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں سنہ شمار کرنے کا کوئی مستقل اور دائمی نظام تھا لیکن کیا یہ بات اس سے کہیں زیادہ نمایاں نہیں کہ عربوں کے قبائلی نظام میں نسب کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ تاریخ کے ساتھ ہی ساتھ انساب کا ایک مکمل علم تھا اور ہاں! دیکھئے بعض تاریخیں مثلاً بلاذری کی ''انساب الاشراف'' نسب ہی کی ترتیب پر مرتب ہوئی۔ پھر حکمران خاندانوں پر توجہ کا مرکوز ہونا کون سی ایسی انوکھی بات ہے کہ اس کا سرا ایران میں تلاش کیا جائے؟!...... اسی طرح مسلمانوں نے جب اخبار جمع کرنا شروع کیں تو ان کے لیے ''مبعث'' یعنی

رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایک حدِ فاصل قرار پائی۔ آغاز اسلام سے مسلمانوں نے اپنی تاریخ اپنے امتیازی اصول اور مخصوص نہج پر منضبط اور مرتب کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ امتیازی اصول اور مخصوص نہج جس تحقیق وتدقیق کے ضامن تھے وہ کسی اور قوم یا کسی اور دور کی تاریخ کے سلسلہ میں ممکن نہ تھی۔ چنانچہ جب فتوحات کی وسعت اور علوم کی ترقی کی بدولت قبل از اسلام اور غیر مسلم اقوام کی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوئی تو مسلمانوں کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ دینی محرکات یہاں بھی کارفرما ہوئے۔ قرآن مجید میں مبعث کی حد فاصل سے پیچھے کی طرف یعنی رسول اللہ ﷺ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک بیشتر انبیاء اور بہت سی قدیم اقوام کا ذکر ہے اس لیے ''مبتدا'' یعنی ابتدائے آفرینش سے مبعث تک کی تاریخ جمع کرنا ایک طرح سے قرآن مجید کی خدمت میں داخل ہے لیکن قرآن میں تو صرف اشارے ہیں۔ اور جو تفصیلات اخلاقی نتائج کے استنباط کے لیے غیر ضروری ہوں انہیں نظر انداز کیا گیا ہے۔ مبتداء کی تاریخ کا مآ خذ کیا ہوسکتا ہے؟...... کیا اس بابت بھی انہی اصولوں کے مطابق چھان بین کی جاسکتی ہے جو مبعث اور بعد از اسلام کی تاریخ کے لیے وضع کیے گئے ہیں؟...... بڑی پس وپیش کے باوجود اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ تحقیق کے امکان کی بابت سوال کا جواب نفی میں دیا جائے اور اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں جو روایات تورات اور اناجیل کے حوالے سے پائی جاتی ہیں انہیں جوں کا توں نقل کرلیا جائے۔ یہی روایات ہیں جو ''اسرائیلیات'' کے نام سے نہ صرف ہماری تاریخوں میں بلکہ تفاسیر میں بھی بھری پڑی ہیں۔ ان کے مرتبے کی بابت کبھی کوئی شک نہیں رہا یعنی ان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا لیکن چونکہ لے دے کر بھلا برا یہی ایک مآ خذ ہے اس لیے اسے تمام تر ضائع بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ''ایام العرب'' اور یمن کی تاریخ کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کرنا پڑا۔ بالخصوص یمن کی تاریخ تو بالکل افسانوی طرز کی ہے۔ رہیں دوسری قومیں تو وہ خود اپنے بارے میں جو کچھ بتائیں اس کو نقل کرنے کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ بس ایک عقل مند شخص کو اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخ کے ذیل میں جو کچھ کہیں سے نقل کیا جائے وہ سب تحقیق طلب ہے۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ جن اصولوں پر مرتب کی وہ تحقیق کے کام کو آسان بناتے ہیں۔ دوسری قومیں، جو ان اصولوں سے ناآشنا ہیں ان کی تاریخ ہمیشہ کے لیے دھندلی ہی رہے گی۔

اسلام سے پہلے خود عربوں کے یہاں تاریخ کا تصور بس ایک قصہ اور داستان کا سا تھا۔ جسے یا تو دشمن کے خلاف کارروائیوں میں دل بڑھانے کے لیے یا آپس میں بیٹھ کر دل بہلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ خود اسلام کے زمانے میں یمن کی افسانوی تاریخ سے یہی کام لیا گیا۔ ایران کی تاریخ تو خاص طور پر اس مقصد کے لیے موزوں سمجھی گئی۔ قرآن مجید کے توڑ کے لیے رستم واسفندیار کے قصے مجلسوں میں سنائے گئے اور جس طرح قرآن کو شعر کہا گیا۔ اسی طرح ''اساطیر الاوّلین'' بھی کہا گیا۔ اسلام نے ان دونوں تہمتوں کا انکار کر کے زندگی کے حقائق اور تاریخ کے ''واقعات'' کو از روئے عقل سمجھنے اور سمجھ کر فرد اور معاشرہ کی اخلاقی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہونے کی دعوت دی اور حقیقت اور ''واقعہ'' کی چھان بین اور جستجو کا بیج اسلام ہی نے مسلمانوں کے ذہن میں بویا اس کے آثار صرف تاریخ ہی میں نمایاں نہیں بلکہ دیگر علوم میں بھی جلوہ گر ہیں۔

1.4 خبر کی معروضیت

''خبر'' کا طریقہ، خالصتاً معروضی ہے۔ راوی کا فرض یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ واقعہ بیان کر دے۔ مؤرخ کا یہ کام ہے کہ وہ اخبار کو جمع کر دے۔ نہ تو راوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی رائے اور داخلی تاثرات کو خبر میں شامل کرے اور نہ ہی مؤرخ اخبار جمع کرتے وقت ایسا کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر ایک واقعہ سے متعلق دو متضاد یا مختلف خبریں ہوں تو مؤرخ ان دونوں کو نقل کر کے ایک کو قوی اور دوسری کو ضعیف بتا دیتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب ایک عہد کے متعلق اخبار جمع ہو جائیں تو بعد میں آنے والے مؤرخ ان میں کوئی اضافہ یا ترمیم نہیں کر سکتے۔ بہت کیا تو یہ کہ پیشرو مؤرخین کے جمع کردہ اخبار میں سے اسناد حذف کر کے واقعات کے بیان میں کچھ اختصار اور ربط و تسلسل پیدا کر دیا۔ ہاں! اخبار کا سلسلہ جہاں پیشرو مؤرخین ختم کرتے ہیں بعد میں آنے والے وہاں سے شروع کر کے ''ذیل'' لکھتے ہیں۔ یعنی بعد کے دور کے اخبار اس نہج پر جمع کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ ذیول کا سلسلہ برابر آگے بڑھتا جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تاریخ میں خبر ہی خبر کا دور دورہ رہا۔ یہاں تک کہ یہ سمجھ لیا گیا کہ اس میں ''بحث ونظر'' کا کوئی کام نہیں۔ اس لیے اس کو ادب اور ثقافتِ عامہ کا ایک ایسا جز و قرار دے دیا گیا جس کو باقاعدہ حلقۂ درس

میں پڑھنے پڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پڑھنے والے خود ہی اپنے طور پر پڑھ لیا کرتے تھے بیشتر مؤرخین اپنے بہترین اوقات کسی دوسرے علم میں بحث ونظر کے لیے مخصوص کرتے تھے۔ جب دماغ سوزی سے تھک جاتے تو تفریح کے لیے تاریخ کا ہلکا پھلکا کام بھی کر ڈالتے تھے۔

تاریخ کے لیے دماغ سوزی اور باقاعدہ تعلیم وتعلّم کی ضرورت نہ ہونا اور بات ہے لیکن علم تاریخ کے ضروری، مفید اور دلچسپ ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا۔ ایک تو دینی علوم بالخصوص حدیث اور اسماء الرجال میں تاریخ کی مدد ناگزیر تھی۔ دوسرے حکام، عمال، امراء اور وزراء کے لیے تاریخ کی سبق آموزی مسلم تھی۔ ویسے بھی عام مجلسوں میں تاریخی معلومات سے ایک انسان کی تہذیب وشائستگی کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ چنانچہ بغیر اس کے کہ نصابِ تعلیم میں اس کا کوئی خاص اہتمام ہوتاریخ کا علم ترقی کرتا گیا اور اس کا رواج بڑھتا گیا۔

خود آزمائی ①

١) تاریخ حدیث کی اہمیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اپنی معلومات ترتیب کے ساتھ بیان کیجیے۔

٢) اخبار مع اسناد سے کیا مراد ہے۔ مسلمان علماء نے سند کی اہمیت پر کیوں زور دیا۔ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

٣) حدیث اور تاریخ کے باہمی ربط کی بنیادی وجوہات کی نشاندہی کیجیے۔

٤) ''طبقات'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمان علماء کی ایجاد ہے۔ اس موضوع پر اجمالی تبصرہ کیجیے۔

٥) خبر کی معروضیت سے کیا مراد ہے؟ کیا کوئی مؤرخ اپنی طرف سے خبر کے متن میں اضافہ کرسکتا ہے۔ خبر کے اس پہلو پر گفتگو کیجیے۔

② تاریخ کے بنیادی اصول اور علماء

مسلمان علماء نے بڑی ہی ٹھوس بنیادوں پر علم تاریخ کی شاندار عمارت قائم کی یہ بنیادیں وہ ہیں جو عقل کے نزدیک پوری طرح قابل اعتماد ہیں اور دیانت وامانت کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر پوری اترتی ہیں۔ جو جذبہ اس عمارت کی تعمیر میں کارفرما تھا وہ دین کے تحفظ کا جذبہ تھا اسی وجہ سے تاریخ کے سر پر تادیر علوم حدیث کا سایہ رہا۔ مسلمانوں کو حقیقت اور واقعہ سے ایسا شغف رہا کہ ان کا ادب بھی صدیوں تک قصہ وخرافات اور دیومالائی تخیلات کے بجائے تاریخ سے وابستہ رہا اور جب بھی تاریخ میں قصہ وخرافات کا رنگ آیا تو اسے شدید نفرت سے مٹادیا گیا۔ قُصّاص کے خلاف نہ صرف تادیبی بلکہ تعزیری کارروائیاں عمل میں آئیں۔ خبر اور اس کی روایت کے اعلیٰ معیار کو شدت کے ساتھ برقرار رکھتے ہوئے جہاں تک ترتیب وتصنیف کا تعلق ہے کوئی ممکن صورت ایسی نہیں جسے مسلمانوں نے نہایت سلیقہ سے نہ آزمایا ہو۔

2.1 تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

علامہ ابونصر اسماعیل بن حماد الجوہری (م۳۹۸ھ) اپنی کتاب ''صحاح'' میں لکھتے ہیں:

> ''تاریخ کے معنی ہیں وقت بتانا۔ تاریخ اور توریخ دونوں ایک ہیں۔''ارخت'' بھی بولتے ہیں اور ''ورخت'' بھی کہا جاتا ہے''۔

ابومنصور موہوب بن احمد الجوالیقی (م۵۳۹ھ) اپنی کتاب ''المعرّب من الكلام الأعجمي'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''تاریخ'' جو عام طور سے لوگ لکھتے ہیں، خالص عربی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں نے اہل کتاب سے لیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ ہجرت کے سن سے بتائی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس کے لکھنے کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد سے آج تک وہی تاریخ چلی آتی ہے''۔

اصطلاح میں تاریخ کے معنی ہیں، وقت بتا کر سارے احوال کو متعین کرنا۔ مثلاً راویوں کی ولادت، وفات، صحت، عقل وبدن، رحلت، حفظ ویادداشت، سچائی پر اعتماد (توثیق) اور عدمِ اعتماد (تجریح)، الغرض اس قسم کی تمام وہ باتیں جو ابتدائی، درمیانی اور مابعد زمانے میں ان کے حالات کی جستجو سے برآمد ہوتی ہیں۔ اسی ذیل میں مختلف حوادث اور بڑے بڑے واقعات بھی آتے ہیں:

2.2 تاریخ کے فوائد

۱) تاریخ کا فائدہ یہ ہے کہ سب باتوں کا صحیح علم حاصل ہو جائے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دو خبریں جن میں تعارض ہو اور دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کے منسوخ ہونے کے علم کا ایک ذریعہ تاریخ ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایسا وقت بتایا جائے جو بعد کا ہو مثلاً: میں نے اس کو اس کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا تھا یا اسی سے ملتی جلتی کوئی اور بات۔ دوسری صورت یہ ہے کہ روایت کسی بعد کے صحابی کی ہو اس کی تصریح کبھی کبھی راوی خود ہی کر دیتا ہے مثلاً آخر آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کے کھانے کے سبب وضوء کرنا چھوڑ دیا تھا جو آگ پر تیار کی گئی ہوں۔ ایسا ہی حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے قبل تو جب تک انزال نہ ہو غسل نہیں کرتے تھے لیکن بعد کو غسل کرنے لگے اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ دوسروں کو بھی آپ نے اس کی ہدایت دی۔

۲) تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو روایت بعض ''مختلطین'' (گڈمڈ کرنے والوں) کے حوالے سے پہنچی ہے وہ پرانی (یعنی ضبط میں کمی آنے سے پہلے کی) ہے یا بعد کی۔

۳) تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی جس شخص سے روایت کر رہا ہے اس سے کبھی ملا نہیں ہے بلکہ یا تو جھوٹ بول رہا ہے یا ارسال کر رہا ہے۔ اسی سے یہ پتہ لگتا ہے کہ سند میں کیا انقطاع ہے یا اعضال یا تدلیس یا ارسال۔ خواہ وہ ظاہر ہو یا خفی۔ کیونکہ تاریخ سے مثال کے طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی جس سے روایت کرتا ہے اس کا ہم عصر نہیں یا ہم عصر تو ہے لیکن کبھی اس سے ملا نہیں، اس لیے

کہ دونوں مختلف شہروں سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں میں سے کوئی نہ تو دوسرے شہر گیا نہ حج یا دیگر مواقع پر اس سے ملا۔ حالانکہ اس نے وہ حدیث بطور اجازۃ یا کتابۃ حاصل نہیں کی۔

جب بعض حفاظ حدیث کو یونس بن محمد المودب کے لیث بن سعد سے روایت کرنے میں اشکال نظر آیا اور خیال یہ ہوا کہ ان دونوں کے مابین سلسلہ منقطع ہے اس لیے کہ وہ مختلف شہروں کے تھے تو حافظ یوسف بن عبدالرحمٰن مزی (م ۷۴۲ھ) نے کہا: ''ممکن ہے وہ حج کے موقعہ پر ملے ہوں''۔ پھر کہا: ''بلکہ ممکن ہے بغداد میں ملے ہوں جب لیث بن سعد ایک خاص کام سے وہاں گئے تھے''۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ حافظ ابوبکر احمد بن علی، الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) کو امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) سے روایت کرنے والوں میں درج کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے تو امام مالک کے انتقال کے تقریباً تیس سال بعد سفر کیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ان کے مرنے کے بعد پیدا ہوئے۔ اسی طرح حافظ محمد بن محمود بن النجار (م ۶۴۳ھ) نے محمد بن الجہم السوسی کے حالاتِ زندگی کو محمد بن الجہم الشامی کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا اور السوسی کی سند سے ایک قصہ بیان کیا جسے انہوں نے المہتدی باللہ بن الواثق سے سنا کہ اپنے والد (الواثق) کی خلافت کے زمانے میں وہ ان کے سامنے حاضر ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ یہ بہت بڑا سہو ہے اس لیے کہ دراصل شامی نے اس قصہ کو سوسی کے انتقال کے تقریباً تیس سال بعد سنا اور مہتدی کے والد الواثق کی موت سوسی کی وفات کے تقریباً بیس سال بعد ہوئی۔

حافظ عبدالکریم بن احمد السمعانی (م ۵۶۲ھ) کو اپنی کتاب ''الأنساب''، باب القدّاحی میں یہ شبہ ہوا کہ عبداللہ بن میمون القدّاح نے امام اسماعیل بن جعفر الصادق کی موت کے بعد ان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کو امام علی بن محمد، ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) نے یوں رد کیا کہ اسماعیل اپنے والد امام جعفر صادق کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ قداح ان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے۔ اس صورت میں کہ ان کے والد معلوم وموجود ہوں۔

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد الجماعیلی المقدسی (۶۰۰ھ) نے ''الکمال'' میں جو یہ لکھا ہے کہ جابر بن نوح الحمانی (۲۰۳ھ) میں فوت ہوئے۔ تو حافظ مزی نے اسے خطا پر محمول کرتے ہوئے کہا ایسا نہیں بلکہ سن ۱۸۳ھ ہے۔ اس کے رد میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ شیخ مزی نے اپنی کتاب میں جو غلطیاں کی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ وہ عبدالغنی کی تائید میں امام زہری کا اور امام احمد بن حنبل کو جو شیخ حمانی سے روایت کرنے والوں میں سے ایک ہیں یہ قول لاتے ہیں کہ شیخ حمانی نے ۱۸۶ھ کے بعد ہی سفر کیا ہے۔ اسی طرح شیخ حمانی سے روایت کرنے والوں میں شیخ احمد بن بدیل القاضی (م ۲۵۸ھ) اور شیخ محمد بن طریف البجلی (م ۲۴۰ھ) ہیں اور ان دونوں نے ۱۹۰ھ کے بعد ہی حدیث سنی۔ ان سب وجوہ سے ''الکمال'' کے مصنف کا قول قابل ترجیح قرار پاتا ہے۔

کچھ حضرات نے مجمع بن یعقوب بن مجمع بن یزید بن جاریۃ الانصاری کی وفات ۱۶۰ھ میں بتائی ہے۔ حافظ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) کو اس میں تامل ہے اس لیے کہ قتیبہ بن سعید (م ۲۴۱ھ) کا سفر ۱۷۰ھ کے بعد ہی ہوا۔ البتہ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ قتیبہ نے ان سے روایت کی ہے۔

امام سفیان بن سعید الثوری (م ۱۶۲ھ) کہتے ہیں: جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم نے ان کے مقابلہ میں تاریخ کو لا کھڑا کیا۔ حماد بن زید کہتے ہیں کہ کذابین کے خلاف کوئی چیز اتنی کارگر نہیں جتنی تاریخ۔ ایک شیخ سے جب یہ پوچھا جائے کہ آپ کس سن میں پیدا ہوئے اور وہ اپنی پیدائش بتا دے ساتھ ہی ہمیں اس (کے شیخ) کی وفات کا بھی، جس سے وہ نسبت رکھتا ہے علم ہو جائے تو پھر ہم اس کا جھوٹ سچ پہچان لیتے ہیں۔

حفص بن غیاث القاضی (م ۱۹۶ھ) سے منقول ہے کہ ''جب تم کسی شیخ کی باتوں میں شک کرو تو دونوں عمروں سے اس کی جانچ پڑتال کر لو یعنی حساب لگا لو خود اس کی عمر کا اور جس سے وہ روایت کرتا ہے اس کی عمر کا''۔ شیخ اسماعیل بن عیاش (م ۱۸۲ھ) نے ایک شخص سے امتحاناً پوچھا: تم نے خالد بن معدان سے کس سال میں حدیث لکھی؟ اس نے جواب دیا: ۱۱۳ھ میں۔ اس پر انہوں نے کہا: اچھا تو

آپ کا کہنا یہ ہے کہ آپ نے ان کے مرنے کے سات سال بعد ان سے حدیث سنی۔

سہیل بن ذکوان ابوالسندی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی اور یہ بتایا کہ وہ حضرت عائشہؓ سے واسط میں ملے تھے۔ دیکھئے! یہ جھوٹ کا کیا نرالا انداز ہے۔ حضرت عائشہؓ تو حجاج کے شہر واسط کی بنا ڈالنے سے بہت پہلے فوت ہوگئی تھیں۔ (حضرت عائشہؓ کی وفات ۵۸ء میں ہوئی اور حجاج بن یوسف نے ۸۳ء اور ۸۶ء کے درمیان واسط کی بنیاد ڈالی)۔

اسی قسم کا قول احمد بن جعفر المناوی (م ۳۳۶ھ) کا ہے کہ امام سلیمان بن مہران، الأعمش (م ۱۴۸ھ) نے ابوبکرۃ نفیع بن الحارث الثقفی کی رکاب تھامی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ یہ فاش غلطی ہے اس لیے کہ امام اعمش کی پیدائش ۶۱ھ یا ۵۹ھ کی ہے اور ابوبکرۃ الثقفی کی وفات ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوئی۔ اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو ان کی پیدائش سے تقریبا دس سال پہلے وفات پا چکا ہو اس کی رکاب تھامے۔ حافظ ابن حجر نے مزید فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابن ابی بکرۃ کی رکاب تھامی۔ ''ابن'' کا لفظ تو چھوٹ گیا اور باقی لکھا رہا۔ انہیں اس بات پر تعجب بھی ہے کہ مزی جو اپنے حفظ اور ملکۂ نقد کے لیے مشہور ہیں کیسے اس سے بے خبر رہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں درج ہے کہ معلی بن عرفان نے کہا: ابو وائل شقیق بن سلمہ (م ۷۹ھ) نے مجھ سے خبر بیان کرتے ہوئے کہا: ''صفین میں عبداللہ بن مسعودؓ ہمارے مقابلے میں آئے ......''۔ اس پر ابونعیم یعنی الفضل بن دکین (م ۲۱۹ھ) جو کہ معلی سے حکایت کرتے ہیں کہتے ہیں: کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے؟ یہ اس بنا پر کہ ابن مسعودؓ خلافتِ عثمانؓ کے خاتمے سے تین سال قبل ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ اور جنگ صفین اس کے دو سال بعد حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ پس یہ ممکن نہیں کہ ابن مسعودؓ جنگ صفین میں ان کے مقابل آئے۔

اس قسم کی ایک بات یہ ہے کہ بعض حفاظ نے ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کے مذہب ''جریری'' کی نسبت محمد بن جریر الطبری (م ۱۶۳ھ) کی طرف بتائی ہے حالانکہ ابراہیم تو ابن جریر کے اساتذہ کے

طبقہ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی تاریخ پیدائش اور وفات سے پتہ چلتا ہے۔

(۴) علم تاریخ کے ذریعہ ان غلطیوں کا بھی پتہ لگ جاتا ہے جو متفقین (ہم نام رواۃ) کے سلسلہ میں واقع ہوتی ہیں۔ اس طور پر کہ ایک بات دوسرے کے پلے ڈال دی جائے جبکہ دونوں میں سے ایک کی پیدائش دوسرے کی وفات کے بعد ہو۔ مثلاً احمد بن نصر بن زیاد الہمدانی، جنہوں نے ۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ ان کی بابت یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ احمد بن نصر الداودی ہیں جن کی وفات ۴۰۲ھ میں ہوئی۔ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔

(۵) بسا اوقات تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ خطوط اور دستاویزات وغیرہ میں کیا ردوبدل کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ پتہ چل جائے کہ جس حاکم کی طرف ثبوت یا گواہ یا اسی قسم کے دیگر امور منسوب کئے گئے ہیں وہ خط یا دستاویز کی مندرجہ تاریخ سے پہلے ہی مر چکا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ بعض یہودیوں نے ایک خط پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا خط ہے جس میں انہوں نے اہل خیبر کو جزیہ کی معافی دی ہے۔ اس پر صحابہؓ کی شہادت تھی اور یہودیوں کا کہنا تھا کہ (وہ خط) حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

۴۴۷ھ میں خط القائم کے وزیر رئیس الرؤساء ابوالقاسم علی بن الحسن (م ۴۵۰ھ) کے پاس پہنچا تو انہوں نے الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادی کے سامنے رکھدیا۔ انہوں نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا: یہ جعلی ہے''۔ ان سے پوچھا گیا: آپ یہ کیسے کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں معاویہؓ کی شہادت ہے جو فتح مکہ (۸ھ) کے دن اسلام لائے تھے جبکہ فتح خیبر کا سال ۷ھ ہے۔ اس میں سعد بن معاذ کی بھی شہادت ہے حالانکہ وہ فتح خیبر سے دو سال قبل بنو قریظہ کی لڑائی میں فوت ہو گئے تھے۔ ان کی یہ بات وزیر کو بہت پسند آئی اس نے خطیب بغدادی کے تجزیہ کو مان لیا اور قرار دیا کہ یہ خط جعلی اور بے بنیاد ہے۔ خط کے جعلی ثابت ہونے کی وجہ سے یہودیوں کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔

عبدالکریم بن محمد الرافعی (م ۶۲۳ھ) اپنی کتاب تاریخ قزوین میں لکھتے ہیں کہ احمد بن عمر ابن

سریج (م ۳۰۶ھ) سے خیبر کے یہودیوں کے اس دعویٰ کی بابت پوچھا گیا کہ آیا حضرت علیؓ نے ان کو جزیہ کی معافی لکھ کر دی تھی تو انہوں نے کہا کہ کسی مسلمان راوی سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔

جب خطیب بغدادی نے مذکورہ بالا تجزیہ کیا تو رئیس الرؤساء ابو القاسم نے اس خط کے جعلی ہونے کی بابت ایک رسالہ لکھا اور ابو طالب طاہر بن عبد اللہ الطبری (م ۴۵۰ھ)، ابو نصر عبد السید بن محمد الصباغ (م ۴۷۷ھ)، محمد بن محمد البیضاوی (م ۴۶۸ھ)، محمد بن علی الدامغانی (م ۴۷۸ھ) اور دیگر معاصر ائمہ نے اس پر اپنی تصدیق ثبت کی۔

المعافی بن زکریا النہروانی (م ۳۹۰ھ) نے اپنی کتاب ''الجلیس'' میں معمر بن شبیب بن شیبہ کی سند سے لکھا ہے کہ انہوں نے مامون کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے شافعی کا ہر بات میں امتحان لیا اور باکمال پایا۔ صرف ایک بات رہ گئی ہے کہ میں ان کو اتنی نبیذ پلا کر دیکھوں جتنی ایک اچھے عقل مند انسان کو مغلوب کر دیتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے امام شافعی کو بلایا اور نبیذ پلائی لیکن امام شافعی کے ہوش وحواس ویسے کے ویسے رہے اور ان کے استدلال میں کوئی فرق نہ آیا۔

شیخ المعافی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اللہ ہی جانے یہ کہاں تک سچ ہے''۔ ہمارے شیخ اپنی کتاب ''لسان'' میں فرماتے ہیں: جس کو تاریخ سے ذرا بھی لگاؤ ہے۔ اس پر یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا کہ یہ سب جھوٹ ہے، وجہ یہ ہے کہ امام شافعی دوسری صدی ہجری کے اختتام پر مصر پہنچے تھے۔ مامون اس وقت خراسان میں تھا۔ اس کے بعد امام شافعی نے مصر میں اسی سال انتقال کیا جس سال کہ مامون خراسان سے عراق آیا۔ یہ ۲۰۴ھ تھا۔ الغرض امام شافعی کی مامون الرشید سے اس کے عہد خلافت میں ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ پھر یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے کہ امام شافعی ایسے فعل کے مرتکب ہوں گے۔ جب کہ ان کا قول یہ تھا کہ: ''اگر ٹھنڈے پانی سے میرے اخلاق میں خرابی پیدا ہو تو میں گرم پانی کے سوا دوسرا پانی نہ پیوں''۔

٦) تاریخ راوی کی یادداشت اور حفظ کی بھی ایک دلیل ہوتی ہے۔ مثلاً وہ روایت میں کہتا ہے: یہ پہلی روایت

ہے جو میں نے اپنے فلاں شیخ سے سنی"۔ یا فلاں آخری راوی ہے جو فلاں شیخ سے روایت کرتا ہے"۔ یا "فلاں موقع پر میں نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا"۔ یا "میں نے فلاں شیخ سے روایات اخذ کیں اس دور سے پہلے جب وہ ثقہ اور عادل نہ رہا۔ یا اس دور سے پہلے جب اس کے حفظ وضبط میں کمی آئی"۔ متون اور نصوصِ حدیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً پہلی چیز جو (نبوت کے سلسلہ میں) رسول اللہ ﷺ کو پیش آئی وہ سچا خواب ہے"۔ یا "سب سے پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ فلاں آیت ہے" یا "پہلی مسجد جو بلحاظ تعمیر مقدم ہے وہ مسجد حرام ہے اس کے بعد مسجد اقصیٰ۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی فرما دیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے" یا "پہلا بچہ جو اسلام کے دور میں یعنی مدینہ میں پیدا ہوا وہ عبداللہ بن الزبیر ہیں" یا "جیسے رسول اللہ ﷺ کا فرمانا کہ پیر کے دن میری پیدائش ہوئی"۔ اسی طرح صحابہ کرام کا یوں کہنا کہ ہم ایسا کرتے تھے یہاں تک کہ حبشہ پہنچے یا خیبر کی لڑائی کے دن رسول اللہ ﷺ نے ان ان باتوں سے منع فرمایا۔

اس سے ملتی جلتی اور بہت سی روایات ہیں مثلاً یوں کہنا کہ "قبل اس کے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو" اس قسم کے نصوص کی وجہ سے متقدمین اور متاخرین علماء میں سے کئی حضرات نے "اوائل" (اولیات) کو جمع کر کے کتابی شکل دی ہے۔ ابوزکریا مندہ (۵۱۱ھ) نے "آخر الصحابة موتاً" کو موضوع بنایا ہے۔ بعض متاخرین نے علی الاطلاق "اواخر" پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ اور چونکہ متون ومصادر حدیث میں اس قسم کی روایات آئی ہیں اس لیے عبدالرحمٰن بن عمر البلقینی (م۸۲۴ھ) نے اس پر ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے۔

"التبر المسبوک" کے مقدمہ میں حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

> "علم تاریخ حدیث نبوی ﷺ کے فنون میں سے ہے۔ یہ اتنا عمدہ اور دلچسپ فن ہے کہ اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں بشرطیکہ اس میں سیدھا اور مناسب راستہ اختیار کیا جائے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے اس کا اثر بہت گہرا ہے اور شریعت کے لیے اس کا فائدہ مسلم ہے۔ بڑے پائے اور مرتبہ کے لوگ اس

کے ذریعہ ناسخ اور منسوخ کو پہچانتے ہیں۔ اسی سے ملاقات کا دعویٰ کرنے والے کا جھوٹ کھلتا ہے اور اوپر تک سلسلہ قائم کرنے میں وہ جس تحریف کا مرتکب ہوتا ہے وہ سامنے آ جاتی ہے۔ اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ جس شیخ سے وہ روایت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ خود اس کی پیدائش سے پہلے ہی مر چکا ہوتا ہے۔ یا اس کے حفظ وضبط میں کمی آ چکی ہوتی ہے اور علماء رجال کے ہاں قابلِ اعتماد نہیں ہوتا۔ یا یہ کہ وہ اپنے شہر سے باہر نہیں گیا اور جو اس سے روایت کرنے کا مدعی ہے وہ کبھی اس کے شہر میں داخل نہیں ہوا۔

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:

''فن تاریخ کی برتری اور اہمیت کے لیے اتنا کافی ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی ''تاریخ'' مدینہ منورہ میں روضۂ نبوی ﷺ کے پاس تالیف کی۔ آپ چاندنی راتوں میں لکھا کرتے تھے اور ''تاریخ'' کو اور ''صحیح'' کو برابر درجہ دیتے تھے۔ وہی ''صحیح''، جس کے ابواب قبر نبوی ﷺ اور منبر نبوی ﷺ کے مابین جگہ بدل بدل کر لکھتے تھے اور ہر عنوان پر دو رکعت ادا کرتے تھے۔ تاریخ اور حدیث کا رشتہ لازم وملزوم کا ہے اس لیے کہ حدیث کی قدر و قیمت پہچاننے کا تاریخ کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں''۔

2.3 علم تاریخ اور علم طبقات

امام ابن جماعۃ، عبدالعزیز بن محمد (م ۷۶۷ھ) کہتے ہیں:

''ایک چیز جو مشکل بھی ہے اور ضروری بھی وہ یہ کہ علم تاریخ اور علم طبقات کا فرق سمجھا جائے۔ اور ان دونوں کے موضوع اور مقصود میں جو فرق ہے وہ بھی معلوم رہے''۔

آپ لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اصل میں تو دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ البتہ مختلف اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں''۔

حافظ سخاوی اس ضمن میں کہتے ہیں:

''دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ راویوں کا حال بیان کرنے کی حد تک دونوں ایک ہیں۔ اس کے بعد تاریخ صرف واقعات کو لیتی ہے اور طبقات میں یہ ہوتا ہے کہ مثال کے طور پر ایک بدری (جنگِ بدر میں شریک) ہے جس کی وفات اس شخص کے بعد ہوئی جو غزوۂ بدر میں شریک نہ تھا۔ تاہم اس بعد میں مرنے والے کا ذکر پہلے ہوگا''۔

اصول تو یہی ہے لیکن متقدمین کے بعد جو مؤلفین آئے انہوں نے اس اصول کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور وہ طبقہ میں شمولیت کے لیے وفات کے قرب کا لحاظ کرتے ہیں۔ بعض متاخرین نے تاریخ اور طبقات میں یہ فرق بتایا ہے کہ تاریخ اصل میں پیدائش اور وفات بتانے کا اہتمام کرتی ہے اور ضمنی طور پر حالاتِ زندگی سے بحث کرتی ہے۔ اس کے برخلاف طبقات میں اصل اہتمام حالاتِ زندگی کا ہوتا ہے اور ضمنی طور پر پیدائش اور وفات کا لیکن اس فرق میں اتنا زیادہ وزن معلوم نہیں ہوتا۔

2.4 رواۃِ حدیث پر جرح کرنے کا جواز

بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ متاخرین کے لیے رواۃ پر جرح کرنا اور ان کے بارے میں کلام کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ غیبت میں داخل ہے اور چونکہ وہ روایات جن کی خاطر اس امر کی اجازت تھی ان کے جمع کرنے کا کام پہلے ہی انجام پا چکا ہے اس لیے اب یہ سب بے فائدہ ہے۔ ابو عمر، محمد بن عثمان بن المرابط (م ۷۵۲ھ) کا کہنا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد جرح لا حاصل ہو کر رہ گئی ہے۔ اس موقف کے حامل حضرات بڑی بے باکی کے ساتھ محدثین پر عیب لگاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بعد کے مؤرخین جیسے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے ہاں جو معائب کا ذکر ہے یہ محض غیبت ہے۔ حافظ سخاوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''جرح کے جواز میں صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ مبنی بر نصیحت اور مبنی بر حقیقت ہو۔ اس کو روایت تک بھی محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لیے کہ بہت سے ایسے مواقع بتائے گئے ہیں جہاں کسی شخص کے بارے میں اس کو بری لگنے والی بات کہی جا سکتی ہے اور ایسی بات عیب میں شمار نہیں ہو گی بلکہ فرض اور نصیحت و خیر خواہی کے درجہ میں ہو گی۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص کو کچھ اختیارات حاصل ہوں اور وہ ان کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دیتا ہو یا اہلیت ہی نہ رکھتا ہو یا یہ کہ فاسق اور غیر سنجیدہ ہو یا کوئی اور ایسی ہی بات ہو تو اس کا ذکر کیا جائے گا تا کہ وہ شخص ہٹایا جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص مقرر کیا جائی جو اہل اور مستعد ہو''۔

امام احمد بن حنبل کو جب عسکر بن محمد بن حسین ابوتراب بخشی (م ۲۴۵ھ) نے جرح سے روکتے ہوئے کہا: ''دوسروں کی غیبت نہ کیجئے'' تو امام احمد نے جواب دیا: خدا تمہیں سمجھے، یہ نصیحت ہے نہ کہ غیبت۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ تو روزہ اور نماز سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿وقل الحقّ من ربكم﴾ اور ارشادِ خداوندی ہے: ﴿إن جاء كُم فاسق بنبأ فتبيّنوا﴾ یہی وجہ ہے کہ جرح، حرام غیبت سے مستثنیٰ ہے بلکہ مسلمانوں کا اس کے جواز پر اجماع ہے۔ یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ اس کو ضرورت کے پیش نظر واجبات میں شمار کیا گیا ہے۔ امام یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) کا کہنا ہے کہ ہم ان لوگوں کی بابت گفتگو کرتے ہیں جو جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا چکے ہیں۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں:

''جب سے میں نے یہ سنا کہ غیبت حرام ہے کسی کی غیبت نہیں کی''۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں بکر بن منیر کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں:

''میں نے امام بخاری کو کہتے سنا ہے کہ مجھے امید ہے جب میں خدا سے ملوں گا تو مجھ سے کسی کی غیبت کرنے کی بابت کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی''۔

جب امام بخاری کے ورّاق، محمد بن ابی حاتم نے ان کو یہ کہتے سنا کہ: ''آخرت میں مجھ سے جھگڑنے والا کوئی نہ ہوگا''۔ تو انہوں نے امام بخاریؒ سے بعینہ یہ لفظ کہے: ''بعض لوگ آپ کی تاریخ سے خوش نہیں ہیں کہتے ہیں اس میں لوگوں کی غیبت پائی جاتی ہے''۔ امام بخاری نے یہ سن کر کہا: ہم تو صرف ان باتوں کے روایت کرنے

والے ہیں۔ اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ نہیں کہا ہے۔ امام بخاری رواۃ پر جرح کرتے وقت بہت محتاط رہتے ہیں۔ اکثر اتنا ہی کہتے ہیں "یہ محل نظر ہے"۔ "اس کے بارے میں لوگ خاموش ہیں"۔ "اس کو لوگوں نے نظر انداز کر دیا ہے"۔ یا ایسی ہی کوئی اور بات۔ آپ کسی راوی کے بارے میں بہت کم یوں کہتے ہیں کہ فلاں جھوٹا ہے۔ حدیثیں گھڑتا ہے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں: "فلاں نے اس کو جھوٹا بتایا ہے"۔ "فلاں نے اس پر الزام لگایا ہے"۔

جو حضرات جرح کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تو شریعت کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا حق بہر حال مقدم ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) نے اس کی وضاحت کی ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا: کیا آپ کو اس بات کا ڈر نہیں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ سے جھگڑیں گے؟۔ اس کے جواب میں امام قطان نے فرمایا: یہ لوگ مجھ سے جھگڑیں یہ میرے نزدیک کہیں بہتر ہے اس سے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے جھگڑیں اس بات پر کہ میں نے ان کی حدیث کا بچاؤ نہیں کیا"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی سے جب جرح رواۃ کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا: محدث کے فن کا تو اصل کام ہی جرح وتعدیل ہے جو شخص اس بات پر محدث کو برا کہے کہ وہ کھلم کھلا فسق کرنے والے کی برائی ظاہر کرتا ہے یا ان لوگوں کی برائی بیان کرتا ہے جن میں ناپسندیدہ عیوب ہوتے ہیں تو وہ جاہل اور کم فہم ہے۔ یا پھر ان ناپسندیدہ لوگوں کی برائیوں میں شریک ہے اور ڈرتا ہے کہ ان کی بابت جو کچھ کہا جائے اس کا اطلاق خود اس پر نہ ہو"۔

خود آزمائی ②

۱) علماء اسلام نے تاریخ کے بنیادی اصولوں کو انتہائی احتیاط کے ساتھ وضع کیا۔ اس کی وجوہات اور اسباب پر بحث کیجئے۔

۲) تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔

۳) تاریخ کے فوائد کئی حوالوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ ان فوائد پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

۴) علم تاریخ اور علم طبقات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اجمالی تجزیہ کیجئے۔

۵) رواۃِ حدیث پر جرح کرنے کے جواز اور عدمِ جواز کے بارے میں علماء حدیث کے اقوال پیش کیجئے۔



یونٹ نمبر ⑨

علماء رجال

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق علماء رجال سے ہے۔ اس سے پہلے آپ تاریخ حدیث کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ علماء حدیث کے ہاں رواۃ حدیث کی جو تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ یہ بہت وسیع لٹریچر پر مشتمل ہے۔ ہر دور کے علماء نے اس میدان میں کام کیا ہے اور اس طرح ہزاروں تالیفات وجود میں آئی ہیں۔ اس وقت حدیث سے متعلق جتنے بھی علماء پہلی صدی سے لے کر آج تک گزرے ہیں ان سب کی تاریخ الحمد للہ ہمارے پاس موجود ہے۔ علم رجال وہ منفرد علم ہے جو مسلمان علماء کی ایجاد اور خاصہ ہے۔ ڈاکٹر سپرنگر نے اسی کے بارے میں کہا تھا کہ یہ علم مسلمانوں کے علاوہ اور کسی قوم کے پاس نہیں۔ اور مسلمان اس علم پر جتنا چاہیں فخر کر سکتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کے ضروری ہے کہ وہ علم رجال اور علماء رجال کے بارے میں پوری طرح جانتے ہوں۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے طلبہ اس جانب بہت کم توجہ دیتے ہیں علم رجال اور اس علم سے تعلق رکھنے والے علماء کے بارے میں ہمارے طلبہ کو بہت کم آگاہی ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء رجال میں سے جو معروف اور مشہور حضرات ہیں ان کے بارے میں کم از کم طلبہ کو بنیادی معلومات حاصل ہوں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ ابتدائی نو صدیوں کے علماء رجال کا مختصر تعارف طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور ان علماء کی تالیفات کا تذکرہ بھی کیا جائے تا کہ جو طلبہ اس مجال میں آ کر مزید کام کرنا چاہیں وہ اس کی بنیاد پر اصل مصادر اور مآخذ تک رسائی حاصل کر سکیں آپ اس یونٹ کا مطالعہ کریں۔ اور پوری توجہ کیساتھ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

① علماء رجال

رجال اور رواۃِ حدیث سے بحث کرنے والے علماء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان سب کا تذکرہ کرنا اور ان کی خدمات پر گفتگو کرنا یونٹ میں بہت مشکل ہے۔ علماء رجال اور ان کی خدمات سے واقفیت چونکہ حدیث کے طلبہ کے لیے نہایت ضروری ہے اس لیے یہاں اختصار کے ساتھ ان حضرات کے نام طبقات کی ترتیب کے مطابق جمع کئے جاتے ہیں۔ تا کہ طلبہ کے سامنے اس فن سے متعلق خدمات وآثار کی ایک جھلک آ جائے۔

حافظ ابن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل'' کے مقدمہ میں اپنے دور تک بہت سارے حضرات کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم انہی کی پیروی کرتے ہوئے ان علماء کا تذکرہ کریں گے۔

1.1 طبقہ نمبر ۱: صحابہ کرامؓ

۱- ابو حفص عمر بن الخطاب القرشی، العدوی: خلیفۂ راشد، آپ کی پیدائش ہجرت سے چالیس برس پہلے ہوئی اور ۲۳ھ میں مدینہ میں آپ کو شہید کیا گیا۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ عمر فاروق پہلی شخصیت ہے۔ جس نے روایت ودرایت کے اصولوں کا اہتمام کیا۔

۲- ابو الحسن، علی بن ابی طالب القرشی الہاشمی: خلیفۂ راشد، آپ ہجرت سے تیئس سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۰ھ میں کوفہ میں شہید کئے گئے۔ آپ رواۃ کی روایت کو ہر پہلو سے دیکھنے کے بعد قبول کرتے تھے۔

۳- ابو العباس عبداللہ بن عباس القرشی الہاشمی: آپ ہجرت سے تین سال پہلے [illegible]

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ علماء رجال کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔

⇦ طبقہ نمبر ا کے رواۃ کی فہرست تیار کر سکیں۔

⇦ طبقہ نمبر ۲ کے رواۃ اور ان کی خصوصیات بتا سکیں۔

⇦ طبقہ نمبر ۳ سے طبقہ نمبر ۶ تک کے رواۃ کی خدمات پر بحث کر سکیں۔

⇦ طبقہ نمبر ۷ تا طبقہ نمبر ۹ کے رواۃ اور ان کی مرتب کردہ تالیفات کے بارے میں تفصیل بتا سکیں۔

⇦ طبقہ نمبر ۱۰ تا طبقہ نمبر ۱۱ کے رواۃ میں سے اہم ترین علماء رجال کا تعارف کروا سکیں۔

⇦ علماء رجال کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔

⇦ طبقہ نمبر ۱۰ تا طبقہ نمبر ۱۲ کے رواۃ کی تالیفات کی اہمیت اور افادیت واضح کر سکیں۔

⇦ طبقہ نمبر ۱۳ تا طبقہ نمبر ۲۴ کے رواۃ کی ایک تفصیلی فہرست تیار کر سکیں۔

۴- ابو یوسف، عبداللہ بن سلام الاسرائیلی: عبداللہ بن سلام ۴۳ھ تک حیات رہے۔

۵- ابوالولید، عبادۃ بن الصامت الخزرجی، الانصاری: آپ ہجرت سے اڑتیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور ۳۴ھ میں رملۂ فلسطین کے قیام کے بعد انتقال فرمایا۔

۶- ابوثمامہ، انس بن مالک، الخزرجی الانصاری: آپ مدینہ منورہ میں ہجرت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۹۰ھ کے بعد انتقال فرمایا۔

۷- امّ عبداللہ، عائشہ بنت ابوبکر صدیقؓ: آپ کی پیدائش ہجرت سے نو سال پہلے ہوئی۔ اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے رواۃِ حدیث پر بھی کلام کیا اور متونِ حدیث کی بھی جانچ پڑتال کی۔

1.2 طبقہ نمبر ۲: تابعین

تابعین میں سے حافظ ابن عدی نے چند حضرات کا ذکر کیا ہے جیسے ابوعمرو، عامر بن شراحیل الشعبی الکوفی (م ۱۰۳ھ)، ابوبکر محمد بن سیرین البصری (م ۱۱۰ھ)، ابومحمد سعید بن المسیب المدنی (م ۹۴ھ)، ابوعبداللہ سعید بن جبیر الکوفی (م ۹۵ھ)۔ لیکن ان کے بعد آنے والوں کی بہ نسبت ان میں ایسے رواۃ کم ہیں جن پر کلام کیا گیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے شیوخ و اساتذہ ایسے ہیں کہ ان میں ضعف بہت کم پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر تو ان میں سے صحابہ ہیں جن کی عدالت اور ثقاہت مسلّم ہے اور جو صحابہ نہیں ہے ان میں بھی اکثر ثقہ اور عادل ہیں۔ پہلے قرن (دور) میں جو صحابہ اور کبارِ تابعین پر ختم ہوتا ہے بمشکل ہی کوئی ضعیف راوی اس دور میں ملتا ہے۔ اکا دکا کی بات اور ہے جیسے الحارث بن عبداللہ الاعور اور مختار بن ابوعبید کذاب۔ جب پہلا قرن (دور) اختتام پذیر ہوا اور دوسرا

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کررہے ہیں۔ اس کا تعلق علماء رجال سے ہے۔ اس سے پہلے آپ تاریخ حدیث کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ علماء حدیث کے ہاں رواۃ حدیث کی جو تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ یہ بہت وسیع لٹریچر پر مشتمل ہے۔ ہر دور کے علماء نے اس میدان میں کام کیا ہے اور اس طرح ہزاروں تالیفات وجود میں آئی ہیں۔ اس وقت حدیث سے متعلق جتنے بھی علماء پہلی صدی سے لے کر آج تک گزرے ہیں ان سب کی تاریخ الحمدللہ ہمارے پاس موجود ہے۔ علم رجال وہ منفرد علم ہے جو مسلمان علماء کی ایجاد اور خاصہ ہے۔ ڈاکٹر سپرنگر نے اسی کے بارے میں کہا تھا کہ یہ علم مسلمانوں کے علاوہ اور کسی قوم کے پاس نہیں۔ اور مسلمان اس علم پر جتنا چاہیں فخر کرسکتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کے ضروری ہے کہ وہ علم رجال اور علماء رجال کے بارے میں پوری طرح جانتے ہوں۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے طلبہ اس جانب بہت کم توجہ دیتے ہیں علم رجال اور اس علم سے تعلق رکھنے والے علماء کے بارے میں ہمارے طلبہ کو بہت کم آگاہی ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء رجال میں سے جو معروف اور مشہور حضرات ہیں ان کے بارے میں کم از کم طلبہ کو بنیادی معلومات حاصل ہوں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ ابتدائی نو صدیوں کے علماء رجال کا مختصر تعارف طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور ان علماء کی تالیفات کا تذکرہ بھی کیا جائے تا کہ جو طلبہ اس مجال میں آکر مزید کام کرنا چاہیں وہ اس کی بنیاد پر اصل مصادر اور مآخذ تک رسائی حاصل کرسکیں آپ اس یونٹ کا مطالعہ کریں۔ اور پوری توجہ کیساتھ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- علماء رجال کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- طبقہ نمبر ا کے رواۃ کی فہرست تیار کر سکیں۔
- طبقہ نمبر ۲ کے رواۃ اور ان کی خصوصیات بتا سکیں۔
- طبقہ نمبر ۳ سے طبقہ نمبر ۶ تک کے رواۃ کی خدمات پر بحث کر سکیں۔
- طبقہ نمبر ۷ تا طبقہ نمبر ۹ کے رواۃ اور ان کی مرتب کردہ تالیفات کے بارے میں تفصیل بتا سکیں۔
- طبقہ نمبر ۱۰ تا طبقہ نمبر ۱۱ کے رواۃ میں سے اہم ترین علماء رجال کا تعارف کروا سکیں۔
- علماء رجال کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- طبقہ نمبر ۱۰ تا طبقہ نمبر ۱۲ کے رواۃ کی تالیفات کی اہمیت اور افادیت واضح کر سکیں۔
- طبقہ نمبر ۱۳ تا طبقہ نمبر ۲۴ کے رواۃ کی ایک تفصیلی فہرست تیار کر سکیں۔

① علماءرجال

رجال اور رواۃِ حدیث سے بحث کرنے والے علماء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان سب کا تذکرہ کرنا اور ان کی خدمات پر گفتگو کرنا یونٹ میں بہت مشکل ہے۔ علماء رجال اور ان کی خدمات سے واقفیت چونکہ حدیث کے طلبہ کے لیے نہایت ضروری ہے اس لیے یہاں اختصار کے ساتھ ان حضرات کے نام طبقات کی ترتیب کے مطابق جمع کئے جاتے ہیں۔ تاکہ طلبہ کے سامنے اس فن سے متعلق خدمات وآثار کی ایک جھلک آ جائے۔

حافظ ابن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل'' کے مقدمہ میں اپنے دور تک بہت سارے حضرات کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم انہی کی پیروی کرتے ہوئے ان علماء کا تذکرہ کریں گے۔

1.1 طبقہ نمبر ا: صحابہ کرامؓ

۱- ابوحفص عمر بن الخطاب القرشی، العدوی: خلیفۂ راشد، آپ کی پیدائش ہجرت سے چالیس برس پہلے ہوئی اور ۲۳ھ میں مدینہ میں آپ کو شہید کیا گیا۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ عمر فاروق پہلی شخصیت ہے جس نے روایت ودرایت کے اصولوں کا اہتمام کیا۔

۲- ابوالحسن، علی بن ابی طالب القرشی الہاشمی: خلیفۂ راشد، آپ ہجرت سے تئیس سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۰ھ میں کوفہ میں شہید کئے گئے۔ آپ رواۃ کی روایت کو ہر پہلو سے دیکھنے کے بعد قبول کرتے تھے۔

۳- ابوالعباس عبداللہ بن عباس القرشی الہاشمی: آپ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور ۶۸ھ میں قیامِ طائف کے دوران میں انتقال فرمایا۔ ابن عباس کا شمار طبقۂ صحابہؓ میں ائمہ تفسیر وحدیث میں ہوتا ہے۔

۴- ابو یوسف، عبداللہ بن سلام الاسرائیلی: عبداللہ بن سلام ۴۳ھ تک حیات رہے۔

۵- ابوالولید، عبادۃ بن الصامت الخزرجی، الانصاری: آپ ہجرت سے اڑتیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور ۳۴ھ میں رملہ فلسطین کے قیام کے بعد انتقال فرمایا۔

۶- ابوثمامہ، انس بن مالک، الخزرجی الانصاری: آپ مدینہ منورہ میں ہجرت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۹۰ھ کے بعد انتقال فرمایا۔

۷- امّ عبداللہ، عائشہ بنت ابوبکر صدیقؓ: آپ کی پیدائش ہجرت سے نو سال پہلے ہوئی۔ اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے رواۃِ حدیث پر بھی کلام کیا اور متونِ حدیث کی بھی جانچ پڑتال کی۔

1.2 طبقہ نمبر ۲: تابعین

تابعین میں سے حافظ ابن عدی نے چند حضرات کا ذکر کیا ہے جیسے ابوعمرو، عامر بن شراحیل الشعبی الکوفی (م ۱۰۳ھ)، ابوبکر محمد بن سیرین البصری (م ۱۱۰ھ)، ابومحمد سعید بن المسیب المدنی (م ۹۴ھ)، ابوعبداللہ سعید بن جبیر الکوفی (م ۹۵ھ)۔ لیکن ان کے بعد آنے والوں کی بہ نسبت ان میں ایسے رواۃ کم ہیں جن پر کلام کیا گیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے شیوخ واساتذہ ایسے ہیں کہ ان میں ضعف بہت کم پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر تو ان میں سے صحابہ ہیں جن کی عدالت اور ثقاہت مسلّم ہے اور جو صحابہ نہیں ہے ان میں بھی اکثر ثقہ اور عادل ہیں- پہلے قرن (دور) میں جو صحابہ اور کبارِ تابعین پر ختم ہوتا ہے بمشکل ہی کوئی ضعیف راوی اس دور میں ملتا ہے۔ اکا دکا کی بات اور ہے جیسے الحارث بن عبداللہ الاعور اور مختار بن ابوعبید کذاب- جب پہلا قرن (دور) اختتام پذیر ہوا اور دوسرا قرن (دور) آیا تو اس کے شروع ہی میں متوسط تابعین میں چند ایسے "ضعیف" راوی پائے گئے جن کو احادیث کے ٹھیک یاد رکھنے اور روایت کرنے کے بارے میں بسا اوقات ضعیف قرار دیا گیا۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ وہ موقوف روایات کو مرفوع بنا ڈالتے ہیں۔ اور ارسال تو بہت زیادہ کرتے ہیں اور غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابو

ہارون، عمارۃ بن جوین العبدی البصری (م۱۳۴ھ) کی مثال ہے۔ جب طبقۂ وسطیٰ کے تابعین کا دور ختم ہوا اور تبع تابعین کا دور شروع ہوا تو کئی علماء نے توثیق اور تجریح کے بارے میں بولنا شروع کیا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت (م۱۵۰ھ) نے کہا: میں نے جابر بن یزید الجعفی (م۱۲۸ھ) سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ امام ابومحمد سلیمان بن مہران الاعمش (م۱۴۸ھ) نے بھی چند رواۃ کو ضعیف اور چند کو ثقہ بتایا۔ امام شعبہ بن الحجاج البصری (م۱۶۰ھ) نے بھی رجال کو پرکھا۔ امام شعبہ بڑے محتاط تھے اور ثقہ رواۃ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے تھے۔ یہی حال امام مالک بن انس الاصبحی (م۱۷۹ھ) کا تھا۔ اس دور میں جن علماء کا سکہ چلتا تھا اور جن کی بات آنکھیں بند کر کے قبول کی جاتی تھی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

1.3 طبقہ نمبر۳:

۱- ابوعروۃ، معمر بن راشد الأزدی البصری الیمنی: آپ ۹۵ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۳ھ میں صنعاء میں قیام کے دوران انتقال کیا۔ اپنے دور کے بہت بڑے محدّث اور فقیہ تھے۔ حدیث میں آپ نے ایک ''جامع'' مرتب کی لیکن اس کا نسخہ اب نایاب ہے۔ البتہ آپ کی روایات مصادرِ حدیث میں بکثرت پھیلی ہیں۔

۲- ابوبکر، ہشام بن ابوعبداللہ الدستوائی البصری (م۱۵۴ھ)

۳- ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن یحمد الاوزاعی الشامی (م۱۵۷ھ)

۴- ابوعبداللہ عبدالعزیز بن عبداللہ الاصبہانی المدنی (م۱۶۴ھ)

۶- ابوسلمۃ حماد بن سلمۃ بن دینار البصری (م۱۶۷ھ)

۷- ابوالحارث، لیث بن سعد (م۱۷۵ھ): آپ اپنے دور میں اہل مصر کے امام اور پیشوا تھے۔ مصر میں آپ کا نام انتہائی عقیدت واحترام سے لیا جاتا تھا۔

1.4 طبقہ نمبر۴:

ان کے بعد جو طبقہ ہے اس میں مندرجہ ذیل حضرات آتے ہیں:

۱- ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک المروزی (م۱۸۱ھ)

۲- ابومعاویہ ہشیم بن بشیر الواسطی البغدادی (م۱۸۳ھ)

۳- ابواسحٰق ابراہیم بن محمد الفزاری الکوفی (م۱۸٦ھ)

۴- ابومسعود المعافی بن عمران الأزدی الموصلی (م۱۸۵ھ)

۵- ابواسماعیل بشر بن المفضل البصری (م۱۸٦ھ)

٦- ابومحمد سفیان بن عیینہ الکوفی (م۱۹۸ھ)

انہی کے زمانے میں ایک طبقہ اور تھا جس میں مندرجہ ذیل شیوخ آتے ہیں:

1.5 طبقہ نمبر۵:

۱- ابوبشر اسماعیل بن ابراہیم ابن علیۃ البصری (م۱۹۳ھ)

۲- ابومحمد عبداللہ بن وہب المصری (م۱۹۷ھ)

۳- ابوسفیان وکیع بن الجراح الرواسی الکوفی (م۱۹۷ھ)

اسی دور میں یحییٰ بن سعید القطان (م۱۹۸ھ) اور عبدالرحمٰن بن مہدی البصری (م۱۹۸ھ) نے رواۃِ حدیث پر خوب کام کیا۔ ان دونوں حضرات نے جس کو ثقہ قرار دیا اس کی ثقاہت مسلّم ہوگئی اور جس کو ان دونوں نے ضعیف قرار دیا اس کے ضعف کو علماء نے تسلیم کرلیا۔ اور جس راوی کے بارے میں ان دونوں کی رائے مختلف ہوئی اس میں علماء نے اجتہاد سے کام لیا۔ لیکن ایسے رواۃ نہ ہونے کے برابر ہیں جن کے بارے میں ان دونوں حضرات کی رائے مختلف رہی ہوگی۔

1.6 طبقہ نمبر ٦:

ان کے بعد وہ علماء جنہیں مسلمہ حیثیت حاصل ہوئی مندرجہ یل ہیں:

۱- امام شافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس المطلبی، آپ غزہ فلسطین میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔ امام شافعی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے روایت ودرایت کے اصول ومبادی کو مدوّن کیا۔ رواۃ اور روایات پر کلام کیا۔ اتصال اور انقطاع کے فرق کو واضح کیا۔

۲- ابوخالد یزید بن ہارون الواسطی (م۲۰۶ھ)

۳- ابوداؤد سلیمان بن داؤ الطیالسی البصری (م۲۰۴)

۴- ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الحمیری الصنعانی (م۲۱۱ھ۹

۵- ابوعبداللہ محمد بن یوسف الفریابی (م۲۱۲ھ)

۶- ابوعاصم، ضحاک بن محمد مخلد بصری، النبیل (م۲۱۲ھ)

1.7 طبقہ نمبر ۷:

اس کے بعد جو طبقہ ہے اس میں مندرجہ ذیل شیوخ آتے ہیں:

۱- ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی المکی (م۲۱۹ھ)

۲- ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی المدنی البصری (م۲۲۱ھ)

۳- ابوعبید القاسم بن سلام الہروی البغدادی (م۲۲۴ھ)

۴- ابوزکریا یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری (م۲۲۶ھ)

۵- ابوالولید ہشام بن عبدالملک الطیالسی، البصری (م۱۳۳ھ)

اس کے بعد جرح وتعدیل اور "علل" (روایات کے مخفی عیوب) پر باقاعدہ تصنیف وتالیف کا کام شروع ہوا۔ مواد جمع کیا گیا اور کتابیں لکھی گئیں۔ اور صاف صاف بتا دیا گیا کہ کون وثوق واعتماد کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے، کون عیوب ونقائص سے بالکل صاف اور سالم ہے اور کون کمزور اور سقیم وناقابل اعتماد ہے۔

مذکورہ بالا شیوخ کے علاوہ اس دور میں "رجال" اور "علل" کے سب سے بڑے امام ابوزکریا، یحییٰ بن معین البغدادی (م ۲۳۳ھ) تھے۔ حفاظ حدیث رواۃِ حدیث کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اس لیے بعض رجال کے بارے میں آپ کی رائے مختلف ملتی ہے۔

علماء حدیث کے ہاں آپ کو "مجتہد فی الرجال" کی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح استنباط واجتہاد میں مجتہدین کے اقوال مختلف ہوتے ہیں اسی طرح رجال اور رواۃ کے بارے میں امام ابن معین کے اقوال مختلف ملتے ہیں۔ امام ابن معین کے طبقہ میں امام احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) بھی آتے ہیں۔ امام احمد کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کے تلامذہ "رجال" کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ امام احمد جرح وتعدیل کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے اس لیے علماء حدیث کے ہاں آپ کی رائے کو بہت زیادہ وقعت اور اہمیت دی جاتی ہے۔ ابوعبداللہ، محمد بن سعد البصری، البغدادی (م ۲۳۰ھ) نے بھی اپنی کتاب "الطبقات الکبریٰ" میں رجال پر بحث کی ہے۔ اسی طرح ابوخیثمہ، زہیر بن حرب البغدادی (م ۲۳۴ھ) نے بھی رجال سے متعلق متقدمین کے اقوال جمع کئے ہیں جنہیں ان کے بیٹے احمد بن زہیر نے ترتیب دی۔

1.8 طبقہ نمبر ۸:

اس دور کے دوسرے آئمہ جرح وتعدیل حسب ذیل ہیں:

۱- ابوجعفر، عبداللہ بن محمد النفیلی، الحرانی (م ۲۳۴ھ) آپ "حافظ الجزیرۃ" کہلاتے ہیں۔ امام ابوداؤد نے آپ کے بارے میں کہا تھا: "میں نے ابوجعفر النبیل سے بڑھ کر حدیث کا حافظ نہیں دیکھا"۔

۲- علی بن المدینی، ابوالحسن علی بن عبداللہ (م ۲۳۴ھ): آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ مستند

اور معتمد عالم تھے۔ آپ نے ''علل'' اور ''رجال'' پر بنیادی مواد جمع کیا۔ ''العلل''، ''الاسامی والکنی''، ''الطبقات'' اور ''التاریخ'' آپ کی مشہور تالیفات ہیں۔

۳- محمد بن عبداللہ بن نمیر الہمدانی، الکوفی (م ۲۳۴ھ): آپ کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا تھا: هُوَ دُرَّةُ العِرَاق. یعنی آپ عراق کے موتی ہیں۔

۴- ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی (م ۲۳۵ھ)۔ آپ سے دو کتابیں یادگار ہیں۔ ایک ''المصنف'' اور دوسری ''المسند''۔ حفظ وضبط میں آپ کی مثال دی جاتی تھی اور معلومات ومطالعہ میں آپ امام احمد بن حنبل کے پائے کے تھے۔

۵- ابو سعید عبیداللہ بن عمر القواریری، البصری، البغدادی، (م ۲۳۵ھ): آپ کے بارے میں صالح جزرہ نے کہا تھا: هُوَ اَعْلَم من رأيتُ بحديثِ اَهْلِ البَصْرَة. یعنی جہاں تک میں جانتا ہوں آپ اہل بصرہ کی روایات کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

۶- اسحاق بن راہویہ، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم المروزی، نیشاپوری (م ۲۳۸ھ): آپ اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور شیخ تھے۔ امام بخاری نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ کی ایما وہدایت پر اپنی ''صحیح'' کو مرتب کیا۔

۷- ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن عمار الأزدی البغدادی الموصلی (م ۲۴۲ھ): آپ ''رجال'' اور ''علل'' کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر آپ کی تالیفات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

۸- ابو جعفر احمد بن صالح الطبری المصری (م ۲۴۸ھ): آپ ''حافظ مصر'' کہلاتے ہیں۔ اپنے دور کے بے مثال محدّث تھے۔

۹- ابو موسیٰ، ہارون بن عبداللہ البغدادی البزاز، المعروف بالحمال (م ۲۴۳ھ): آپ نے بہت لمبی عمر پائی۔ تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔

1.9 طبقہ نمبر ۹:

ان شیوخ کے بعد جن علماء کو فن رجال میں شہرت ملی اور جن کی تالیفات کو مقبولیت حاصل ہوئی حسب ذیل ہیں:

۱- ابو یعقوب اسحٰق بن منصور المروزی المعروف بالکوسج (م ۲۵۱ھ)

۲- الدارمی، ابو محمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن السمرقندی (م ۲۵۵ھ): آپ کی شہرت ''السنن'' کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ اپنے دور کے ان ائمہ میں سے ہیں جنہیں رجال اور علل کے میدان میں مستند معلومات حاصل تھیں۔

۳- الذہلی، ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس الذہلی نیشاپوری (م ۲۵۸ھ): آپ سے دو کتابیں یادگار ہیں۔ ایک ''الزہریات'' اور دوسری ''علل احادیث الزہری'' یہ دونوں کتابیں امام زہری کی روایات پر مشتمل ہیں۔

۴- امام بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ''الجامع الصحیح''، ''التاریخ الکبیر''، ''التاریخ الاوسط''، ''التاریخ الصغیر''، ''الضعفاء الصغیر''، ''الجامع الصغیر''، ''الجامع الکبیر''، ''المسند الکبیر''، التفسیر الکبیر''، ''کتاب العلل''، کتاب الأشربة''، ''کتاب الکنیٰ'' وغیرہ وغیرہ۔

۵- حافظ العجلی، ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی (م ۲۶۱ھ): آپ نے طرابلس کا سفر کیا اور پھر وہیں قیام کیا۔ اس لیے نزیل ''المغرب'' کہلاتے ہیں۔

1.10 طبقہ نمبر ۱۰:

ان محدثین کے بعد جن علماء کو استناد و اعتماد کا درجہ حاصل رہا ان کے نام یہ ہیں:

۱- ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی (م ۲۷۷ھ): آپ اپنے دور میں محدثین کے امام تھے۔ محدثین

اپنی تالیفات آپ کے سامنے پیش کرتے تھے اور جس تالیف کی آپ توثیق کرتے وہ مستند سمجھی جاتی تھی۔ آپ نے ''المسند''، ''کتاب الزہد''، اور'' الضعفاء'' تین کتابیں تالیف کیں۔

۲- ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی (م ۲۷۷ھ): آپ جرح وتعدیل کے بہت بڑے امام ہیں۔ اس فن میں آپ کی معلومات پر متاخرین نے اعتماد کیا ہے۔ آپ کی معلومات اور اقوال کو آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی نے اپنی کتاب ''الجرح والتعدیل'' میں جمع کیا۔ ''الجرح والتعدیل'' ایسی کتاب ہے کہ اس فن میں اپنی مثال آپ ہے۔ حدیث کا کوئی طالب علم اس سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔

۳- امام مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج، القشیری، نیشاپوری (م ۲۶۱ھ): آپ کی جو تالیفات علماء اور طلبہ کے حلقوں میں مشہور ہوئیں وہ یہ ہیں: ''الجامع الصحیح''، ''المسند الکبیر''، ''کتاب التمییز''، ''کتاب العلل''، ''کتاب سؤالات احمد بن حنبل''، ''کتاب أوہام المحدثین''، ''راوۃ الاعتبار'' وغیرہ۔

۴- بقی بن مخلد، ابوعبدالرحمن بقی بن مخلد الاندلسی القرطبی (م ۲۸۶ھ): آپ اندلس کے بہت بڑے محدث تھے۔ آپ نے احادیث کا جو مجموعہ ''مسند'' کے نام سے مرتب کیا وہ باقی مجموعہ ہائے حدیث کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ضخیم مجموعہ تھا۔ اس میں تقریباً اسی ہزار (۸۰،۰۰۰) روایات تھیں۔ لیکن یہ مجموعہ گردش زمانہ کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ البتہ اس کی روایات دیگر مصادر میں پھیل گئی ہیں۔

۵- ابوزرعۃ الدمشقی، عبدالرحمٰن بن عمرو النصری (م ۲۸۱ھ) آپ نے ''تاریخ'' اور ''علل'' پر کتابیں مرتب کیں۔ ''مسائل'' کے نام سے حدیث اور فقہ کی روایات بھی جمع کیں۔

1.11 طبقہ نمبر ۱۱:

ان شیوخ کے بعد جن حضرات کو ''رجال'' کے میدان میں شہرت حاصل ہوئی۔ وہ یہ ہیں:

۱- ابومحمد عبدالرحمن بن یوسف بن سعید بن خراش المروزی البغدادی (م ۲۸۳ھ): آپ نے جرح وتعدیل میں ایک وقیع کتاب مرتب کی۔ علماء حدیث کے ہاں آپ کو اپنے دور میں وہی مقام حاصل رہا جو ابوحاتم رازی کو اپنے دور میں حاصل تھا۔

۲- ابواسحٰق ابراہیم بن اسحاق البغدادی الحربی (م ۲۸۵ھ)

۳- ابوعبداللہ محمد بن وضاح الاندلسی القرطبی (م ۲۸۹ھ): آپ ''حافظ قرطبہ'' کہلاتے ہیں۔ سپین کے معروف ومشہور محدثین کی فہرست میں آپ کا نام آتا ہے۔

۴- ابوبکر احمد بن عمرو بن النبیل ابوعاصم، شیبانی بصری (م ۲۸۷ھ): آپ اصبہان کے قاضی رہے۔ آپ کی شہرت دو کتابوں کی وجہ سے ہے۔ ایک ''المسند الکبیر'' اور دوسری ''کتاب السنۃ''۔

۵- ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل شیبانی بغدادی (م ۲۹۰ھ): آپ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا۔ امام احمد کی مسند کے راوی ہیں۔ اس مسند میں امام احمد کی روایات کے علاوہ تقریباً دس ہزار روایات آپ کی ہیں۔

۶- صالح جزرہ، ابوعلی صالح بن محمد البغدادی: آپ ۲۰۵ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا آخری حصہ بخارا میں گذارا اور بخارا ہی میں ۲۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

۷- ابوبکر البزار احمد بن عمرو بن عبدالخالق البصری (م ۲۹۲ھ): آپ نے دو مسانید مرتب کیں۔ ایک ''المسند الکبیر'' جس کا نام البحر الزاخر ہے۔ دوسری ''المسند الصغیر''۔ مسند کبیر میں رواۃ اور روایات پر علّت کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔

۸- ابوجعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الکوفی البغدادی (م ۲۹۷ھ): آپ نے ''کتاب السنن'' اور ''تاریخ کبیر'' کے علاوہ کئی دیگر کتابیں تالیف کیں۔ لیکن رواۃِ حدیث کے بارے میں آپ کی معلومات علماء رجال کے ہاں مستند ہیں۔

۹- ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزی: آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ پھر نیشاپور چلے گئے اس کے بعد سمرقند میں جا بسے اور وہیں ۲۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی ''مسند'' علماء کے حلقوں میں رائج اور متداول رہی۔

1.12 طبقہ نمبر۱۲:

ان شیوخ کے بعد جن علماء نے رجال اور علل کے میدان میں کام کیا وہ حسب ذیل ہیں:

۱- ابوبکر الفریابی، جعفر بن محمد (م ۳۰۱ھ)

۲- البردیجی ابوبکر احمد بن ہارون البغدادی (م ۳۰۱ھ)

۳- امام نسائی ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب: آپ ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی شہرت اگرچہ ''السنن'' سے ہے لیکن رجال میں آپ کی تالیف ''الضعفاء والمتروکون'' بہت اہم اور بنیادی مصدر ہے۔ رواۃِ حدیث کے بارے میں آپ کا رویہ چونکہ بہت احتیاط کا تھا اس لیے سنن اربعہ میں آپ کی سنن کو علماء حدیث پہلا درجہ دیتے ہیں۔

۴- ابویعلیٰ احمد بن علی الموصلی (م ۳۰۷ھ): آپ کی شہرت آپ کی ''مسند'' کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ ''رجال'' اور ''علل'' کے ماہرین میں بھی شمار ہوتے ہیں۔

۵- ابوالعباس الحسن بن سفیان النسوی (م ۳۰۳ھ): آپ کی ''مسند'' طلبہ اور علماء کے ہاں متداول رہی۔

۶- ابن خزیمہ ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نیشاپوری (م ۳۱۱ھ): آپ کی تین تالیفات مشہور ہیں۔ ایک ''المسند''، دوسری ''الصحیح'' اور تیسری ''المسائل المصنفۃ''۔ امام ابن خزیمۃ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا مقام حاصل ہے۔ علماء حدیث کے ہاں آپ ''امام الائمۃ'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کی کتاب ''الصحیح'' کا جو حصہ دستیاب ہے اس کی تقریباً ساری روایات صحیح ہیں۔ اگر یہ پوری کتاب دستیاب ہوتی تو دیگر مصادر حدیث کے مقابلہ میں سب سے زیادہ مقبول ہوتی۔

۷- ابن جریر الطبری ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۱ھ): آپ کی شہرت آپ کی تفسیر "جامع البیان عن وجوہ تاویل آی القرآن" اور "التاریخ" کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ کی دیگر تالیفات بھی علماء حدیث کے ہاں مقبول رہیں جیسے "تہذیب الآثار والسنن" وغیرہ۔

۸- الدولابی ابو بشر محمد بن احمد الرازی الوراق (م ۳۱۰ھ): آپ کی تالیف "الکنی والاسماء" بنیادی مصادر میں سے ہے۔

۹- ابو عروبۃ، حسین بن محمد بن ابو معشر، الحرانی (م ۳۱۸ھ): آپ نے تاریخ رواۃ پر کام کیا اور "التاریخ" مرتب کی۔

۱۰- ابو الحسن احمد بن عمیر بن یوسف بن موسیٰ بن جوصاء الدمشقی (م ۳۲۰ھ)

۱۱- امام عقیلی ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی (م ۳۲۲ھ): آپ کی کتاب "الضعفاء والمتروکون" علماء حدیث کے ہاں شروع سے لے کر آج تک متداول ہے۔ امام عقیلی چونکہ متشدد ہیں اس لیے علماء حدیث کے ہاں ان کی رائے کو فوراً قبول نہیں کیا جاتا بلکہ جس راوی کو آپ ضعیف قرار دیتے ہیں اس کے بارے میں دیگر علماء رجال کی آراء کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ علامہ عقیلی نے اپنی کتاب میں کئی ایسے شیوخ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے جن کی امامت وعدالت اور ثقاہت پر امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے۔

خود آزمائی ①

۱- علماء رجال کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

۲- طبقہ نمبر ۱ اور طبقہ نمبر ۲ میں جو رواۃ آتے ہیں ان کی ترتیب وار فہرست مرتب کیجئے۔

۳- طبقہ نمبر ۳ سے طبقہ نمبر ۵ کے روۃ اور ان کی تالیفات پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

۴- طبقہ نمبر ۶ سے طبقہ نمبر ۱۰ تک کے رواۃ حدیث اور ان کی خدمات بیان کیجئے۔

۵- طبقہ نمبر ۱۱ اور طبقہ نمبر ۱۲ کے اہم ترین علماء کی تالیفات پر تبصرہ کیجئے۔

1.13 طبقہ نمبر ۱۳:

ان شیوخ کے بعد اس فن کے جن علماء کو شہرت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں:

۱- ابن ابی حاتم ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم: محمد بن ادریس الرازی (م ۳۲۷ھ): آپ جرح وتعدیل کے مشہور امام محمد بن ادریس الرازی کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کی جمع کردہ معلومات اور اقوال کو کتابی شکل دی۔ جس کا نام ''الجرح والتعدیل'' رکھا۔ اس کتاب کو علماء حدیث کے ہاں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ شروع سے لے کر آج تک اس کی افادیت اور مقبولیت برقرار ہے۔ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے ''علل احادیث''، ''المراسیل'' اور ''التفسیر'' کے نام سے بھی تالیفات کیں۔ ان تمام کتب کو مصادر اور مراجع کی حیثیت حاصل ہے۔

۲- ابوطالب احمد بن نصر البغدادی (م ۳۲۳ھ): آپ امام دارقطنی کے شیخ ہیں۔ امام دارقطنی نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ کی معلومات کو اپنی تالیفات میں محفوظ کیا۔

۳- ابن عقدۃ ابوالعباس احمد بن محمد بن عقدۃ الکوفی (م ۳۳۲ھ)

۴- ابوالحسین عبدالباقی بن قانع البغدادی (م ۳۵۱ھ): آپ نے ''کتاب الوفیات'' مرتب کی۔

1.14 طبقہ نمبر ۱۴:

ان علماء کے بعد جن شیوخ کو اس میدان میں کام کرنے کا موقع ملا، وہ درج ذیل ہیں:

۱- ابوسعید عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس الصدفی المصری (م ۳۴۷ھ): آپ نے تاریخ مصر مرتب کی جس میں علماء مصر کا تذکرہ کیا۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب ''تاریخ صغیر'' کے نام سے لکھی جس میں ان علماء کے حالات جمع کئے جو مصر میں دوسرے علاقوں سے آ کر آباد ہوئے۔

۲- ابوحاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ): امام ابن حبان کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ

کی کتاب ''الصحیح'' بہت عمدہ، مفید اور وقیع تالیف ہے۔ اس کتاب کو چونکہ ابتدائی صدیوں میں مختلف وجوہات کی بنا پر علماء حدیث کے ہاں رواج نہ ملا اس لیے دیگر مصادرِ حدیث کے مقابلہ میں اس کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی جس کی یہ کتاب مستحق ہے۔ امام ابن حبان کی دوسری تالیف ''الثقات'' ان رواۃ کے بارے میں ہے جو ان کے تجزیہ کے مطابق صحیح اور ثقہ ہیں۔ یہ کتاب بھی بہت ہی مفید اور دلچسپ ہے۔ آپ کی ایک اور کتاب ''معرفۃ المجروحین والضعفاء'' اساسی اور بنیادی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ''مشاہیر علماء الامصار'' اور ''التفسیر'' بھی آپ سے یادگار ہیں۔

۳۔ الطبرانی ابوالقاسم سلیمان بن احمد الشامی الطبرانی (م ۳۶۰ھ): آپ کی شہرت آپ کی تین معاجم کی وجہ سے ہے۔ معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر۔ ان تین کتابوں کو علماء حدیث کے ہاں معاجمِ ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ امام طبرانی ''رجال'' اور ''علل'' کے ائمہ میں سے ہیں۔

۴۔ حافظ ابن عدی ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی (م ۳۶۵ھ): حافظ ابن عدی علم رجال کے اساطین میں سے ہیں۔ آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ رواۃِ حدیث کے بارے میں بہت احتیاط کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔ اور صرف ان رواۃ پر جرح کرتے ہیں جن پر جرح کرنا ضروری ہوتا ہے۔ علماء حدیث کے ہاں آپ کی رائے کو بہت وقعت اور اہمیت حاصل ہے۔ آپ رواۃِ حدیث کے بارے میں فیصلہ دیتے وقت نہ تشدد سے کام لیتے ہیں اور نہ تساہل سے۔ بلکہ اعتدال اور احتیاط کو مدنظر رکھتے ہیں۔ آپ کی کتاب ''الکامل فی الجرح والتعدیل'' شروع سے لے کر آج تک متداول اور مقبول چلی آ رہی ہے۔ یہ کتاب اسم بامسمّٰی ہے۔ رجال کے میدان میں متاخرین نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کتاب کا بالالتزام مطالعہ کریں۔

1.15 طبقہ نمبر ۱۵:

ان علماء کے بعد جن شیوخ کو ''رجال'' اور ''علل'' کے میدان میں شہرت حاصل ہوئی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ابوعلی حسین بن محمد ماسرجسی نیشاپوری (م ۳۶۵ھ): آپ کی "المسند المعلل" ایک ہزار تین سو اجزاء پر مشتمل ہے۔ مسانید میں اتنی ضخیم مسند اور کسی محدث نے مرتب نہیں کی۔ آپ نے "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی روایات پر بھی کام کیا۔

۲- شیخ ابن حیان ابومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الأصبہانی (م ۳۶۹ھ): آپ نے "التفسیر"، "الاحکام"، "کتاب السنۃ" اور "طبقات المحدثین بأصبہان" کے نام سے تالیفات کیں۔

۳- ابوبکر الاسماعیلی احمد بن ابراہیم الجرجانی (م ۳۷۱ھ): آپ نے "المستخرج علی صحیح البخاری"، "المسند الکبیر" اور "المعجم" اور "مسند عمر" کے نام سے کتابیں مرتب کیں۔

۴- ابواحمد الحاکم محمد بن محمد بن احمد نیشاپوری (م ۳۷۸ھ): آپ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لیے کہ امام حاکم نیشاپوری آپ کے تلامذہ میں آتے ہیں۔ "رجال" اور "علل" پر آپ نے دو کتابیں مرتب کیں۔ ایک "کتاب العلل" اور دوسری "الاسماء والکنیٰ"۔

۵- دارقطنی ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی البغدادی (م ۳۸۵ھ): "علل" کے مجال میں آپ کے مقابلہ کا کوئی محدث نہیں گذرا۔ آپ نے "علل الحدیث" اور "الضعفاء والمتروکون" تالیف کی۔ آپ نے صحیحین کی بعض روایات پر کلام کیا اور اس ضمن میں "التتبع علی الصحیحین" لکھی۔ اس کے علاوہ ابن حبّان کی "الضعفاء" پر حواشی لکھے۔

1.16 طبقہ نمبر ۱۶:

ان شیوخ کے بعد جو علماء اس مجال میں نمایاں ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

۱- حافظ ابن مندہ ابوعبداللہ محمد بن اسحٰق بن محمد بن یحییٰ بن مندۃ الاصبہانی (م ۳۹۵ھ): آپ نے تین کتابیں مرتب کیں۔ "فتح الباب فی الکنیٰ والالقاب"، "تسمیۃ المشائخ" اور "کتاب المعرفۃ"۔

۲- امام حاکم نیشاپوری، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الضبی الطہمانی (م ۴۰۵ھ): آپ "حاکم" کے لقب

سے مشہور ہیں۔ آپ کی شہرت ''مستدرک'' کی وجہ سے ہے۔اس کے علاوہ آپ نے ''کتاب العلل''، ''کتاب مزکی الاخبار'' اور ''تاریخ نیشاپور'' مرتب کی۔

۳- ابونصر الکلاباذی، احمد بن محمد بن الحسین البخاری، الکلاباذی (م ۳۷۸ھ): آپ نے ''الھدایۃ والارشاد فی معرفۃ اھل الثقۃ والسداد'' مرتب کی۔

۴- ابوالمطرّف عبدالرحمٰن بن محمد بن عیسیٰ بن فطیس الأندلسی القرطبی (م۴۰۲ھ): آپ قرطبہ کے قاضی رہے۔ آپ کی کتاب ''دلائل السنۃ'' پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کرام کے فضائل اور مناقب درج ہیں۔

۵- عبدالغنی بن سعید، ابومحمد، الأزدی، المصری (م ۴۰۹ھ): آپ نے ''المؤتلف والمختلف''، ''مشتبہ النسبۃ'' اور ''الغوامض والمبھمات'' مرتب کیں۔ان تینوں کتابوں کو اساتذہ اور طلبہ کے حلقوں میں مقبولیت حاصل رہی۔

۶- حافظ ابن مردویہ الاصبہانی ابوبکر احمد بن محمد بن مردویہ الصغیر (م ۴۹۸ھ): آپ کو آپ کی تالیف ''المستخرج علی صحیح البخاری'' کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔

۷- حافظ ابوالقاسم، تمام بن محمد، الرازی، الدمشقی (م۴۱۴ھ): آپ نے ''فوائد الحدیث'' مرتب کی۔

1.17 طبقہ نمبر ۱۷:

ان شیوخ کے بعد جن علماء کی خدمات کو مقبولیت حاصل ہوئی وہ حسب ذیل ہیں:

۱- ابوالفتح محمد بن احمد بن محمد بن فارس ابی الفوارس البغدادی (م۴۱۲ھ): آپ کو آپ کی کتاب ''الفوائد المنتقاۃ العوالی'' کی وجہ سے علماء حدیث کے ہاں شہرت ملی۔

۲- ابوبکر البرقانی احمد بن محمد الخوارزمی البغدادی (م ۴۲۵ھ) آپ نے دو کتابیں تالیف کیں۔ایک

''المستخرج علی الصحیحین'' اور دوسری ''سوالات البرقانی وجوابات الدارقطنی''۔

۳- ابو حازم العبدوی، عمر بن احمد بن ابراہیم بن عبدویہ، المسعودی، نیشاپوری (م ۴۱۷ھ): آپ نے اپنے دور کے دس شیوخ سے استفادہ کیا اور دس ہزار اجزاء مرتب کئے۔

۴- خلف بن محمد الواسطی، البغدادی (م ۴۰۱ھ): آپ نے ''اطراف الصحیحین'' کے نام سے کتاب تالیف کی۔

۵- ابو مسعود ابراہیم بن محمد بن عبید الدمشقی (م ۴۰۱ھ)۔

۶- ابو الفضل الفلکی علی بن حسین بن احمد بن حسن (م ۴۲۷ھ): آپ کی کتاب ''الطبقات'' ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہے۔

۷- ابو القاسم حمزۃ بن یوسف السہمی الجرجانی (م ۴۲۷ھ): آپ نے ''معرفۃ علماء اهل جرجان'' اور اپنے شیوخ کی ''معجم'' مرتب کی۔

۸- ابو ذر الہروی، عبد بن احمد بن محمد نیشاپوری مکی (م ۴۳۴ھ): آپ نے ''معجم''، ''الجامع''، ''مستدرک علی الصحیحین'' اور ''فوائد'' کے نام سے کتابیں لکھیں۔

۹- ابو یعقوب القراب، اسحق بن ابراہیم، السرخسی الہروی (م ۴۲۹ھ): آپ نے ''تاریخ السنین'' کے نام سے تاریخ مرتب کی۔ اس میں آپ نے رسول اکرم ﷺ کے دور سے لے کر اپنے دور تک کے علماء کی وفیات درج کیں۔

1.18 طبقہ نمبر ۱۸:

ان شیوخ کے بعد مندرجہ ذیل علماء نے ''رجال'' پر کام کیا:

۱- ابو محمد حسن بن محمد الخلال البغدادی (م ۴۳۹ھ): آپ نے ''المسند المخرج علی الصحیحین'' اور ''الآمالی'' کے نام سے دو کتابیں تالیف کیں۔

۲- ابو عبداللہ الصوری محمد بن علی بن عبداللہ بن محمد بن رحیم الساحلی (م ۴۴۱ھ)

۳- ابوسعد السمان، اسماعیل بن علی بن الحسین بن زنجویہ الرازی البصری (م- ۴۴۵ھ): آپ نے اپنے دور کے تین ہزار چھ سو شیوخ سے ملاقات کی اور ان کی روایات کو اپنی "مشیخہ" میں جمع کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے "المعجم"، "الموافقۃ بین اہل البیت والصحابۃ" اور "المسلسلات" کے نام سے کتابیں مرتب کیں۔

۴- ابو یعلیٰ الخلیلی خلیل بن عبداللہ بن احمد بن ابراہیم بن الخلیل القزوینی (م ۴۴۶ھ): آپ کی مرتب کردہ تاریخ کا نام "الارشاد فی علماء البلاد" ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے "تاریخ قزوین" لکھی۔

1.19 طبقہ نمبر ۱۹:

ان علماء کے بعد جن اساتذہ نے اس مجال میں کام کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- حافظ ابن عبدالبر ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر الأندلسی القرطبی (م ۴۶۳ھ): حافظ ابن عبدالبر علماء حدیث کے ہاں "حافظ الغرب" کہلاتے ہیں۔ سپین میں آپ نے حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے بہت بنیادی کام کیا۔ مؤطا امام مالک پر آپ کی شرح "التمہید لما فی المؤطا من المعانی والأسانید" اپنی مثال آپ ہے۔ اسی طرح "الاستذکار" اور "التقصی لحدیث المؤطا"، علمی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے صحابہؓ کرام کے حوالہ سے "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" مرتب کی۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ متاخرین علماء نے اس موضوع پر جتنا کام کیا وہ اس کی بنیاد پر کیا۔

۲- حافظ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی (م ۴۵۶ھ): آپ نے "المحلی"، "الاحکام فی اصول الاحکام" اور "الایصال إلی فہم کتاب الخصال" مرتب کی۔ آپ کی کتابوں کو علماء اور طلبہ کے حلقوں میں تسلسل کے ساتھ پذیرائی حاصل رہی۔

۳- حافظ بیہقی ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی (م ۴۵۸ھ): آپ کی تین کتابوں کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک ''السنن الکبریٰ''، دوسری ''معرفة السنن والآثار'' اور تیسری ''السنن الصغریٰ''۔ علماء حدیث کے ہاں حافظ بیہقی فنونِ حدیث میں مہارت کی وجہ سے ضرب المثل ہیں۔ حدیث کے اساتذہ اور طلبہ آپ کی کتابوں سے مستغنی نہیں رہ سکتے۔

۴- خطیب بغدادی ابوبکر احمد بن علی بن ثابت (م ۴۶۳ھ): آپ نے ''تاریخ بغداد''، ''الکفایة فی علم الروایة''، موضح أوہام الجمع والتفریق'' اور ''تمییز المزید فی متصل الأسانید'' جیسی بلند پایہ اور وقیع و مفید تالیفات کیں۔ خطیب بغدادی نے حدیث کے مجال میں جس جس پہلو سے کام کیا وہ بنیادی اور اساسی کام کہلاتا ہے۔ بعد میں آنے والے محدثین نے خطیب کو اپنا امام اور مقتدا تسلیم کیا ہے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے مختلف فنون پر قلم اٹھایا ہے۔

۵- ابوالقاسم سعد بن علی بن محمد الزنجانی (م ۴۷۱ھ)

۶- شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد بن علی (م ۴۸۱ھ)

۷- ابوصالح المؤذن احمد بن عبدالملک نیشاپوری (م ۴۷۰ھ)

۸- حافظ ابن ماکولا، ابونصر علی بن ہبة اللہ بن علی العجلی البغدادی (م ۴۸۵ھ): آپ کی دو کتابیں علماء اور طلبہ کے حلقوں میں مقبول ہوئیں۔ ایک "الإکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الأسماء والکنٰی والأنساب" اور دوسری "مستمر الأوهام على المؤتلف والمختلف من أسماء الإعلام"۔

۹- قاضی ابوالولید الباجی سلیمان بن خلف القرطبی الباجی المالکی (م ۴۷۴ھ): آپ کی قابل قدر تالیفات میں سے ایک: "الاستیفاء فی شرح المؤطا"، دوسری: "المنتقٰی من الاستیفاء" اور تیسری: "التعدیل والتجریح فیمن روی عنه البخاری فی الصحیح"

ہیں۔ آپ اندلس کے کبار محدّثین کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔ علماء حدیث نے آپ کو ''علامۃ'' اور ''حجۃ'' کے القاب سے نوازا۔

۱۰- ابو عبداللہ الحمیدی، محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الأزدی الأندلسی البغدادی (م ۴۸۸ھ): آپ کی معروف تالیفات یہ ہیں: "الجمع بین الصحیحین"، "جذوة المقتبس فی ذکر ولاة الأندلس وأسماء رواة الحدیث وأهل الفقه وذوی النباهة والشعر"، اور "جمل تاریخ الاسلام"۔ آپ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مصادرِ حدیث کو جمع کرنے کی طرح ڈالی۔ آپ کے بعد آنے والوں نے آپ کی پیروی کرتے ہوئے مصادر کو جمع کرنا شروع کیا اور اس طرح ''کتب الجمع'' مرتب ہونا شروع ہوئیں۔

۱۱- ابن مفوز المعافری، ابوالحسن طاہر بن مفوز بن احمد الشاطبی (م ۴۸۴ھ)

۱۲- ابوالفضل بن طاہر المقدسی، محمد بن طاہر بن علی (م ۵۰۷ھ): علماء حدیث کے ہاں آپ ابن القیسرانی کہلاتے ہیں، قیسر یہ شام کی ساحل پر ایک بستی کا نام ہے۔ آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "الجمع بین رجال الصحیحین"، "کتاب أسماء الرجال من الضعفاء"، "تراجم الجرح والتعدیل للدارقطنی"، "تصحیح الکامل لابن عدی"، "ذخیرة الحفاظ المخرّج علی الحروف والالفاظ"، "مسند أبی لیلی الجعدی"، "معرفة من لم یخرج له فی الصحیحین"، "أطراف الکتب الستة"، "المصباح فی أطراف المسانید الستة"، التذکرة فی غرائب الأحادیث والمنکرة"۔

۱۳- شجاع بن فارس الذہلی، أبو غالب السہروردی البغدادی (م ۵۰۷ھ): آپ نے دو کتابیں مرتب کیں۔ ایک "اجوبة لسوالات السلفی عن المشایخ" اور دوسری "ذیل تاریخ بغداد"۔

۱۴- المؤتمن بن احمد بن علی الساجی، ابونصر، البغدادی (م ۵۰۷ھ): ''ساج'' ایک قیمتی لکڑی کا نام ہے۔ آپ چونکہ اس کا کاروبار کرتے تھے اس لیے ''ساجی'' کہلاتے ہیں۔

۱۵- شیرویہ الہروی ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الہمدانی (م ۵۰۹ھ): آپ نے "تاریخ همدان" اور "فردوس الأخبار بمأثور الخطاب" کے نام سے دو کتابیں مرتب کیں۔

۱۶- أبوعلی الغسانی، حسین بن محمد الجیانی، الأندلسی (م ۴۹۸ھ): آپ نے "تقييد المهمل وتمييز المشكل" اور "اسماء رجال سنن ابی داؤد" کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔

1.20 طبقہ نمبر ۲۰:

اس جماعت کے بعد جن شیوخ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ابوالفضل بن ناصر السلامی، محمد بن ناصر البغدادی (۵۵۰ھ): آپ کی مرتب کردہ "الأمالی" کو اساتذہ اور طلبہ کے ہاں پذیرائی حاصل رہی۔

۲- قاضی عیاض، ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی المغربی (م ۵۴۴ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "مشارق الانوار على صحاح الآثار"، "إكمال المعلم فى شرح صحيح مسلم"، "الالماع فى ضبط الرواية وتقييد السماع"، "الشفا بالتعريف بحقوق المصطفىٰ"۔

۳- حافظ السِّلفی ابوطاہر احمد بن محمد الأصبہانی (م ۵۷۸ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "معجم مشيخة اصبهانى"، "معجم مشيخة بغداد"، "معجم السفر"، "السلفيات" (یہ دوسو اجزاء پر مشتمل ہے)۔

۴- ابوموسیٰ المدینی محمد بن عمر الاصبہانی (م ۵۸۱ھ): آپ کی کتابوں کے نام یہ ہیں: "الطوالات فى الواهى والموضوع من الحديث"، "معرفة الصحابة"، "الأسماء المشتركة بين الرجال النساء"۔

۵- حافظ ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسن الدمشقی (م ۵۷۱ھ): آپ کی شہرت "تاریخ دمشق" کی وجہ

سے ہے۔ یہ تاریخ اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ "معجم الشیوخ النبل" اور "تبیین كذب المفترى فيما نسب إلى ابى الحسن الاشعرى" آپ کے آثار میں شامل ہیں۔

۶- ابن بشکوال، ابو القاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال الانصاری الاندلسی (م ۵۸۷ھ): آپ نے تین کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ایک "صلة تاريخ ابن الفرضی"۔ یہ علماء اندلس کے بارے میں ہے۔ دوسری "معرفة العلماء الافاضل"، اور تیسری "غوامض الأسماء المبهمة"۔

1.21 بقیہ نمبر ۲۱:

علماء کی اس جماعت کے بعد جن شیوخ نے "رجال" پر کام کیا اور ان کی تالیفات کو قبولِ عام حاصل ہوا ان کے نام یہ ہیں:

۱- عبدالحق الاشبیلی ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن (م ۵۸۱ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "كتاب المعتل من الحديث"، "الاحكام الكبرىٰ"، "الاحكام الوسطىٰ"، "الاحكام الصغرىٰ"، "الجمع بين الصحيحين"، "الجمع بين الكتب الستّة"۔

۲- حافظ ابن الجوزی، ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی البکری الصدیقی البغدادی (م ۵۹۷ھ): آپ کی جن تالیفات کو اساتذہ اور طلبہ کے ہاں پذیرائی ملی وہ یہ ہیں: "الضعفاء"، "الموضوعات"، "الواهيات"، "العلل المتناهية في الأحاديث الواهية"، "المنتظم"، "تلقيح فهوم أهل الاثر"۔ حافظ ابن الجوزی کی ساری تالیفات بہت وقیع اور مفید ہیں۔ المنتظم کا تعلق تاریخ سے ہے۔ یہ بہت تفصیلی تاریخ ہے۔ اب تحقیق و تعلیق کے ساتھ لگ بھگ تیس جلدوں میں چھپ کر آئی ہے۔

۳- ابن الفخار المالقی، ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن خلف الأندلسی المالقی (م ۵۹۰ھ)

۴- ابو القاسم السہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ الاندلسی (م ۵۸۱ھ): آپ کی شہرت آپ کی مشہور ومعروف کتاب "الروض الأنف" کی وجہ سے ہے۔

۵- ابو بکر الحازمی محمد بن موسیٰ بن عثمان بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الہمدانی (م ۵۸۴ھ): آپ کی معروف ومشہور تالیف "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" علمی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ "شروط الائمة الخمسة" بھی بہت مفید اور قابل قدر رسالہ ہے۔

۶- عبدالغنی المقدسی ابومحمد عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی الدمشقی (م ۶۰۰ھ): آپ کو آپ کی تین تالیفات کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔ ایک "الکمال فی أسماء الرجال" دوسری "المصباح" اور تیسری "نهاية المراد"۔ الکمال کی بنیاد پر بعد میں آنے والوں نے کتب ستہ کے رواۃ پر کام کیا۔ اس لحاظ سے یہ ایک بنیادی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

۷- حافظ الرّہاوی، ابومحمد عبدالقادر بن عبداللہ الرّہاوی الموصلی (م ۶۱۲ھ): آپ نے "الأربعون المتناسبة الاسانيد" مرتب کی۔

۸- حافظ ابن مفضل المقدسی علی بن المفضل الاسکندرانی (م ۶۱۱ھ): آپ نے شیخ ابن الاکفانی کی کتاب جامع الوفیات پر "ذیل" لکھی۔

1.22 طبقہ نمبر ۲۲:

ان شیوخ کے بعد جن علماء نے "رجال" پر قلم اٹھایا ان کی ترتیب درج ذیل ہے:

۱- ابوالحسن بن القطان، ابوالحسن علی بن محمد القاسی المغربی (م ۶۲۸ھ): آپ کی مشہور تالیف "بیان الوہم والإیہام الواقعین فی کتاب الاحکام" ہے۔ آپ کو دو کتابوں کی وجہ سے شہرت ملی۔ ایک: "التقييد لمعرفة الرواة والسنن والمسانيد" اور دوسری "ذيل الإكمال لابن ماكولا"۔

۲- ابن الانماطی، ابوطاہر، اسماعیل بن عبداللہ المصری (م: ۶۱۹ھ)۔

۳- حافظ ابن نقطہ، ابوبکر، محمد بن عبدالغنی، البغدادی (م: ۶۲۹ھ)۔

۴- حافظ ابن الدبیثی ابوعبداللہ محمد بن سعید الواسطی (م ۶۳۷ھ)۔ آپ نے ''تاریخ واسط'' اور خطیب بغدادی کی تاریخ پر ''ذیل'' مرتب کی۔

۵- ابن خلیل الدمشقی، ابوالحجاج یوسف بن خلیل الدمشقی (م ۶۴۸ھ): آپ نے ''معجم''، ''فوائد'' اور ''عوالی'' تالیف کیں۔

۶- حافظ ابن خلفون الأزدی، ابوبکر محمد بن اسماعیل بن محمد خلفون الأندلسی الإشبیلی (م ۶۳۶ھ): آپ کی تالیفات یہ ہیں: ''المنتقى في رجال الحديث''، ''المفهم في شيوخ البخاري ومسلم''، ''شيوخ أنس بن مالك''، ''شيوخ ابي داؤد''، ''شيوخ الترمذي''، ''رفع التماري فيمن تكلم فيه من رجال البخاري''، ''الثقات''۔

۷- ابن النجار ابوعبداللہ محمد بن محمود البغدادی (م ۶۴۳ھ): آپ نے یہ کتابیں مرتب کیں: ''الكمال في معرفة الرجال''، ''ذيل تاريخ بغداد للخطيب''، ''نسبة المحدثين إلى الآباء والبلدان''، ''القمر المنير في المسند الكبير''۔ اس میں آپ نے ہر صحابی اور اس کی روایت کو نقل کیا ہے۔ ''معجم'' اس میں آپ نے اپنے شیوخ کی روایات نقل کی ہیں جن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے۔

۸- حافظ زکی المنذری، ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی المصری (م ۶۵۶ھ): آپ کی شہرت آپ کی مشہور تالیف ''الترغيب والترهيب'' کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ''التكملة لوفيات النقلة'' اور ''مختصر سنن ابی داؤد'' مرتب کی۔

۹- حافظ برزالی، ابوعبداللہ محمد بن یوسف البرزالی الاشبیلی الدمشقی (م ۶۳۶ھ): آپ کو آپ کی مرتب کردہ ''معجم'' کی وجہ سے شہرت حاصل ہے۔

۱۰- حافظ الصریفینی، ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد البغدادی الدمشقی (م ۶۴۱ ھ): آپ نے حافظ ابن عساکر کی کتاب "المشایخ النبل" پر مستدرک لکھی۔

۱۱- حافظ رشید العطار، رشید الدین ابوالحسین یحیٰی بن علی النابلسی المصری (م ۶۶۲ ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی معجم مرتب کی۔

۱۲- حافظ ابن الصلاح، ابوعمر عثمان بن صلاح الدین عبدالرحمٰن بن عثمان الکردی الشہر زوری الدمشقی (۶۴۳ ھ): آپ کی شہرت آپ کی شہرۂ آفاق تالیف "علوم الحدیث" یعنی مقدمۂ ابن الصلاح کی وجہ سے ہے اس کے علاوہ آپ نے "فوائد الرحلة" اور صحیح مسلم کی شرح مرتب کی جو مکمل نہ ہو سکی۔

۱۳- حافظ ابن الأبار، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ القضاعی الأندلسی البلنسی (م ۶۵۸ ھ): آپ کی تالیفات یہ ہیں: "التكملة لكتابی الموصول والصلة"۔ یہ علمائے اندلس کے حالات پر مشتمل ہے۔ "المعجم" اور "هداية المعترف فی المؤتلف والمختلف"۔

۱۴- حافظ ابن العدیم، ابوالقاسم عمر بن احمد الحلبی المصری (م ۶۶۰ ھ): آپ نے "بغية الطلب فی تاريخ حلب"، "زبدة الحلب فی تاريخ حلب" اور "الأخبار المستفادة فی ذکر بنی جرادة" مرتب کیں۔

۱۵- حافظ ابو شامة، عبدالرحمٰن بن اسماعیل، المقدسی الدمشقی (م ۶۶۵ ھ): آپ نے "أزهار الروضتين فی أخبار الدولتين"، "الروض الأنف" اور "مختصر تاريخ دمشق لابن عساکر" مرتب کیں۔

۱۶- ابوالبقاء خالد بن یوسف النابلسی الدمشقی (م ۶۶۳ ھ)

1.23 طبقہ نمبر ۲۳:

ان شیوخ کے بعد مندرجہ ذیل علماء نے "رجال" کے مجال میں خدمات انجام دیں:

۱- حافظ الدمیاطی، ابومحمد، عبدالمؤمن بن خلف الدمیاطی (م ۷۰۵ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی "معجم" اور "السراجیات الخمسة" کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔

۲- ابن الظاہری، ابو العباس احمد بن محمد بن عبداللہ الحنفی (م ۶۹۶ھ): آپ کو آپ کی تالیف "الاربعون البلدانية" کی وجہ سے علمی حلقوں میں شہرت حاصل ہوئی۔

۳- شرف الدین، ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم المیدومی القاہری (م ۶۸۳ھ)

۴- حافظ ابن دقیق العید ابو الفتح محمد بن علی بن وہب بن مطیع القشیری المنفلوطی الصعیدی (م ۷۰۲ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "الإلمام فی أحادیث الأحکام"، "إحکام الأحکام شرح عمدة الأحکام"، "الاقتراح فی بیان الاصطلاح"، "تحفة اللبیب فی شرح التقریب"۔

۵- ابن فرح، ابوالعباس احمد بن فرح بن احمد اللخمی الاشبیلی الدمشقی (م ۶۹۹ھ): آپ اپنی کتاب "القصیدة الغرامیة" کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

۶- ابوالقاسم، عبید بن محمد، المصری الاسعردی (م ۶۹۲ھ)۔

1.24 طبقہ نمبر ۲۴:

ان علماء کے بعد جن شیوخ واساتذہ کو "رجال" کے میدان میں حیثیت اور اہمیت حاصل ہوئی وہ حسب ذیل ہیں:

۱- ابومحمد سعد الدین مسعود بن احمد الحارثی العراقی المصری (م ۷۱۱ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی ترتیب کے مطابق "معجم" مرتب کی۔ اس کے علاوہ سنن ابی داؤد کی شرح لکھی لیکن مکمل نہ ہو سکی۔

۲- امام ابن تیمیۃ، ابو العباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرانی الدمشقی (م ۷۲۸ھ): آپ

نے لکھا اور بہت زیادہ لکھا۔ آپ کی شہرت "فتاویٰ" کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ "منهاج السنة النبوية" اور "الصارم المسلول" آپ کی قابل قدر تالیفات ہیں۔

۳- حافظ مزّی، ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمن الحلبی الدمشقی المزی (م ۷۴۲ھ): آپ نے "رجال" پر متقدمین کے کام کو جمع کیا اور ایک ضخیم کتاب کی شکل میں اس کو مرتب کیا۔ جس کا نام "تهذيب الكمال في اسماء الرجال" رکھا۔ اس کے علاوہ "تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف" آپ کی قابل قدر تالیف ہے۔

۴- قطب الدین ابوعلی عبدالکریم بن عبدالنور الحلبی المصری (م ۷۳۵ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی "معجم" مرتب کی۔ جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ "تاريخ مصر" اور "الاهتمام بتلخيص الالمام" آپ کی یادگار ہیں۔

۵- حافظ ابن سیّد الناس، ابوالفتح محمد بن محمد الیعمری، الاندلسی، المصری (م ۷۳۴ھ): آپ کی شہرت آپ کی کتاب "عيون الاثر في فنون المغازي والشمائل والسير" کی وجہ سے ہوئی۔ آپ نے جامع ترمذی کی شرح بھی لکھی لیکن پوری نہ کر سکے۔

۶- ابومحمد احمد بن عبدالقادر بن احمد بن مکتوم المصری (م ۷۴۹ھ)۔

۷- حافظ ابن البرزالی ابومحمد قاسم بن محمد بن یوسف الدمشقی (م ۷۳۹ھ): آپ نے "معجم" مرتب کی جس میں آپ نے تین ہزار سے زیادہ شیوخ کا تذکرہ کیا اس کے علاوہ "الوفيات" اور "التاريخ" بھی تالیف کی۔

۸- شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد ابن الجزری الدمشقی الشیرازی (م ۸۳۳ھ): آپ نے "الهداية في علم الرواية" لکھی جس کا تعلق اصول حدیث سے ہے۔

۹- ابوعبداللہ محمد بن علی بن ایبک السروجی المصری (م ۷۴۴ھ): آپ نے "تراجم الثقات من رجال الحديث" کے نام سے کتاب لکھی۔

۱۰- کمال الدین ابوالفضل جعفر بن ثعلب الأدفوی المصری (م ۷۴۸ھ): آپ نے ''البدر السافر وتحفۃ المسافر'' لکھی۔ اس میں ساتویں صدی ہجری کے علماء کے تراجم ہیں۔

۱۱- حافظ ذہبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی الدمشقی (م ۷۴۸ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ''تاريخ الاسلام وطبقات المشاهير والأعلام''، ''سير أعلام النبلا''، ''تذكرة الحفاظ''، ''العبر فی خبر من عبر''، ''تذهيب تهذيب الكمال''، ''الكاشف فی تراجم رجال الكتب الستة'' اور ''ميزان الاعتدال فی نقد الرجال''۔

۱۲- صفی الدین القرافی، ابوالثناء محمود بن محمد، الأرموی، الصوفی الدمشقی (م ۷۲۳ھ): آپ نے النہایۃ پر ''ذیل'' لکھی۔

۱۳- ابوالحسین، احمد بن ایبک بن عبداللہ الدمیاطی المصری (م ۷۴۹ھ): آپ نے امام تقی الدین السبکی کے شیوخ کی ''معجم'' مرتب کی۔ امام رافعی کی احادیث کی تخریج کی۔ اور شیخ عزالدین الحسینی کی ''وفيات'' پر ''ذیل'' لکھی۔

۱۴- شہاب الدین، احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ العدوی الدمشقی (م ۷۴۹ھ): آپ نے ''مسالک الأبصار فی ممالک الأمصار''، ''مختصر قلائد العقيان'' اور ''فواضل السمر فی فضائل آل عمر'' مرتب کیں۔

۱۵- نجم الدین ابوالخیر سعید بن عبداللہ الہندی البغدادی الدمشقی (م ۷۴۹ھ): آپ نے علماء بغداد کے تراجم اور حالات پر کتاب مرتب کی۔

۱۶- حافظ علائی ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ العلائی الدمشقی (م ۷۶۱ھ): آپ کو جامع التحصیل فی احکام المراسیل'' کی وجہ سے علماء کے حلقوں میں شہرت ملی۔ اس کے علاوہ آپ نے ''كتاب المدلسين'' اور ''اثارة الفوائد المجموعة'' کے نام سے کتابیں لکھیں۔

۱۷- حافظ مغلطای ابوعبداللہ مغلطای بن قلیج الحکری المصری (م ۷۶۲ھ): آپ کی تالیفات یہ

ہیں: "اکمال تهذيب الكمال فى اسماء الرجال"، "جمع أوهام التهذيب"، "ذيل على المؤتلف والمختلف لابن نقطة"، "شرح صحيح البخارى" اور "شرح سنن ابن ماجة"۔

۱۸- حافظ شریف الحسینی، شمس الدین محمد بن علی الدمشقی (م ۷۶۵ھ): آپ نے "التذكرة بمعرفة رجال العشرة"، "الاكتفاء فى الضعفاء"، "الامتثال بما فى مسند أحمد من الرجال"، "ممن ليس فى تهذيب الكمال"، "التعليق على ميزان الاعتدال"، "ذيل العبر" اور "ذيل تذكرة الحفاظ" مرتب کیں۔

۱۹- شیخ تقی الدین، ابو المعالی محمد بن رافع السلامی الدمشقی (م ۷۷۴ھ): آپ نے "معجم" تالیف کی جس میں ایک ہزار شیوخ سے زیادہ کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ ابن النجار کی تاریخ بغداد پر "ذیل" مرتب کیں۔

۲۰- لسان الدین بن الخطیب، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن سعید الأندلسی الغرناطی (م ۷۷۶ھ): آپ کی مشہور کتاب "الاحاطة فى تاريخ غرناطه" ہے۔

۲۱- حافظ زین الدین العراقی ابو الفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی المصری (م ۸۰۶ھ): آپ کی شہرت "الفيه" کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے "المغنى عن حمل الاسفار فى الأسفار"، "معجم"، "ذيل على ميزان الاعتدال" اور "ذيل على العبر" مرتب کیں۔

۲۲- شہاب الدین، أحمد بن حجی، الدمشقی، (م-۸۱۶ھ) آپ نے اپنے شیوخ کی "معجم" مرتب کی۔ اس کے علاوہ "الدارس من اخبار المدارس" اور "جمع المفترق" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

۲۳- صلاح الدین، ابوسعد، خلیل ابن محمد المصری، المکی، (م-۸۲۰ھ) آپ نے مشیخۃ القاضی مجد الدین الحنفی"، "معجم" اور "فوائد مجموعه" مرتب کیں۔

۲۴- ولی الدین، ابوزرعۃ، احمد بن عبدالرحیم، ابن العراقی، المصری (م۸۲۶ھ)۔ آپ نے ''رواۃ المراسیل'' ''الوفیات '' اور البیان والتوضیح مرتب کیں۔

۲۵- حافظ تقی الدین الشریف، محمد بن احمد بن علی، الحسنی، المکی (م۸۳۲ھ) آپ نے'' العقد الثمین فی تاریخ البلا الأمین" شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام'' اور ذیل کتاب النبلاء للذهبی ''مرتب کیں۔

۲۶- برہان الدین، ابوالوفاء، ابراہیم بن محمد بن خلیل، الطرابلسی، الحلبی (م-۸۴۱ھ) آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ''نهاية السول فی رواة الستة الأصول"، "التبيين لأسماء المدلسين"، "نثل الهميان فی معيار الميزان''۔

۲۷- علاء الدین، ابوالحسن علی بن محمد، الحلبی، المعروف بابن خطیب الناصریۃ، (م-۸۴۳ھ) آپ نے الدّر المنتخب فی تاريخ حلب مرتب کی۔

۲۸- حافظ ابن حجر العسقلانی شہاب الدین، ابوالفضل، احمد بن علی الکنانی، العسقلانی، المصری۔ آپ ۷۷۳ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۸۵۲ھ میں قاہرہ ہی میں انتقال فرمایا آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ''تهذيب التهذيب- تقريب التهذيب"، "لسان الميزان"، "تعجيل المنفعة بزوائد رجال الأئمه الاربعة "، "الدرر الكامنة'' اور ''فتح الباری شرح صحيح البخاری''۔

۲۹- حافظ العینی، بدرالدین، ابومحمد، محمود بن أحمد، العینی الحلبی، المصری، (م- ۸۵۵ھ) آپ کی مشہور ومعروف کتب یہ ہیں: ''مغانی الأخيار فی رجال معانی الآثار للطحاوی"، ''عقد الجمان فی تاريخ اهل الزمان"، "تاريخ البدر فی أوصاف اهل العصر'' اور ''عمدة القاری فی شرح صحيح البخاری''

۳۰- ابوالبرکات، عزالدین، احمد بن ابراہیم بن نصر اللہ، الکنانی، العسقلانی، المصری، (م۸۸۶ھ) آپ قاضی القضاۃ کے منصب پر رہے۔ تالیفات میں ''طبقات الحنابلة'' اور تاریخ کو شہرت حاصل ہے۔

۳۱- ابوالقاسم، نجم الدین، عمر بن محمد بن فہد، القریشی، المکی (م- ۸۸۵ھ): آپ نے ''کتاب

المدلسین"، "ذیل تاریخ مکة"، "اللباب فی الالقاب" اور"التبیین فی تراجم الطبریین" مرتب کیں۔ اس کے علاوہ اپنے شیوخ اور شیوخ کے شیوخ کے تراجم واحوال پر کتاب لکھی۔

۳۲- احمد بن محمد بن عمر، المقدسی، المشهور بابن ابی عذیبة (م-۸۵۶ھ): آپ نے "المعجم"، "تاریخ دول الأعیان شر قصیدة نظم الجمان" اور"تاریخ" کے نام سے تالیفات کیں۔

۳۳- ابوالحسن، ابراہیم بن عمر، البقاعی، الدمشقی (م- ۸۸۵): آپ نے"عنوان الزمان فی تراجم الشیوخ والأقران" اور "اخبار الجلاد فی فتح البلاد" مرتب کیں۔

۳۴- حافظ سخاوی، ابوعبداللہ، محمد بن عبدالرحمان، السخاوی، المصری آپ قاہرہ میں ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں ۹۰۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آپکی مشہور تالیفات یہ ہیں: "الضوء الامع لأهل القرآن التاسع"، "التبر المسبوک" یہ تاریخ مقریزی کی ذیل ہے۔ "وجیز الکلام فی الذیل علی کتاب الذهبی دول الاسلام"، "بغیة العلماء الرواة"، "التحفة اللطیفة فی اخبار المدینة الشریفة"،"الشافی من الالم فی وفیات الامم" اور"الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اهل التوریخ"۔

خود آزمائی ②

۱- طبقہ نمبر ۱۳ اور طبقہ نمبر ۱۴ میں کون سے علماء رجال آتے ہیں۔ ان کی فہرست تیار کیجئے۔
۲- طبقہ نمبر ۱۵ تا طبقہ نمبر ۲۰ کے رواۃ حدیث کی خدمات پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
۳- طبقہ نمبر ۱۸ تا طبقہ نمبر ۲۰ کے رواۃ حدیث کی خدمات پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
۴- طبقہ نمبر ۲۱ اور طبقہ نمبر ۲۲ کے علماء رجال کی تالیفات کی اہم خصوصیات تحریر کیجئے۔
۵- طبقہ نمبر ۲۳ اور طبقہ نمبر ۲۴ کے علماء نے جو کتب مرتب کیں۔ ان کی ایک فہرست تیار کیجئے۔
۶- طبقہ نمبر ۲۵ اور طبقہ نمبر ۲۶ سے تعلق رکھنے والے علماء رجال میں جن حضرات نے بہت شہرت پائی ان پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔



یونٹ ⑩

برِّصغیر میں علم حدیث ❶

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ''برصغیر میں علم حدیث'' سے ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ علمِ حدیث کی ترویج واشاعت کے مراحل ان کے ذہن میں ہوں۔ اور جن جن حضرات نے اس مجال میں خدمات انجام دی ہیں ان کے علمی، عملی، تدریسی اور تالیفی آثار سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔ اس یونٹ میں پوری ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کا کام کیسے شروع ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر ہندوستان کے مختلف خطوں اور گوشوں میں اس کو پہنچنے کا موقع ملا۔ ان تالیفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ہندوستان میں رائج اور متداول رہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے ضمن میں جو مواد ہمارے لٹریچر میں موجود ہے وہ مختلف کتابوں میں منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر میں چونکہ علمی زبان ایک عرصہ تک فارسی رہی ہے اس لیے بیشتر علمی، ادبی اور تالیفی کام فارسی میں ہوا۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ فارسی زبان کی تالیفات اور آثار یا تو لائبریریوں کی زینت ہیں اور یا نمائشی مقاصد کے لیے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اب ہر فن اور مجال کے طلبہ ان خدمات اور مساعی سے ناواقف ہیں جو برصغیر کے علماء اور اساتذہ نے مختلف علوم وفنون کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں انجام دی ہیں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیرِ بحث سے متعلق بنیادی اور اساسی مواد جہاں کہیں بھی ملے سلیس اور عام فہم زبان میں مرتب اور منضبط اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔

⇦ محدّث صاغانی اوران کی کتاب مشارق الانوار کا تعارف کرواسکیں۔

⇦ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اوران کے شاگردوں کی خدمات علم حدیث کی اشاعت کے حوالے سے بیان کر سکیں۔

⇦ نظام الدین اولیاء اوران کے مکتب محدّثین کے اہم ارکان کی خدمات پر تبصرہ کر سکیں۔

⇦ شرف الدین منیری اوران کے تلامذہ کی جدوجہد اور خدمات کے آثار ونتائج پر بحث کر سکیں۔

① برصغیر میں علمِ حدیث کی ترویج واشاعت

ہندوستان میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا۔ خشکی سے اور بحری سے، خشکی کا راستہ درۂ خیبر کا تھا جہاں سے ترکوں، پٹھانوں اور مغلوں نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز سے داخل ہونا شروع کیا، لیکن ان سے سینکڑوں سال پہلے اہل عرب تاجر اور سوداگر کی حیثیت میں سندھ اور مالیبار سے لے کر گجرات تک بحر ہند کے پورے سواحل پر پھیل چکے تھے وہ اپنے ساتھ اپنا دین، اپنا قرآن اور اپنے افکار ونظریات اور روایات واقدار بھی لائے تھے اور اس سے پہلے سالہا سال پہلے کہ اسلام کا کوئی مسلح سپاہی اس سرزمین پر قدم رکھے یہاں مسلمان عربوں اور عراقیوں کی نو آبادیاں قائم تھیں اور مسجدیں تعمیر اور آباد تھیں۔ یہی مسجدیں اسلام کی ابتدائی درسگاہیں تھیں جن میں بیٹھ کر وہ قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس کا کام کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور سے سواحل ہند پر مسلح عربوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تھی یہ وہ دور تھا جب ہر مسلمان کتاب وسنت کا پیروکار تھا اور قرآن وحدیث ہی سے رہنمائی حاصل کرتا تھا یعنی صحابہ کرام کا دور تھا۔ اسلام کا پہلا جہادی قافلہ تھانہ کی طرف بڑھا تھا جو ان دنوں (بمبئی کے بجائے) بحرِ ہند کا مصروف بندرگاہ تھا اور اس کے بعد بھروچ (گجرات) اس قافلہ کی دوسری منزل گاہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان قافلوں میں ایسے حضرات بھی تھے جنہوں نے براہِ راست آپ ﷺ کو دیکھا تھا اور صحبتِ نبوی ﷺ سے مستفید ہو چکے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس پر صحابہ کرام نے اپنے مبارک قدم رکھے ہیں اور یہاں ان کا وجود مسعود رہا ہے۔

1.1 ہندوستان میں پہلا محدّث

۹۳ھ میں مسلمانوں نے سندھ پر حملہ کیا اور اس کے بیشتر علاقوں کو فتح کیا۔ یہ ملک اس وقت سے تیسری

صدی ہجری کے شروع تک عربوں کے قبضہ میں رہا۔ ۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی عباسی کے حکم سے جو فوج ہندوستان کی طرف آئی اس میں ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ربیع بن صبیح کا تعلق علماء کی اس جماعت سے ہے جنہوں نے احادیث کے منتشر اوراق کو یکجا کرنے میں سب سے پہلے حصہ لیا تھا۔ کشف الظنون میں آپ کے بارے میں لکھا ہے:

"قیل، ھو اول من صنف وبوب فی الإسلام"

''کہا جاتا ہے کہ ربیع پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں تصنیف وتالیف کی''۔

حافظ ابن حجر نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ بصرہ میں سب سے پہلے ربیع نے روایات کا مجموعہ تیار کیا ہے۔

ابن سعد آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"خرج غازیاً إلی الھند فی البحر فمات فدفن فی جزیرۃ من جزائر البحر سنۃ ستین ومأۃ".

''ربیع بن صبیح جہاد کی غرض سے ہندوستان کی طرف گئے۔ بحری سفر کے دوران انتقال کر گئے اور کسی جزیرہ میں دفن کیے گئے۔ یہ ۱۶۰ھ کا واقعہ ہے''۔

ہندوستان کی طرف آنے والوں میں حباب بن فضالہ تابعی کا نام بھی ملتا ہے انہوں نے انس بن مالک سے استفادہ کیا تھا اور ان کی صحبت میں رہے تھے۔ اسرائیل بن موسیٰ جن کا تعلق طبقہ تبع تابعین سے ہے اور امام حسن بصری کے شاگرد ہیں۔ ہندوستان میں بکثرت آتے جاتے رہتے تھے۔ اسی لیے ''نزیل ہند'' ان کا لقب ہو گیا تھا۔ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں لکھا ہے:

"کان یسافر إلی الھند"

''یہ ہندوستان کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔

دوسری صدی ہجری میں عرب امراء، تجار اور علماء کی آمد ورفت کی وجہ سے اہل سندھ کی سرگرمیوں میں ایک واضح فرق نمایاں ہوگیا تھا۔ اسی دور میں یہاں کے لوگوں نے علوم وفنون کی طرف توجہ دینا شروع کی اور ان میں ایسے طلبہ پیدا ہوئے جنہوں نے سندھ میں آئے ہوئے علماء سے استفادہ کرنے کے بعد حجاز کا رخ کیا۔ اسی صدی کے ایک ممتاز اور مایۂ ناز محدّث ابو معشر نجیح سندھی ہیں۔ ابو معشر حدیث وسیرت کے امام تھے۔ مدینہ منورہ گئے تو وہیں کے رہ گئے۔ اس لیے ''مدنی'' کہلانے لگے۔ آپ اپنے دور کے بہت بڑے امام تھے۔ آپ کا نام ان مؤلفین کی فہرست میں داخل ہے جو مغازی وسیر کے واقعات کو سب سے پہلے قیدِ تحریر میں لائے۔ ۱۷۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔(تاریخ علمائے ہند: ص ۲۳)

اس دور کے دوسرے محدّث امام رجاء السندھی ہیں۔ جو ایران پہنچ کر اسفرائینی کہلائے۔ فنِ حدیث میں یہ کمال پیدا کیا کہ مشہور محدّث امام حاکم ان کے حال میں لکھتے ہیں:

''رکن من أرکان الحدیث''

''علم حدیث کے اہم ترین عناصر میں سے تھے''۔

امام رجاء نہ صرف خود محدّث تھے بلکہ ان کے خاندان میں اور بہت سے حفاظ حدیث پیدا ہوئے۔

....

چوتھی صدی ہجری کے آخری ﷺ میں سلطان محمود غزنوی کے زیرِ قیادت مسلمان مجاہدین کے قافلے شمالی ہند میں داخل ہو گئے اور سلطان محمود نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ آئندہ دو صدیوں کے دوران میں خاندانِ غلاماں کے سلاطین نے مسلمانوں کی سلطنت کی حدود خلیجِ بنگال تک وسیع کر دیئے۔ مسلمانوں کی حیرت انگیز سیاسی فتوحات کے ساتھ ہی پورے شمالی ہند میں اسلام اور اسلامی علوم کی اشاعت ہونے لگی۔ فتوحات نے مسلمانوں کے لیے ہندوستان کے دروازے کھول دیئے تھے اور ہمسایہ مسلم ممالک سے مسلمان علماء، اولیاء اور مبلغین اسلام بڑی تعداد میں ہندوستان آنے لگے تھے جن کی ذاتی محنت، لگن، کوشش اور اثرات سے اسلامی علوم کی خوب اشاعت ہوئی۔

1.2 درہ خیبر کے راستہ سے پہلا محدّث

لاہور میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ایک مشہور صوفی بزرگ محمد اسماعیل نے کیا جو بخارا سے آئے تھے۔ شیخ اسماعیل ۳۹۵ھ میں ہند آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کر لی اور اسی نسبت سے "لاہوری" کہے جانے لگے۔ اس وقت تک مسلمانوں نے یہ شہر فتح نہیں کیا تھا۔ شیخ اسماعیل حدیث وتفسیر کے تبحر عالم تھے اور ان کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ لاہور میں اسلام کی تبلیغ کرنے والے پہلے مبلغ تھے۔ ان کا وعظ سننے کے لیے لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد روز بروز بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا کوئی غیر مسلم نہیں تھا جس نے شیخ اسماعیل سے ذاتی قرب حاصل ہونے کے بعد اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ شیخ اسماعیل نے ۴۴۸ھ میں لاہور میں وفات پائی۔

شیخ اسماعیل نے سلطان محمود غزنوی کے عہد میں غزنوی سلطنت کو اپنے انتہائی عروج پر دیکھا اور پھر سلطان کے بعد اس کے نااہل جانشینوں کے عہد میں اس سلطنت کو زوال پذیر ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔ لیکن انہوں نے سیاست میں کبھی دخل نہیں دیا اور اسلام اور اسلامی علوم کی اشاعت وترقی کے لیے نصف صدی سے زیادہ مدت تک بھرپور محنت کرتے رہے۔ ان کے مریدوں اور شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو حدیث کے ساتھ محبت وعقیدت کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اس لیے لاہور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا اور آئندہ سو سال کے دوران میں یہاں کئی مشہور محدّث پیدا ہوئے۔ چھٹی صدی ہجری میں ایک علمی وثقافتی مرکز کی حیثیت سے لاہور کی شہرت ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں بھی پھیل گئی تھی۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ سمعانی نے "کتاب الانساب" میں ان محدّثین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے لاہور میں زندگی بسر کی اور اس شہر سے نسبت رکھتے تھے۔

1.3 سید مرتضیٰ کوفی (م ۵۸۹ھ)

سید مرتضیٰ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ حدیث اور تفسیر کے عالم کی حیثیت سے ان کی شہرت سلطان شہاب الدین غوری (۵۷۰-۶۰۲ھ) کی توجہ کا باعث بنی اور سلطان نے ان کو اپنے خواص میں شامل کر لیا۔ سید مرتضیٰ

میں چونکہ سپاہیانہ اوصاف بھی فطری طور پر موجود تھے اس لیے سلطان نے ان کو فوجی خدمت پر مامور کر دیا اور ترقی دے کر سپہ سالار بنا دیا۔ ۵۸۹ھ میں فتح قنوج کے دوران میں سلطان شہاب الدین جب بنارس کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تو ظفر آباد کے مقام پر جو یو۔ پی کے ضلع جونپور میں واقع ہے۔ سید مرتضیٰ کا مقابلہ ظفر آباد کے راجہ اودے پال سے ہوا اور سید مرتضیٰ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

1.4 محدّث صاغانی (م ۶۵۰ھ)

آپ کا نام حسن بن محمد صاغانی ہے۔ گو آپ کا خاندان ماوراء النہر (ترکستان) اور پھر غزنی (افغانستان) سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر آپ کے والد محترم نے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حسن صاغانی ۵۷۰ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر یمن، حجاز اور عراق جا کر علم کی تکمیل کی اور لغت وحدیث کے امام قرار پائے۔ بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے نام ''مشارق الانوار'' کے نام سے حدیث کی کتاب مرتب کی۔ یہاں بیٹھ کر آپ نے اور بھی کئی کتابیں تالیف کیں۔ ۶۱۵ھ میں آپ نے بغداد کا سفر کیا اور خلیفہ بغداد اور سلطان غزنین وہند کے درمیان سفارت کا فرض انجام دیا۔ ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔

''مشارق الانوار'' مشکوٰۃ کی طرح حدیث کی مختلف کتابوں سے منتخب روایات کا مجموعہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ مشکوٰۃ کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے اور مشارق الانوار کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے۔ مثلاً ''من'' سے شروع ہونے والی روایات یکجا کی گئی ہیں۔ ''اذا'' سے شروع ہونے والی احادیث کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔ صیغۂ ماضی سے شروع ہونے والی احادیث کو ایک جگہ رکھا گیا ہے۔ علماء حدیث نے اس کتاب کی بڑی قدر کی اور بے شمار لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں اور خود یہ کتاب مدارس کے نصاب میں داخل ہو گئی۔

امام صاغانی غزنوی لاہوری تنہا محدّث ہیں اور مشارق الانوار اس دیار کی تنہا خدمت حدیث ہے جو اس عرصۂ دراز میں انجام کو پہنچی لیکن چونکہ امام صاغانی کا تعلق زیادہ تر حجاز وعراق سے رہا اس لیے ان کا اثر اس ملک کے علماء پر بہت کم پڑا اور اگر پڑا بھی تو صرف اسی قدر کہ ان کو اپنے نصاب تعلیم کے لیے حدیث میں ایک اپنے ہم وطن کی کتاب مل گئی اور وہ بدستور اپنے علم ودانائی میں مصروف رہے۔ منطق وفلسفہ اور علم کلام کے بعد فقہ اور

اصول فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہ بھی عقلی طریق سے۔ یہی سبب ہے کہ اصول فقہ جیسا ضروری علم بھی معقولات وکلامیات کا ایک ضمیمہ ہو کر رہ گیا۔

1.5 ابوالحسن علی بن عمر لاہوری (م ۵۲۹ھ)

ابوالحسن علی محدث بھی تھے اور شاعر و ادیب بھی۔ انہوں نے ابوالمظفر السعیدی سے تحصیل علم حدیث کیا اور ایک محدث کی حیثیت سے ان کی شہرت بغداد تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ابوالفضل محمد بن نصیر السلمی البغدادی (م ۵۵۰ھ) نے جو خود بھی حافظ تھے ان سے احادیث کا سماع کیا اور پھر ان کو مشہور محدث السمعانی تک پہنچا دیا اور اس طرح السمعانی بھی ابوالحسن لاہوری کے شاگرد ہو گئے۔ ابوالحسن لاہوری نے ۵۲۹ھ میں لاہور میں وفات پائی۔

1.6 ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری (م ۵۵۰ھ)

عبدالصمد لاہوری، ابوالحسن لاہوری کے شاگرد تھے۔ وہ سمرقند میں حدیث کا درس دیتے تھے اور وہاں انہوں نے السمعانی سے وہ احادیث اخذ کیں جو خود اپنے استاذ شیخ ابوالحسن سے سماعت کی تھیں۔ عبدالصمد لاہوری چھٹی صدی ہجری کے نصف تک حیات رہے۔

1.7 ابوالقاسم محمد بن خلف لاہوری (م ۵۴۰ھ)

ابوالقاسم لاہور سے ہجرت کر کے اسفرائنین چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ انہوں نے فقہ اور حدیث کی تعلیم ابوالمظفر السمعانی سے حاصل کی تھی جو مشہور محدث السمعانی کے دادا تھے۔ ابوالقاسم نے اس زمانہ کے دوسرے محدثین سے بھی حدیث کا درس لیا۔ محدثؒ ہونے کے علاوہ ابوالقاسم ایک مناظر کی حیثیت سے بھی مشہور ہو گئے تھے۔ السمعانی ان سے اسفرائنین میں ملے تھے اور احادیث سماعت کی تھیں۔ ابوالقاسم کا انتقال ۵۴۰ھ کے قریب ہوا۔

غزنوی سلاطین کے عہد میں جو شافعی مسلک کے پیرو تھے لاہور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا تھا اور چھٹی

صدی ہجری کے آخر تک اپنی تابانیاں بکھیرتا رہا۔ لیکن ۶۰۲ھ میں جب سلطنتِ دہلی کی بنیاد پڑی تو ہندوستان میں فقہ کی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ دہلی کے سلاطین کا تعلق حنفی مسلک سے تھا اس لیے قدرتی طور پر عراق، فارس، خراسان اور ترکستان کے علمائے فقہ ومعقولات کے لیے دہلی میں بڑی کشش تھی۔ چنگیز خان کی غارت گری نے وسط ایشیاء میں امن وامان اور سیاسی نظام تہہ وبالا کر ڈالا تھا۔ چنانچہ وہاں کے علماء نے برصغیر کا رخ کیا جس کے علم دوست سلاطین علماء کی بہت قدر ومنزلت کرتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ملتان، لاہور، بھکر، ہانسی اور تھانہ جیسے اہم شہروں میں علماء بڑی تعداد میں آباد ہو گئے اور یہ شہر بلخ وبخارا کے ہم پلہ بن گئے اس کے بعد علمی اور ثقافتی ترقی کا دائرہ مشرق کی طرف پھیلنے لگا اور دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ پھر ساتویں صدی ہجری کے وسط میں رفتہ رفتہ یہ دائرہ بنگال تک وسیع ہو گیا۔ سلاطین کی فیاضانہ امداد وسرپرستی کی بدولت شمالی ہند میں مکاتب اور مدارس قائم ہو گئے جن میں اُچھ کا مدرسہ فیروز، دہلی کا مدرسہ معزی اور مدرسۂ نصیریہ، اور بدایون کا مدرسۂ معزی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مدارس کے علاوہ ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں علماء انفرادی طور پر بھی لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور حکومت سے ان کو امداد ملتی تھی۔ برصغیر میں سلاطین دہلی کے سیاسی اقتدار میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا وہ اسلامی علوم کو زیادہ سے زیادہ ترقی دیتے گئے۔

ساتویں صدی ہجری میں نصابِ تعلیم عربی ادب، صرف ونحو، لسانیات، فقہ، اصولِ فقہ، منطق، تصوف، تفسیر اور حدیث پر مشتمل تھا۔ فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم پر خاص کر زور دیا جاتا تھا اور اتنی ہی اہمیت صرف ونحو اور ادبیات کو حاصل تھی لیکن دو اہم ترین شعبوں یعنی حدیث اور تفسیر پر معمولی توجہ دی جاتی تھی اور ان میں بھی حدیث کی تعلیم تو بہت ہی کم ہوتی تھی۔ چنانچہ حسن صاغانی کی ''مشارق الانوار'' اور امام بغوی کی ''مصابیح السنۃ'' کے سوا حدیث کی کوئی اور کتاب یہاں تک کہ صحاح ستہ میں سے بھی کوئی کتاب داخل نصاب نہ تھی۔ اس وقت جو حالات تھے ان میں سے اس کے علاوہ کسی اور بات کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ برصغیر میں جس نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی اس کا مقصد بھی وہی تھا جو وسطی ایشیاء کے ممالک میں تھا یعنی طالب علم کو قاضی کے عہدے کے لیے تیار کرنا۔ ان حالات میں یہ بات غیر معمولی نہ تھی کہ علاء الدین خلجی (۶۹۵-۷۱۵ھ) کے عہدِ حکومت کے چھیالیس علماء میں صرف شمس الدین یحییٰ (م ۷۴۷ھ) کو علمِ حدیث سے کچھ دلچسپی تھی۔ مؤرخ ضیاء

الدین برنی نے حدیث کو ان مضامین میں شامل نہیں کیا ہے جن کی اس زمانہ میں تعلیم دی جاتی تھی۔اس لیے یہ بات بہت غیر واضح ہے کہ حدیث کی کتابوں کا غائر مطالعہ بھی کیا جاتا تھا۔۷۰۰ھ میں ایک ممتاز مصری محدّث شیخ شمس الدین ترک حدیث کی بہت سی کتابیں لے کر ہندوستان آئے تھے تاکہ یہاں ان کتابوں کو رائج کیا جائے۔لیکن دہلی جاتے ہوئے ملتان میں جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ علاء الدین نماز کا پابند نہیں ہے اور جمعہ کی نماز بھی نہیں پڑھتا ہے تو ان کو بڑی مایوسی ہوئی اور انہیں اس قدر رنج ہوا کہ انہوں نے اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کا خیال ترک کر دیا۔لیکن وطن واپس جانے سے قبل انہوں نے حدیث پر ایک رسالہ لکھا اور اس کا انتساب سلطانِ دہلی کے نام کیا۔شمس الدین نے یہ رسالہ اور علاء الدین خلجی کے نام ایک خط شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م۶۶۶ھ) کے پوتے مولانا فضل اللہ کے پاس چھوڑ دیا۔اس خط میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ علاء الدین کے زمانے کے علماء نے علم حدیث کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف فقہ اور ادب کی تعلیم دیتے ہیں۔اس صورتحال سے کبیدہ خاطر ہو کر وہ وطن واپس جا رہے ہیں کیونکہ وہ یہاں علم حدیث کی تعلیم دینے کے خیال سے آئے تھے۔شمس الدین کے اس طرح واپس چلے جانے سے برصغیر میں اشاعتِ حدیث کا ایک بہت اچھا موقع ضائع ہو گیا۔

ساتویں صدی ہجری میں علم حدیث کے بارے میں علماء کا رجحان اگرچہ حسب سابق رہا تاہم اس صدی میں میں کچھ ایسے علماء بھی پیدا ہوئے جن کو اس علم سے دلچسپی تھی اور وہ اس میں کافی مہارت رکھتے تھے۔طبقات ناصری کے مؤلف منہاج السراج جرجانی کے پاس سنن ابی داؤد کا ایک نسخہ بھی موجود تھا اور غالباً ہندوستان میں اس کتاب کا یہ واحد نسخہ تھا۔

ساتویں صدی ہجری میں جن حضرات کا تعلق حدیث سے رہا۔ان میں چند کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

1.8 شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م۶۶۶ھ)

ملتان کے مشہور بزرگ اور شیخ شہاب الدین سہروردی (م۶۳۲ھ) کے مرید شیخ بہاء الدین زکریا ایک

صحابی رسول ہبار بن اسود کی اولاد میں سے تھے۔ وہ ملتان کے قریب قلعہ کلکرا میں پیدا ہوئے تھے۔ بخارا اور خراسان میں تعلیم حاصل کی۔ پھر زیارت حرمین کے لیے گئے اور مدینہ منورہ کے ایک محدث کمال الدین محمد الیمنی سے پانچ سال تک حدیث کی تعلیم حاصل کر کے اس علم میں مہارت پیدا کر لی۔ شیخ بہاء الدین نے صفر ۶۶۶ ھ میں ملتان میں وفات پائی۔

1.9 قاضی منہاج السراج جرجانی (م ۶۶۸ ھ)

قاضی منہاج کا تعلق خراسان کے شہر جرجان کے ایک مہذب وشائستہ خاندان سے تھا۔ انہوں نے ۶۲۴ ھ میں وطن مالوف کو خیر باد کہا اور برصغیر کا رخ کیا۔ منہاج نے اپنے والد سے، جو سلطان محمد غوری (۵۷۰ھ-۶۰۲ ھ) کی ہندی فوج میں قاضی مقرر کئے گئے تھے عمدہ تعلیم حاصل کی جس کی بدولت وہ ملتان کے حاکم ناصر الدین قباچہ اور سلاطین دہلی التمش (۶۰۷-۶۳۳ ھ)، رضیہ سلطانہ (۶۳۴-۶۳۷ ھ)، بہرام (۶۳۷ تا ۶۳۹ ھ) اور ناصر الدین محمود (۶۴۴-۶۶۴ ھ) کے عہد میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ اُچھ کے مدرسہ فیروز اور دہلی کے مدرسۂ نصیریہ کے صدر معلّم اور منصف اعلیٰ اور مبلغ کی حیثیت سے منہاج نے بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ ۶۴۰ ھ میں وہ بنگال میں لکھنوتی گئے اور وہاں دو سال تک قیام کیا منہاج نے ۶۶۴ ھ کے بعد وفات پائی۔

طبقات ناصری میں منہاج نے سنن ابو داؤد سے متعدد احادیث نقل کی ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا بخوبی مطالعہ کیا تھا۔ منہاج نے چند ضعیف اور موضوع احادیث کو متواتر کہا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث کا وسیع اور غائر مطالعہ نہیں کیا تھا۔ انہیں چونکہ علم حدیث سے متعلق فنی مباحث کا علم نہیں تھا اس لئے متون کو تو انہوں نے یاد کر لیا تھا لیکن روایات کی حیثیت کو وہ نہیں جانتے تھے۔

1.10 برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بخاری (م ۶۸۷ ھ)

برہان الدین محمود، سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ تا ۶۸۶ ھ) کے دور میں بقید حیات تھے۔ وہ حسن الصاغانی کے شاگرد تھے اور ان سے ''مشارق الانوار'' کی سند حاصل کی تھی۔ وہ دہلی میں ''مشارق الانوار'' کی

تعلیم کا آغاز کرنے والے پہلے محدّث تھے۔ برہان الدین محمود کو مرغینان میں الہدایہ کے نامور مصنف برہان الدین المرغینانی (م۵۹۳ھ) سے ملنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ سلطان بلبن، برہان الدین محمود کی بہت عزت کرتا تھا اور حصول برکت کے لیے جمعہ کے دن ان سے ملنے جایا کرتا تھا۔ انہوں نے ۶۸۷ھ میں دہلی میں وفات پائی اور حوضِ شمسی کے مشرقی حصہ میں دفن کئے گئے۔

1.11 کمال الدین زاہد (م۶۸۴ھ)

محمد بن احمد بن محمد جو کمال الدین زاہد کے نام سے معروف ہیں علم حدیث میں شیخ نظام الدین اولیاء (م۷۲۵ھ) کے استاد ہونے کے باعث ممتاز ہو گئے تھے۔ انہوں نے ''مشارق الانوار'' شیخ برہان الدین محمود کے ساتھ پڑھی تھی ان کے نہایت پاکیزہ فضائل اور اخلاق وعادات کی وجہ سے سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کو ''امامت'' کے منصب پر مقرر کرنا چاہا تھا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ کمال الدین زاہد نے ۶۸۴ھ میں دہلی میں وفات پائی۔

1.12 رضی الدین بدایونی (م۷۰۰ھ)

رضی الدین بدایونی اپنے ہم عصر علمائے دہلی میں علم حدیث پر کافی عبور رکھتے تھے وہ کوئل (علی گڑھ) کے قاضی تھے۔ رضی الدین مکہ معظمہ اور وہاں سے بغداد گئے جہاں خلیفۂ وقت نے محدّث ہونے کی بنا پر ان کو شرف بازیابی عطا کیا۔ پھر وہ ہندوستان واپس آئے اور لاہور میں وفات پائی۔

1.13 ابوتوامہ بخاری حنبلی (م۷۰۰ھ)

شرف الدین ابوتوامہ بخاری بخارا کے رہنے والے تھے اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ترک وطن کر کے دہلی آ گئے۔ سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷-۶۳۳ھ) کے عہد میں وہ بنگال کے شہر سنار گاؤں چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابوتوامہ بہت مشہور استاد اور اپنے وقت کے شیخ تھے۔ حنبلی عالم ہونے کی وجہ سے علم حدیث میں بہت قابل اور ماہر تھے ان کی وجہ سے سنار گاؤں بہت جلد بنگال میں علم حدیث کا ایک

مرکز بن گیا جس سے فیض پانے والوں میں بہار کے مشہور ولی اور محدث مخدوم شرف الدین منیری (م۷۸۲ھ) بھی شامل تھے۔ ابوتوامہ نے ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں سنارگاؤں میں وفات پائی۔

خود آزمائی ①

۱) برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟
۲) درہ خیبر کے راستہ سے ہندوستان میں پہلا محدث کون آیا اس کا تعارف کیجئے؟
۳) محدث صاغانی اور ابوالحسن علی بن عمر لاہوری کی خدمات کا جائزہ لیجئے۔
۴) ابوالفتوح لاہوری اور ابوالقاسم لاہوری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں بیان کیجئے۔
۵) شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور قاضی منہاج السراج جرجانی کے حالات پر مختصر نوٹ لکھئے۔
۶) برہان الدین محمود بخاری، کمال الدین زاہد اور شیخ ابوتوامہ حنبلی کے بارے میں اختصار کے ساتھ بتا دیجئے۔

۷۰۰ھ تا ۹۰۰ھ

فقہ، اصول فقہ اور ادبیات کے بعد جس علم پر علماء نے سب سے زیادہ توجہ کی وہ معقولات (منطق وفلسفہ) ہے اور سلطان محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ) کے عہد میں اس کو دہلی میں بہت فروغ ہوا۔ سلطان محمد تغلق خود ایک جید عالم تھا اور اس نے معقولات کی بہت سرپرستی کی۔ اس کے حلقۂ علماء میں منجملہ دیگر اشخاص کے ایک فلسفی عالم مولانا علیم الدین بھی شامل تھے جن سے وہ اس موضوع پر باقاعدہ بحث کیا کرتے تھے۔ سلطان محمد تغلق معقولات کا اس قدر گرویدہ تھا کہ وہ بذات خود معقولات کے درس کا انتظام کیا کرتا تھا۔ اس زمانے میں معقولات اور فقہ عام دلچسپی کے مضامین تھے اور قرآن وحدیث کی تعلیم رسم وروایت کے طور پر ہوتی تھی۔ اس دور کے سنجیدہ طبع علماء قرآن وحدیث کی تعلیم کے فقدان کو شدت سے محسوس کرتے تھے تاہم ایسے حضرات کی تعداد بہت کم تھی۔ علماء کی اکثریت کا تعلق حنفی مسلک سے تھا اور وہ اپنی تمام توجہ فقہ واصول فقہ پر مرتکز کئے ہوئے تھے جو سرکاری ملازمت مل جانے کی قطعی ضمانت تھی۔ وہ چونکہ فقہ حنفی کے حامل تھے اس لیے شرعی مسائل کو صرف فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھتے تھے اور اس مسلک کے اصولوں سے کسی انحراف کی مخالفت کرتے تھے۔ علماء کے اس رویہ کی مثال اس مشہور مناظرہ سے ملتی ہے جو شیخ نظام الدین اولیاء اور فقہاء کے درمیان سلطان غیاث الدین تغلق (۷۲۰ھ تا ۷۲۵ھ) کے عہد میں ہوا تھا۔

شافعی مسلک کی پیروی کرتے ہوئے شیخ نظام الدینؒ اولیاء نے سماع کی حمایت میں روایات پیش کیں۔ لیکن فقہاء نے ان روایات کو مسترد کر دیا۔ اولاً اس بناء پر کہ شیخ مقلد ابوحنیفہ ہیں اس لیے انہیں حدیث سے استدلال نہیں کرنا چاہیے اور ثانیاً اس وجہ سے کہ یہ احادیث شافعی مسلک کی حمایت میں ہیں اس لیے حنفی فقہاء ان کو قبول کرنے کے پابند نہیں۔ مزید برآں انہوں نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ہندوستان میں فقہی روایات کی قانونی حیثیت حدیث کی روایات سے زیادہ ہے۔ چنانچہ ان فقہاء نے شیخ نظام الدین اولیاء سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور اجتہادات کو پیش نظر رکھیں۔ نظام الدین اولیاء کو فقہاء کے اس

رویہ سے بہت تکلیف پہنچی۔ شیخ شمس الدین ترک کی واپسی اور شیخ نظام الدین اولیاء کے ساتھ فقہاء کے اس مناظرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے علماء میں جو اپنے دور کے علمی طبقہ کے نمائندہ تھے جس قسم کے رجحانات پائے جاتے تھے وہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے سازگار نہ تھے اور یہاں اس کا مستقبل مایوس کن معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اس تاریکی میں روشنی کی کرن نظر آ رہی تھی۔ رسول ﷺ اور سنت رسول ﷺ کی محبت سے سرشار مشائخ نے علم حدیث کی تحصیل پر خود بھی توجہ کی اور اپنے شاگردوں اور مریدوں میں بھی اسے حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ اس ذوق وشوق کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار مشائخ کی سرکردگی میں شمالی ہند میں علم حدیث کے چار مکاتب قائم ہو گئے۔ چنانچہ دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاء اور ان کے مکتب کے محدثین، بہار میں مخدوم شرف الدین منیری اور ان کے مکتب کے محدثین، ملتان میں شیخ زکریا ملتانی اور ان کے مکتب کے محدثین اور کشمیر میں میر سید علی ہمدانی اور ان کے مکتب کے محدثین نے علم حدیث کی اشاعت پر پوری توجہ کی اور ان چاروں مکاتب حدیث کے صوفی علماء شمالی ہند میں نویں صدی ہجری کے آخر تک اس علم کی ترقی واشاعت میں مصروف رہے یہاں تک کہ اس ملک میں علم حدیث کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو گیا۔

② نظام الدین اولیاء اور ان کا مکتب محدّثین

2.1 شیخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ)

محمد بن احمد بن علی، جو نظام الدین اولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ ۶۳۴ھ میں بدایون میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے دادا شیخ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں منگولوں کے حملے کے دوران میں بخارا سے ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے۔ شیخ نظام الدین نے علاء الدین اصولی بدایونی اور شمس الدین خوارزمی سے جن کو آگے چل کر شمس الملک کا خطاب ملا اور سلطان غیاث الدین بلبن کے وزیر ہوئے تحصیل علم کیا اور صرف بیس سال کی عمر میں عربی ادب اور فقہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرکاری قاضی کے منصب پر فائز ہونے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی۔ لیکن شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر (م ۶۶۴ھ) کے بھائی شیخ نجیب الدین المتوکل (م ۶۸۱ھ) کی ایماء پر وہ ۶۵۵ھ میں اجودھن (پاکپتن) گئے اور شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے مرید ہو گئے۔ اس طرح شیخ نظام الدین کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور رفتہ رفتہ وہ شیخ فریدالدین گنج شکر کے خلیفہ اور ہند کے ایک عظیم ترین ولی ہو گئے۔ شیخ نظام الدین اپنے دور کے مشہور فاضل وادیب اور محدّث تھے۔ ادب میں مقاماتِ حریری زبانی یاد کی تھی۔ بعد میں مشارق الانوار کو بھی زبانی یاد کر لیا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے حالات میں سب سے قدیم تذکرہ "سیر الاولیاء" ہے جو حضرت امیر خورد دہلوی کی تالیف ہے اور مؤلف صرف ایک دو واسطوں سے شیخ کے حالات بیان کرتا ہے اور ان کی بہت سی تحریری یادداشتیں ان کی نظر سے گذری ہیں۔ امیر خورد دہلوی نے اس اصل سند کی پوری عبارت سیر الاولیاء میں نقل کی ہے جو مولانا کمال الدین زاہد نے حضرت نظام الدین اولیاء کو لکھ کر دی تھی۔ اس سند (Certificate) سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نظام الدین نے اپنے شیخ کمال الدین زاہد سے بالالتزام حدیث میں استفادہ کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں حدیث کی تعلیم پر اتنی توجہ نہیں دی بلکہ انہوں نے حدیث کا باقاعدہ مطالعہ اس وقت شروع کیا جب وہ ایک ممتاز ولی کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ لیکن اس کا سبب معلوم کرنا دشوار نہیں۔ اس

زمانے میں قاضی کا منصب حاصل کرنے کے لیے جن علوم کا حاصل کرنا ضروری تھا ان سے فراغت کے بعد شیخ نظام الدین کو اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ علم حدیث کی تحصیل پر توجہ کر سکیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ قاضی مقرر کر دیئے جاتے جیسا کہ وہ چاہتے تھے تو حدیث کا مطالعہ کرنے کی انہیں ضرورت ہی نہ ہوتی۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت عطا فرمائی اور وہ جیسے جیسے روحانیت کی منزلیں طے کرتے گئے ان کو حدیث کا مطالعہ کرنے کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہوتی گئی۔ چنانچہ ایک عالم اور ولی کے اوصاف سے پوری طرح متصف ہونے کے باوجود انہوں نے مولانا کمال الدین زاہد کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا اور ان سے مشارق الانوار کا درس لینے لگے۔ شیخ نظام الدین نے اس کتاب کا بہت غائر اور تنقیدی مطالعہ کیا۔ حدیث کے مطالعہ نے زندگی کے متعلق شیخ کا نکتۂ نظر اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ انہوں نے جامد تقلید پسندی ترک کر دی۔ چنانچہ حلت سماع اور قرأۃ خلف الامام کے متعلق ان کی رائے سے اس تبدیلی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

شیخ نظام الدین کے ملفوظات فوائد الفواد کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے پائے کے محدّث نہیں تھے اس لیے کہ اس کتاب میں منجملہ دوسری باتوں کے بہت سی موضوع احادیث بھی موجود ہیں، ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ "مشارق الانوار" کے علاوہ حدیث کی کسی اور مستند کتاب کا انہوں نے مطالعہ نہ کیا ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ مستحق ستائش ہیں کہ انہوں نے اپنی خانقاہ کے لوگوں میں حدیث سے گہری دلچسپی پیدا کر دی جس کی بدولت ان کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء میں کافی تعداد ایسے علماء کی ہوگئی جنہوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کر لی۔

2.2 شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی (م ۷۴۷ھ)

آپ کا تعلق شیخ نظام الدین اولیاء کے مکتب حدیث سے تھا۔ آپ اس دور کے دو مشہور علماء فرید الدین شافعی اور ظہیر الدین بھکری کے شاگرد تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیاء سے "مشارق الانوار" کا درس بھی لیا تھا اور اس سے فراغت کے بعد سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کے شاہی مدرسہ میں مدرّس مقرر کئے گئے تھے۔

۷۲۴ھ میں شیخ نظام الدین نے ان کو خلافت عطا کی۔ اس کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے کشمیر میں تبلیغ

اسلام کی ذمہ داری ان کے حوالہ کی۔ لیکن ۷۴۷ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور کشمیر میں دعوت وتبلیغ کا کام آپ نہیں کر سکے۔

شمس الدین پہلے ہندی محدّث ہیں جنہوں نے مشارق الانوار کی شرح لکھی۔ لیکن یہ شرح اب نایاب ہے۔ شمس الدین کے نامور اور ممتاز شاگرد نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے ان کی مدح میں جو شعر کہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتنے بڑے عالم تھے۔

2.3 مولانا فخر الدین زرّادسمانوی دہلوی (م ۷۴۸ھ)

آپ شمس الدین اودھی اور دہلی کے بعض دوسرے مشہور علماء کے ہم جماعت رہ چکے تھے۔ فخر الدین فقیہ بھی تھے اور محدّث بھی۔ انہوں نے علم حدیث کا بہت وسیع اور غائر مطالعہ کیا تھا۔ دہلی میں ''الہدایۃ'' کا درس دیتے ہوئے آپ صحیحین سے مماثل احادیث بطورِ تائید بیان کرتے جاتے تھے جس سے ہدایہ کی صحت زیادہ واضح ہو جاتی تھی۔ سماع کے بارے میں انہوں نے عربی میں دو رسالے ''اصول السماع'' اور ''کشف الغناعن وجود السماع'' لکھے ہیں جن میں احادیث کے حوالے بکثرت دئے ہیں۔ بالخصوص مؤخر الذکر رسالہ کی آٹھویں فصل میں جس میں روایات سے استدلال کر کے سماع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے سماع کے بارے میں جو مشہور مناظرہ کیا تھا اس میں مولانا فخر الدین نے بھی اپنے مرشد کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ محمد بن تغلق کی ایماء پر شیخ فخر الدین دولت اباد چلے گئے تھے جہاں سے وہ مکہ معظمہ اور پھر بغداد گئے۔ مکہ مکرمہ اور بغداد کے ممتاز محدّثین کے حلقوں میں شرکت کی۔ ۷۴۸ھ میں وطن واپس آتے ہوئے دورانِ سفر جہاز ڈوب جانے کی وجہ سے انتقال فرمایا۔

2.4 ضیاء الدین بن معید الملک برنی (م ۷۵۸ھ)

تاریخ فیروز شاہی کے مشہور مؤلف ضیاء الدین برنی نے شیخ نظام الدین اولیاء کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اس طرح ان کو اپنے مرشد سے بہت قریب ہونے کا موقع ملا۔ ضیاء الدین برنی ایک شائستہ انسان تھے اور ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ علمِ حدیث پر انہیں کتنا عبور حاصل تھا

اس کا اندازہ ان احادیث سے ہوسکتا ہے جن کے حوالے انہوں نے اپنی تاریخ میں دیئے ہیں۔ اور بالخصوص کتاب کے مقدمہ سے، جس میں انہوں نے حدیث اور تاریخ کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس میں ضیاء الدین برنی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ کا مطالعہ کرنے سے انسان اعتدال پسند اور کریم النفس ہو جاتا ہے۔ ۷۵۷ھ میں تاریخ فیروز شاہی مکمل ہوئی اور اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے وفات پائی۔

2.5 محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی (م ۷۱۹ھ)

محی الدین، شیخ نظام الدین اولیاء کے ان مریدوں میں سے تھے جو علم حدیث سے بہت گہرا شغف رکھتے تھے۔ وہ خود شیخ نظام الدین کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے جس میں وہ مشکل احادیث کی تشریح کیا کرتے تھے۔ خزینۃ الاصفیاء میں مذکور ہے کہ شیخ محی الدین علم حدیث، تفسیر اور فقہ کے عالم تھے۔ ان کا تعلق اودھ کے موروثی قاضیوں کے ایک خاندان سے تھا مگر انہوں نے درویشانہ زندگی اختیار کر لی اور انتہائی افلاس سے دوچار رہے۔ ان کے ایک دوست نے سلطان علاء الدین خلجی کو ان کی حالتِ زار سے آگاہ کیا تھا اور سلطان نے ان کو اودھ کا قاضی بنا دینے کی پیش کش کی تھی مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۷۱۹ھ میں دہلی میں قیام کے دوران آپ کا انتقال ہوا۔

2.6 نظام الدین علامی الہاشمی ظفرآبادی (م ۷۳۵ھ)

نظام الدین علامی بہت مشہور عالم تھے۔ علم حدیث پر ان کو اس قدر عبور حاصل تھا کہ انہیں زبدۃ المحدثین کہا جانے لگا۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے بیعت کر کے انہوں نے اپنی زندگی کے علمی دور کا آغاز کیا تھا اور غالباً ان کی وفات کے بعد جونپور کے قریب ظفرآباد کے محلہ سیدواڑہ میں مخدوم اسد الدین آفتاب ہند کی رہبری میں تصوف کی تعلیم کے مدارج طے کئے۔ مخدوم اسد الدین ایک مشہور ولی تھے اور انہوں نے نظام الدین علامی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ نظام الدین علامی نے تصوف پر دو رسالے قلم بند کئے ہیں۔ ایک عربی میں ہے جس کا نام ''زاد الصلحاء'' ہے اور دوسرا فارسی میں ہے جس کا نام ''زادِ سالکان'' ہے۔ نظام الدین نے ۷۳۵ھ میں ظفرآباد میں وفات پائی۔

2.7 شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی (م ۷۵۷ھ)

نصیر الدین محمود بن یحیٰی بن عبداللطیف الحسینی اودھی "چراغ دہلی" کے نام سے معروف ہیں۔ شیخ نصیر الدین غیاث پور کی خانقاہ میں شیخ نظام الدین اولیاء کے جانشین ہوئے تھے۔ انہوں نے محی الدین کاشانی، شمس الدین محمد اودھی اور دوسرے علماء کے ساتھ علوم اسلامیہ کا مطالعہ کیا تھا۔ علم حدیث پر ان کو کافی عبور حاصل تھا جس کا ثبوت ان کے ملفوظات خیر المجالس سے ملتا ہے۔ ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ بروز جمعہ دہلی میں شیخ نصیر الدین محمود کا انتقال ہوا۔ شیخ نصیر الدین سنت پر عمل کرنے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ سماع کے قائل نہیں تھے۔ ایک دفعہ ان کے چند رفقاء سماع میں مصروف تھے شیخ نصیر الدین مجلس سے اٹھ گئے۔ لوگوں نے بیٹھنے پر اصرار کیا۔ فرمایا: یہ خلاف سنت ہے۔ لوگوں نے کہا: اپنے مرشد کے مسلک سے تم ہٹ گئے۔ فرمایا: مرشد کا عمل حجت نہیں ہوسکتا۔ کتاب وسنت سے کوئی دلیل لاؤ۔ بعض اصحاب نے یہ فقرہ حضرت سلطان الاولیاء تک پہنچایا۔ سلطان الاولیاء نے فرمایا: "راست می گوید" یعنی نصیر الدین کی بات ٹھیک ہے۔ (اخبار الاخیار: ص ۷۶)

2.8 سید محمد گیسودراز (م ۸۲۵ھ)

ابوالفتح صدر الدین محمد بن یوسف بن علی الحسینی دہلوی جو گیسودراز کے نام سے مشہور ہیں۔ بہت بڑے ولی اور نامور عالم تھے۔ آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے۔ اور خانقاہ غیاث پور میں ان کے خلیفہ ہوئے۔ سید محمد ۴ رجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ شرف الدین کیتھلی، تاج الدین مقدم اور قاضی عبدالمقتدر (م ۷۹۱ھ) کے ساتھ تحصیل علم کیا۔ تیمور کے حملہ کی وجہ سے سید محمد نے ۸۰۱ھ میں دہلی کو خیر باد کہا اور کچھ عرصہ گجرات اور دولت آباد میں مقیم رہنے کے بعد ۸۰۳ھ میں گلبرگہ پہنچے جہاں سلطان فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ تا ۸۲۵ھ) نے بہت اعزاز واحترام کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ شہزادہ احمد شاہ بہمنی ان کا مرید ہوگیا تھا اور اس نے ان کے لیے بہت عمدہ رہائش گاہ اور اس سے متصل خانقاہ تعمیر کی۔ سید محمد نے ۱۶ ذی القعدۃ ۸۲۵ھ کو وفات پائی۔ سید محمد گیسودراز نے مختلف اسلامی علوم کے بارے میں ایک سو سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں حدیث سے متعلق تصانیف درج ذیل ہیں:

۱- ترجمان مشارق الانوار: یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔

۲- کتاب الاربعین: یہ چالیس منتخب احادیث کا مجموعہ ہے۔ مصنف نے ہر حدیث کے ساتھ صحابہ، تابعین اور مشائخ کے اہم مفہوم اقوال بھی قلم بند کئے ہیں۔

۳- رسالۃ سیرت النبی ﷺ: یہ رسالہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت سے متعلق روایات پر مشتمل ہے۔

2.9 شیخ وجیہہ الدین

شیخ وجیہہ الدین، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ایک ممتاز مرید تھے۔ علم حدیث پر ان کو کافی عبور حاصل تھا۔ اپنی تصنیف مفتاح الجنان کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے جو فارسی میں لکھی گئی ہے اور اس میں اوراد وعبادات اور اخلاقیات سے متعلق ہدایات قلم بند کی گئی ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب قرآنی آیات اور حدیث کی صحیح روایات پر مشتمل ہے۔ اپنی کتاب میں مؤلف نے مشارق الانوار سے استفادہ کیا ہے۔

2.10 قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ)

ملک العلماء شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزاولی، غزنوی، دولت آبادی نویں صدی ہجری کے ایک نامور عالم تھے۔ دولت آباد، دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ اور دہلی میں معین الدین عمرانی (م ۸۰۷ھ)، مولانا خواجگی (م ۸۱۹ھ) اور قاضی عبد المقتدر جیسے ممتاز علماء سے استفادہ کیا۔ قاضی عبد المقتدر، شیخ نصیر الدین چراغ دلی کے مرید تھے اور یہی قاضی شہاب الدین کے روحانی مرشد تھے۔ تیمور کے حملہ کی وجہ سے قاضی شہاب الدین مولانا خواجگی کے ساتھ دہلی چھوڑ کر کالپی چلے گئے اور پھر وہاں سے جونپور جا کر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ) نے قاضی شہاب الدین کی بہت سرپرستی کی اور ان کو ملک العلماء کا خطاب دیا۔

۲۵ رجب ۸۴۹ھ کو قاضی شہاب الدین کا انتقال ہوا اور جونپور میں ابراہیم شرقی کی مسجد کے قریب دفن کئے گئے۔ قاضی شہاب الدین کی تصانیف میں ایک رسالہ سادات کی فضیلت کے بارے میں ہے جس کا نام مناقب السادات یا شرف السادات ہے۔ اس رسالہ میں مؤلف نے قرآنی آیات اور احادیث کے بکثرت حوالے دئے ہیں۔ یہ احادیث مشارق الانور، مصابیح السنۃ اور معانی الآثار سے لی گئی ہیں۔

2.11 شمس الدین خواجگی کڑاوی (م ۸۷۸ھ)

شمس الدین خواجگی بن احمد بن شمس الدین ملتانی، کڑاوی، اسماعیل بن جعفر صادق (م ۱۴۸ھ) کی اولاد میں ہیں۔ آپ ایک صوفی عالم تھے آپ نے مشارق الانوار میں سے احادیث منتخب کر کے ایک ''اربعین'' مرتب کیا تھا اور اسے حفظ بھی کر لیا تھا۔ مولانا شمس الدین خواجگی نے اپنے وطن کڑا میں جو الہ آباد کے قریب ہے ۱۸ محرم الحرام ۸۷۸ھ کو وفات پائی۔

③ شرف الدین منیری اوران کا مکتب محدّثین

3.1 مخدوم الملک شرف الدین منیری بہاری (م۷۸۲ھ)

شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری شوال (۶۶۱ھ) میں بہار سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ''منیر'' میں پیدا ہوئے اور سنار گاؤں میں اپنے استاد ابوتوامہ حنبلی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی۔ جن کی صاحبزادی سے شرف الدین کا رشتۂ زوجیت بھی استوار ہوگیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد شرف الدین ۶۹۱ھ میں دہلی گئے اور شیخ نظام الدین اولیاء سے ملاقات کی۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے آپ کو استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق جب آپ دہلی پہنچے تو شیخ نظام الدین اولیاء انتقال فرما چکے تھے۔ دہلی سے شیخ شرف الدین نے لاہور کا سفر کیا اور شیخ نجیب الدین فردوسی (م۷۳۳ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد انہوں نے تیس سال خلوت کی زندگی گزاری اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے عبادت، ریاضت اور مراقبے کرتے رہے۔ ۷۲۰ھ کے بعد آپ نے خلوت کی زندگی ترک کردی اور عوام کی اصلاح اور ارشاد کا کام شروع کیا۔ ''منیر'' میں آپ کی خانقاہ کی ابتدائی تعمیر آپ کے احباب اور مریدین نے کی تھی۔ جسے سلطان محمد تغلق نے وسعت دے کر دوبارہ تعمیر کیا اور اس کے اخراجات کے لیے راج گیر کا پرگنہ بھی وقف کردیا۔ شرف الدین منیری نے ۶ شوال ۷۸۲ھ کو منیر میں وفات پائی۔

3.2 شرف الدین اور علم حدیث

شرف الدین منیری علاقۂ بہار کے ایک ممتاز محدّث تھے۔ آپ حدیث سے متعلق اکثر علوم مثلاً تاویل الحدیث، رجال الحدیث، اور مصطلحات الحدیث پر پورا عبور رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے مکتوبات اور تصوف سے متعلق کتابوں میں کثرت سے حدیث کی روایات نقل کی ہیں۔ اور صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بہت سے مواقع پر آپ نے علم حدیث کے مختلف پہلوؤں، مثلاً روایۃ بالمعنی شروط راوی وغیرہ پر اپنی تالیفات میں معقول

بحثیں کی ہیں اور صحیحین، مسند ابویعلیٰ موصلی، شرح المصابیح اور مشارق الانوار کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ امام نووی کی شرح صحیح مسلم کا ایک نسخہ آپ کے پاس موجود تھا اور آپ نے اس کا بھرپور مطالعہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہندوستان میں صحیحین کی تعلیم وتدریس شروع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کو احادیث نہ صرف زبانی یاد تھیں بلکہ آپ احادیث پر عمل بھی کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے خربوزہ محض اس وجہ سے کبھی نہیں کھایا کہ آپ کو اس کے کھانے کا مسنون طریقہ معلوم نہیں تھا۔ ان اوصاف کے علاوہ شرف الدین منیری قرآن اور حدیث دونوں کی متصوفانہ تعلیمات پر بھی سند مانے جاتے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ شرف الدین منیری دونوں کا تعلق تصوف سے تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے جس طرح دہلی میں ایک ممتاز روحانی مرشد کی حیثیت سے کام کیا اسی طرح شرف الدین منیری بھی بہار میں سرگرم عمل رہے۔ یہ دونوں بزرگ اسلامی علوم کے جید عالم تھے۔ علم حدیث کے مطالعہ میں شرف الدین نے سبقت حاصل کرلی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ شیخ نظام الدین نے حدیث کا مطالعہ بڑی عمر میں شروع کیا تھا اور اس موضوع پر صاغانی کی مشارق الانوار کے سوا کوئی مستند مجموعہ ان کے مطالعہ میں نہیں رہا۔ ...... شرف الدین منیری کی تعلیم ایک حنبلی عالم ابوتوامہ کی نگرانی میں ہوئی تھی اور انہوں نے قدرتی طور پر حدیث کی تعلیم کو بہت اہمیت دی۔ چنانچہ شرف الدین نے علم حدیث پر زیادہ عبور حاصل کرلیا۔ اس کے علاوہ شیخ نظام الدین کے برعکس شیخ شرف الدین کو کافی تعداد میں علم حدیث کی مستند کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقع بھی ملا جو غالباً انہوں نے اپنے استاد اور احباب واصحاب سے حاصل کی تھیں اس قیاس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ شیخ زین الدین ساکن دیوہ نے ان کو صحیح مسلم کا ایک نسخہ بطور ہدیہ دے دیا تھا۔

3.3 شیخ مظفر بلخی (م ۷۸۶ھ)

مظفر بن شمس الدین بلخی، شیخ شرف الدین منیری کے خلیفۂ مجاز تھے۔ شیخ مظفر کی ولادت اور تعلیم دہلی میں ہوئی تھی اور سلطان فیروز تغلق (۷۵۲ تا ۷۹۰ھ) نے ان کو دہلی کے مدرسہ کوشک لال میں مدرّس مقرر کیا تھا۔

شیخ مظفر کے والد شیخ شمس الدین بہار کے ایک ولی احمد چرم پوش کے مرید تھے اوران کی یہ خواہش تھی کہ شیخ مظفر بھی چرم پوش کے مرید ہو جائیں۔ لیکن چرم پوش بالکل ان پڑھ تھے اس لیے شیخ مظفران کی طرف مائل نہ ہوئے اور شیخ شرف الدین سے بیعت کرنے کو ترجیح دی۔ لیکن دہلی میں سرکاری مصروفیات کی وجہ سے شیخ مظفر مرید ہونے کے بعد پچیس برس تک شرف الدین منیری کی خانقاہ میں شامل نہ ہو سکے اور مراسلت کر کے اپنے مرشد سے ہدایات حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ مع اہل وعیال کے دہلی سے ''منیر'' منتقل ہو گئے۔ اسلامی علوم میں شیخ مظفر کو جو مہارت حاصل تھی اس کے اعتراف میں شیخ شرف الدین نے ان کو امام کا لقب دیا تھا۔

3.4 شیخ مظفر اور علم حدیث

شیخ مظفر نے مشارق الانور کی ایک شرح لکھی تھی جو غالباً ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی ضائع ہو گئی۔ ان کو ایک محدّث کی حیثیت حاصل تھی جس کی شہادت اس سند سے ملتی ہے جو انہوں نے اپنے بھتیجے اور شاگرد حسین نوشائے توحید کو دی تھی۔ سند کی عبارت یوں ہے:

''فرزند حسین سند حدیث برین فقیر کردہ صحیح مسلم وصحیح بخاری من اولہ وآخرہ لفظاً برین فقیر تحقیق کردہ''۔

اپنے محبوب مرشد شرف الدین منیری کی وفات کے بعد شیخ مظفر مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے اور جمادی الاول ۷۸۸ھ میں حجاز میں وفات پائی۔

3.5 حسین معز بہاری (م ۸۴۴ھ)

حسین بہاری جو نوشائے توحید کے نام سے معروف ہیں۔ شیخ مظفر بلخی کے بھتیجے اور خلیفہ مجاز تھے۔ آپ سلسلۂ فردوسیہ سے تعلق رکھنے والے صوفی تھے اور محدّث بھی تھے۔ ان کی پرورش مخدوم شرف الدین نے کی تھی اور انہوں نے اپنے چچا مظفر بلخی سے صحیحین کا درس لیا۔ حسین بہاری کے والد شیخ الاسلام معز بہاری بھی کافی معروف محدّث تھے اور علم حدیث سے حسین کی گہری دلچسپی کے پیش نظر انہوں نے حسین کو صحیح مسلم کا ایک نسخہ بطور تحفہ دیا جو ریشمی کپڑے پر عمدہ عربی خط میں لکھا گیا تھا۔ حسین اپنے چچا مظفر بلخی کے ساتھ حجاز گئے تھے اور

عدن میں خطیب العدنی سے حدیث کا درس لیا تھا۔ حسین نوشائے توحید نے منیر کی خانقاہ میں حدیث کی کئی کتابوں کا اضافہ کیا جو وہ حجاز سے لائے تھے۔ انہوں نے تصوف پر کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں حضرات خمس اور فارسی میں ایک دیوان زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کے ایک رسالہ کا نام "اورادِ دہ فصل" ہے جس میں نہ صرف صحاح ستہ بلکہ سنن بیہقی اور مستدرک حاکم سے بھی کثیر تعداد میں احادیث نقل کی گئی ہیں۔ حسین نوشائے توحید نے ذی الحجہ ۸۴۴ھ میں منیر میں وفات پائی۔

3.6 احمد لنگرِ دریا (م ۸۹۱ھ)

احمد لنگرِ دریا بن حسن مظفر خانقاہ منیر میں اپنے والد کے جانشین ہوئے تھے۔ اپنے دادا شیخ مظفر بلخی کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے پوری مصابیح السنۃ حفظ کر لی تھی۔ احمد لنگرِ دریا نے اپنی تصنیف مونس القلوب میں، جو ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ صحیحین، مشارق الانوار اور حدیث کی دوسری کتابوں سے بکثرت روایات نقل کی ہیں۔ آپ کا انتقال ۸۹۱ھ میں ہوا اور ان کے ساتھ خانوادۂ مظفر بلخی کے مشہور علماء کا سلسلہ ختم ہوگیا جو خانقاہ منیر میں شرف الدین منیری کے جانشین ہوتے رہے۔

خود آزمائی ②

۱) شیخ نظام الدین اولیاء اور ان کے مکتب محدثین پر تبصرہ کیجئے۔

۲) مولانا فخر الدین دہلوی اور ضیاء الدین برنی کا تعارف کیجئے۔

۳) شیخ محی الدین کاشانی، نظام الدین ظفر آبادی اور شیخ نصیر الدین دہلوی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ مختصراً بیان کیجئے۔

۴) شیخ وجیہہ الدین، قاضی شہاب الدین اور شمس الدین خواجگی کی خدمات کا اجمالی تذکرہ پیش کیجئے۔

۵) شرف الدین منیری اور بہار میں علم حدیث کی ترویج کے لیے ان کی خدمات پر گفتگو کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱- اخبار الاخیار مؤلف عبدالحق دہلوی

۲- نزہۃ الخواطر از عبدالحیٔ حسنی

۳- مآثر الکرام از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی

۴- تذکرہ علماء ہند از رحمان علی

۵- سیر الاولیاء مؤلف امیر خورد

۶- فوائد الفواد اردو ترجمہ: غلام احمد

۷- تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی

۸- تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ

۹- طبقات ناصری از منہاج السراج

۱۰- ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان

۱۱- الحطۃ فی ذکر صحاح ستہ از نواب صدیق خان

۱۲- معارف العوارف از عبدالحیٔ حسن

۱۳- خزینۃ الاصفیاء از غلام سرور

۱۴- یاد ایام از عبدالحیٔ حسنی

۱۵- عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز

۱۶- تراجم علمائے حدیث ہند از امام خان نوشہروی

۱۷- حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی

۱۸- مقدمہ اوجز المسالک از مولانا محمد زکریا کاندہلوی

۱۹- نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی

۲۰- منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی

۲۱- عرب وہند کے تعلقات از سید سلمان ندوی

۲۲- عربوں کی جہاز رانی از سید سلمان ندوی

۲۳- حیات شبلی از سید سلمان ندوی

۲۴- ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی



یونٹ نمبر 11

برِّصغیر میں علم حدیث ❷

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔اس کا تعلق ''برصغیر میں علم حدیث'' سے ہے۔حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ علم حدیث کی ترویج واشاعت کے مراحل ان کے ذہن میں ہوں۔اور جن جن حضرات نے اس مجال میں خدمات انجام دی ہیں ان کے علمی، عملی، تدریسی اور تالیفی آثار سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔اس یونٹ میں پوری ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کا کام کیسے شروع ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر ہندوستان کے مختلف خطوں اور گوشوں میں اس کو پہنچنے کا موقع ملا۔ان تالیفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ہندوستان میں رائج اور متداول رہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے ضمن میں جو مواد ہمارے لٹریچر میں موجود ہے وہ مختلف کتابوں میں منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔علاوہ ازیں برصغیر میں چونکہ علمی زبان ایک عرصہ تک فارسی رہی ہے اس لیے بیشتر علمی، ادبی اور تالیفی کام فارسی میں ہوا۔اور اب صورتحال یہ ہے کہ فارسی زبان کی تالیفات اور آثار یا تو لائبریریوں کی زینت ہیں اور یا نمائشی مقاصد کے لئے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔غالباً یہی وجہ ہے کہ اب ہر فن اور مجال کے طلبہ ان خدمات اور مساعی سے ناواقف ہیں جو برصغیر کے علماء اور اساتذہ نے مختلف علوم وفنون کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں انجام دی ہیں۔اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی اور اساسی مواد جہاں کہیں بھی ملے سلیس اور عام فہم زبان میں مرتب اور منضبط اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔آپ اس یونٹ کا پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔امید ہے آپ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- امیر کبیر سید علی ہمدانی اور علمِ حدیث کی ترویج کے لیے ان کی خدمات کا جائزہ پیش کر سکیں۔
- شیخ بہاء الدین زکریا اور ان کے مکتب محدّثین کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- حافظ سخاوی کے مرکزِ حدیث کے اثرات پر بحث کر سکیں۔
- برصغیر میں مراکز حدیث کے ارتقاء پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال سکیں۔

برِّصغیر میں علمِ حدیث ❷

شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ شرف الدین منیری کی طرح اس دور میں سید علی ہمدانی نے بھی علم حدیث کی ترویج واشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ یہاں اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

① امیر کبیر سیّد علی بن شہاب ہمدانی (۷۱۴ھ تا ۷۸۶ھ)

کشمیر میں علم حدیث کا آغاز خراسان کے ایک درویش صفت عالم اور مشہور صوفی امیر کبیر سید علی ہمدانی نے کیا تھا۔ آپ ۷۷۳ھ میں اپنے سات سو مریدین کے ساتھ کشمیر آئے تھے اور انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کی۔ چنانچہ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا سہرا سید علی ہمدانی اور ان کے مریدوں کے سر ہے۔ اس علاقہ میں سید علی ہمدانی کا اثر ورسوخ اس قدر زیادہ تھا کہ سلطان قطب الدین فرمانروائے کشمیر (۷۷۰ھ تا ۷۹۵ھ) سید علی ہمدانی کے مرید ہونے پر فخر کرتا تھا۔ سید علی ہمدانی نے اپنی عمر کے آخری سال کشمیر میں گزارے۔ ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو ایران جاتے ہوئے راستہ میں وفات پائی اور ترکستان میں بمقام ختلان مدفون ہوئے۔ سید علی ہمدانی نے حدیث کے حوالہ سے مندرجہ ذیل رسائل تالیف کئے۔

۱) السبعین فی فضائل امیر المؤمنین: یہ ستر روایات کا مجموعہ ہے جن کا تعلق فضائل اہل بیت سے ہے۔ بیشتر روایات مسند فردوس الدیلمی سے ماخوذ ہیں۔ مسند فردوس میں چونکہ ہر قسم کی روایات آئی ہیں اس لیے اس رسالہ میں بھی جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ ساری کی ساری مستند اور صحیح نہیں ہیں۔

۲) اربعین امیریہ: یہ چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جو انس بن مالکؓ سے مروی ہیں اور سید علی ہمدانی نے شیخ شمس الدین الاذکانی (م ۷۸۶ھ) سے روایت کی ہیں۔

ان رسائل کے علاوہ سید علی ہمدانی نے اپنے ایک اور رسالہ ''ذخیرۃ الملوک'' میں بکثرت روایات نقل کی

ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید ہمدانی کو علم حدیث سے تعلق تھا۔ ذخیرۃ الملوک کا موضوع سیاست ہے۔ مولانا صدرالدین الرفاعی مرحوم نے اس رسالہ کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اسے شائع کیا ہے۔

1.1 سید جمال الدین

سید علی ہمدانی کے ایک مرید سید جمال الدین تھے۔ آپ اپنے دور کے محدّث تھے۔ سلطان قطب الدین نے ان کو کشمیر میں بطور مدرس مقرر کیا تھا۔

1.2 قاضی حسین شیرازی

قاضی حسین شیراز کے رہنے والے تھے اور اپنے مرشد میر محمد ہمدانی کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ میر محمد سید علی ہمدانی کے صاحبزادے تھے۔ سلطان سکندر نے جو سلطان قطب الدین کا جانشین ہوا تھا حسین شیرازی کو قاضی مقرر کیا تھا۔ قاضی حسین شیرازی نے وہ روایات جمع کیں جو ساتویں صدی ہجری کے ایک وضاع بابا رتن الہندی نے وضع کی تھیں۔ یہ احادیث رتنیہ کہلاتی تھیں۔

1.3 خانقاہ ہمدانی اور علم حدیث

یہ خانقاہ سید علی ہمدانی کے فرزند میر محمد ہمدانی (م ۸۰۹ھ) کے لیے سلطان قطب الدین کے جانشین سلطان سکندر نے ۷۹۹ھ میں تعمیر کروائی تھی۔ میر محمد ہمدانی اپنے والد کی وفات کے بعد تین سو مریدوں کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ یہ خانقاہ ایک درسگاہ تھی۔ دسویں صدی ہجری کے محدّث حاجی کشمیر نے اس کو بہت ترقی دی اور یہ اشاعتِ حدیث کا مرکز بن گئی۔

② شیخ بہاء الدین زکریا اور ان کا مکتبِ محدثین

ملتان کے مشہور ولی شیخ بہاء الدین زکریا (م ۶۶۶ھ) نے ملتان میں علم حدیث کی اشاعت کا مرکز قائم کیا اور ان کے بعد ان کے بیٹوں اور پوتوں نے یہ کام جاری رکھا۔ جمال الدین محدّث اُچھی اور مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری علم حدیث کے اسی مرکز کی پیداوار تھے۔

2.1 جمال الدین محدّث

جمال الدین، شیخ بہاء الدین زکریا کے فرزند اور جانشین شیخ صدر الدین کے مرید تھے۔ کئی سال تک وہ اپنے وطن اُچھ میں مدرس رہے۔ آپ 'مشارق الانوار' اور 'مصابیح السنۃ' کا درس دیا کرتے تھے۔ سنت رسول ﷺ سے انہیں اتنی محبت تھی کہ ہمیشہ موٹا اور کھردرا لباس پہنا کرتے تھے۔ جمال الدین آٹھویں صدی ہجری کے اول نصف میں بقید حیات رہے۔

2.2 مخدوم جہانیاں (۷۰۷ھ تا ۷۸۵ھ)

جلال الدین الحسین بن احمد الحسینی البخاری ۷۰۷ھ میں اُچھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اُچھ میں قاضی بہاء الدین اُچھی اور جمال الدین محدّث سے تعلیم حاصل کرنے گئے۔ اس وقت یہ درسگاہ شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے شیخ ابو الفتح رکن الدین بن صدر الدین (م ۷۳۵ھ) تعمیر کرا رہے تھے۔ یہاں جلال الدین بخاری نے 'مشارق الانوار' اور 'مصابیح السنۃ' پر مشتمل ایک سال کے نصاب کی تکمیل کی اور پھر شیخ رکن الدین کے مرید ہو گئے۔ بعد ازاں جلال الدین نے تصوف کی تعلیم و تربیت دہلی میں شمس الدین اودھی اور نصیر الدین چراغ دہلی سے لی اور مدینہ منورہ میں عفیف الدین عبداللہ المطری سے عراق اور مصر کے بعض دوسرے مشائخ سے بھی استفادہ کیا۔ سلطان محمد بن تغلق نے ان کو سندھ کا شیخ الاسلام مقرر کیا۔ اور اس کے جانشین فیروز تغلق نے ان کی مریدی اختیار کی۔ مشہور و معروف عالم اور ولی ہونے کے علاوہ جلال الدین بخاری اعلیٰ پایہ کے محدّث تھے۔

احادیث پر ان کی نظر بہت گہری تھی اور شیخ نظام الدین اولیاء کی طرح انہوں نے بھی قرآت خلف الامام اور صلاۃ الجنازۃ علی الغائب پر عمل کیا۔ جلال الدین بخاری حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۷۷۵ھ میں جب آپ نے دہلی میں مختصر قیام کیا تو وہاں بھی مشارق الانوار اور مصابیح السنۃ کا درس دیا۔ جلال الدین بخاری نے ۷۸۵ھ اچھ میں وفات پائی۔

آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں دکن میں بہمنی سلطنت اور نویں صدی ہجری کے اوائل میں گجرات میں مظفر شاہی سلطنت کے قیام سے ان علاقوں میں علم حدیث کی ترویج اور ترقی کے لیے نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور یہاں سے علم حدیث ترقی کر کے شمالی ہند میں بھی پھیلنے لگا۔ ان قریبی اور ہمسایہ مسلم سلطنتوں کے اقتدار کے ۱۸۰ سال درحقیقت علمی اور ثقافتی ترقی کا شاندار دور ثابت ہوئے۔ ان دونوں سلطنتوں کے روشن خیال اور علم دوست فرماں رواؤں نے اپنے ملک میں علوم وفنون کو فروغ دینے کے لیے حیرت انگیز توجہ اور انہماک کا مظاہرہ کیا۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے دور ونزدیک تمام اطراف کے علماء کو اپنے دارالخلافہ آنے کی دعوت دی اور نہایت فیاضی سے ان کی سرپرستی کی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے جو خاندان حکمران ہوئے ان میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۳ھ) اور مظفر شاہ ثانی فرمانروائے گجرات (۹۱۷ھ تا ۹۳۲ھ) جیسی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے حکمران چند ہی ہوئے ہیں۔ فیروز شاہ بہمنی کئی زبانوں کا ماہر تھا۔ اور وہ ہر سال مختلف ممالک میں بحری جہاز محض اس مقصد کے لیے بھیجتا تھا تاکہ وہاں سے ممتاز علماء اور دانشور لائے جائیں۔ مظفر شاہ ثانی نے علمی ترقی کے لیے بڑے جوش اور التفات کا ثبوت دیا۔ اور ایران، عرب اور ترکی سے بہت سارے علماء، فضلاء اور ادباء اس حکمران کے عہد میں گجرات آئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس دور میں نہ صرف سلاطین بلکہ متعدد وزیر بھی تعلیم کے ماہر اور علوم کے سرپرست کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔ ان میں دکن کے محمود گاوان اور گجرات کے آصف خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں حدیث اور فقہ کے عالم تھے اور اپنی بھاری بھر کم منصبی ذمہ داریوں کے باوجود انہوں نے علمی کاموں میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا اور اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں غریب اور مستحق اہل علم کی پرورش پر صرف کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بہمنیوں کے عہد میں دکن اور مظفر شاہیوں کے دور میں گجرات علماء، ادباء، شعراء اور اہل دانش کا مرکز بن گئے تھے۔

حجاز اور مصر کے محدثین ان دونوں سلطنتوں میں جمع ہونے لگے۔ محدثین کی آمد کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان حکمرانوں نے حدیث اور سنتِ رسول ﷺ سے گہری محبت اور عقیدت کا اظہار کیا۔ اور دوسرا یہ کہ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے اب تک جس طویل اور خطرناک بری راستے سے سفر کیا جاتا تھا اس کے بجائے حاجیوں کے لیے بحیرۂ عرب میں سفر کرنے کا ایک آسان راستہ کھول دیا گیا تھا۔ چنانچہ سلطان کے حکم سے حج کے موسم میں جنوبی ہند اور خاص کر گجرات کی بندرگاہوں سے جنہیں ''باب مکہ'' کہا جانے لگا تھا باقاعدہ طور پر جہاز چلانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جنوبی ہند کی بندرگاہوں سے عربوں کی تجارت طویل مدت سے جاری تھی اب اس میں مزید اضافہ ہو گیا اور بحری جہاز باقاعدہ طور پر زیادہ تعداد میں چلائے جانے لگے۔ اس طرح ہندوستان اور حجاز کے درمیان جو قریبی روابط قائم ہوئے اور بہمنی و مظفر شاہی خاندانوں کے سلاطین نے علمائے حدیث کی جو فیاضانہ سرپرستی کی اس سے برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت میں بہت مدد ملی۔

جنوبی ہندوستان میں دینی تعلیم کا آغاز کب ہوا؟...... اور اس کی اشاعت کیسے ہوئی؟...... اس ضمن میں وضاحت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ تاہم تیسری صدی ہجری میں مالابار کے ساحلی علاقوں میں مساجد کی تعمیر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت کا انتظام بھی ضرور کیا گیا ہوگا۔ کیونکہ نو مسلموں کو بہر حال اسلامی تعلیمات کے بنیادی اصول و عبادات سے واقف کرانا ضروری تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب، نو مسلموں کو اچھا مسلمان بنانے کے بھی ایسے ہی آرزومند تھے جیسے کہ غیر مسلموں کو مسلمان کرنے کے۔ اور اپنے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے عربوں نے نو مسلموں کی بستیوں میں مسجدیں تعمیر کی تھیں۔ مسجد سے عموماً دو مقاصد پورے ہوتے تھے۔ اولاً تو یہ کہ یہاں نماز ادا کی جاتی تھی اور اس مقصد کے لیے مسلمان جمع ہوتے تھے اور دوسرے یہ کہ مسجد میں دینی تعلیم بھی دی جاتی تھی چنانچہ اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی اشاعت بھی ہوتی رہتی تھی اور اس زمانہ میں مسجد تعمیر کرنے کا لازمی نتیجہ ایک دینی ادارہ کے قیام کی شکل میں نکلتا تھا۔ اس لیے یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان میں دینی تعلیم کا آغاز تیسری صدی ہجری میں مالابار کے ساحل میں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ بعد میں اسلام کی اشاعت اور عربوں کی نوآبادیاں قائم ہو جانے کے باعث جب اس علاقہ میں عالیشان مسجدیں تعمیر کی گئیں تو انہوں نے اسلامی تعلیم کے مراکز کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ابن بطوطہ کے مطابق جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی نو آبادیوں میں اسلامی علوم کا آغاز تیسری صدی ہجری میں ہوا اور اس کے بعد یہ برابر ترقی کرتے گئے۔ ابن بطوطہ کے عہد یعنی آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں اسلامی علوم کو اس قدر فروغ ہو گیا تھا اور طلبہ کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مسلمانوں کی ایک نو آبادی ہنور (بمبئی) میں لڑکیوں کے لیے تیرہ اور لڑکوں کے لیے تینتیس مدرسے قائم کرنے پڑے تھے۔ اس نو آبادی کی خواتین عام طور پر قرآن کی حافظ تھیں۔ اور دینی علوم کی مقبولیت کا یہ ایک ایسا ثبوت ہے جس کی مثال اس زمانہ میں کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

منگلور میں ابن بطوطہ کی ملاقات ایک شافعی قاضی بدر الدین معبری سے ہوئی تھی جو اپنے منصبی فرائض انجام دینے کے علاوہ شہر کے مدرسہ میں درس بھی دیا کرتے تھے۔ جامع ہیلی میں ایسے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے تھے جن کے لیے قیام وطعام کا انتظام مفت تھا۔ ابن بطوطہ نے کلی کٹ میں ایسی مسجدیں بھی دیکھیں جہاں دینی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔

شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے برعکس جو فقہ حنفی کے پیروکار تھے جنوبی ہندوستان کے مسلمان شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ اول الذکر وسطی ایشیاء کے اسلامی علوم یعنی فقہ واصول فقہ کی تعلیم پر زور دیتے تھے اور مؤخر الذکر حجاز کے اسلامی علوم یعنی حدیث وعلوم الحدیث کی تعلیم پر توجہ دیتے تھے۔ شمالی اور جنوبی ہندوستان میں فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے رواج کی وجہ سے برصغیر میں بیک وقت دونوں علوم کی اشاعت ہوئی۔

نویں صدی ہجری کے اوائل میں جب کہ ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ہو رہا تھا۔ عالم اسلام کے ایک عظیم محدث حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) کی قیادت میں علم حدیث کا ایک مرکز مصر میں قائم ہو گیا تھا اس مرکز نے دیگر محدثین کے علاوہ اپنے دور کے دو نہایت ممتاز محدث حافظ عبدالرحمٰن سخاوی (م۹۰۲ھ) اور زین الدین زکریا الانصاری (م۹۲۵ھ) پیدا کیے۔ ان میں سے امام سخاوی نے حرمین کو اور شیخ انصاری نے قاہرہ کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ شیخ انصاری کے شاگرد رشید حافظ ابن حجر ہیثمی مکی

(م۹۷۴ھ) نے علم حدیث کے ایک مرکز کی حیثیت سے مکہ معظمہ کی شہرت میں بہت اضافہ کیا۔ اس طرح نویں صدی ہجری کے اول ربع سے لے کر دسویں صدی ہجری کے تیسرے ربع تک مصر اور حرمین میں محدّثین کے چار مراکز یکے بعد دیگرے برسرِ عمل رہے اور برصغیر میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنے۔

ان مراکز حدیث کے بانی علماء کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں مصر علم حدیث کا مرکز اور ممتاز محدّثین کا گہوارہ تھا۔ شیخ زکریا الانصاری اور حافظ ابن حجر مکی کے علاوہ امام جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) اور حافظ قسطلانی (م۹۲۳ھ) کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ برصغیر میں جن محدّثین نے علم حدیث کی اشاعت کی ان میں سے اکثر یا تو مصری تھے۔ یا مصر سے تعلق رکھنے والے محدّثین کے شاگرد تھے۔ تاہم عرب علم حدیث کا ترسیلی مرکز بنا رہا۔ جہاں سے برصغیر میں اس کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حجاز اور ہند کئی حوالوں سے باہم مربوط تھے اور حجاز کے محدّثین برصغیر کے محدّثین سے بخوبی واقف ہو گئے۔ چنانچہ ابن حجر العسقلانی اور شیخ الانصاری کے مصری مراکز حدیث برصغیر میں وہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے جو حافظ سخاوی اور حافظ ابن حجر مکی کے حجازی مراکز حدیث کو حاصل ہوئی۔ برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت میں حجاز کا جو حصہ ہے اس کی اپنی جگہ اہمیت ہے لیکن برصغیر میں علمِ حدیث کو جو فروغ ہوا اس میں مصر سے تعلق رکھنے والے محدّثین کا بہت نمایاں حصہ ہے۔

برصغیر میں جن محدّثین نے اپنی آمد کے بعد یہاں باقاعدہ قیام فرمایا ان میں سے دو حضرات ایسے ہیں جن کا تذکرہ کرنا یہاں بہت ضروری ہے۔

③ بدرالدین الدمامینی

(۷۶۳ھ تا ۸۲۷ھ)

بدرالدین محمد بن ابوبکر المخزومی الاسکندری المالکی الدمامینی ماہ شعبان ۸۲۰ھ میں سلطان احمد بن مظفر شاہ (۸۱۴ھ تا ۸۴۳ھ) کے عہد حکومت میں گجرات آئے تھے۔ گجرات آنے سے پہلے شیخ دمامینی یمن کی جامع زبید میں استاد تھے۔ یہاں انہوں نے ''مصابیح الجامع'' کے نام سے صحیح البخاری کی ایک شرح لکھی تھی۔ زبید میں سکونت ترک کرنے سے پہلے ہی انہوں نے یہ کتاب احمد شاہ کے نام منسوب کی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ دمامینی سلطان احمد شاہ کی علم دوستی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ گجرات میں رہتے ہوئے آپ نے ''تعلیق الفرائض'' تحفۃ الغریب شرح المغنی اللبیب اور'' عین الحیاۃ فی خلاصۃ حیاۃ الحیوان از دمیری'' مرتب کیں۔ اوران سب کتابوں کا انتخاب سلطان احمد شاہ کے نام کیا۔ اس دور میں دکن میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ) اور اس کا جانشین احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ) علم کے دو نامور سرپرست حکمران ہوتے تھے۔ احمد شاہ بہمنی علم وتقویٰ کا بڑا قدر دان تھا اور اسی وجہ سے شیخ دمامینی نے بہمنیوں کے دارالسلطنت گلبرگہ کا رخ کیا اور زندگی کے آخری ایام وہیں بسر کئے۔ شعبان ۸۲۸ھ میں شیخ دمامینی نے وفات پائی۔

شیخ دمامینی ۷۶۳ھ میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے دادا شیخ بہاء الدین الدمامینی، ابن خلدون، قاہرہ، اور مکہ مکرمہ کے چند اور اساتذہ سے استفادہ کرنے کے بعد آپ جامع الازہر میں کئی سال تک مدرس رہے۔ آپ عربی ادب اور صرف ونحو پر سند مانے جاتے تھے۔ حدیث میں مصابیح الجامع کے علاوہ آپ نے دو کتابیں اور بھی تالیف کیں۔ ایک ''الفتح الربانی'' کے نام سے اور دوسری ''تعلیق المصابیح'' کے نام سے۔

3.1 ابوالفتوح نورالدین احمد بن عبداللہ شیرازی طاؤوسی

ابوالفتوح نورالدین فارس میں بمقام ''ابرقوہ'' پیدا ہوئے تھے۔ اور وہاں کی درگاہ طاؤوس الحرمین سے نسبت کی بنا پر طاؤوسی کہلاتے تھے۔ آپ سلطان احمد شاہ کے عہد حکومت میں گجرات آئے۔ نورالدین، مجد

الدین فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) شمس الدین الجزری (م ۸۳۳ھ) اور بابا یوسف الہروی کے شاگرد تھے۔ شیخ یوسف الہروی سے آپ نے صحیح البخاری بالالتزام پڑھی تھی اور ان سے سند عالی حاصل کی تھی۔ اسے سند عالی اس لیے کہا جاتا تھا کہ شیخ ہروی اور امام بخاری کے درمیان راویوں کی تعداد شیخ ہروی کے کسی اور ہم عصر اور امام بخاری کے درمیان راویوں کی تعداد سے کم تھی۔ ابوالفتوح نور الدین نے مشکوٰۃ المصابیح کا درس شرف الدین عبدالرحیم سے اور انہوں نے امام الدین سے لیا تھا جو خطیب تبریزی (م ۷۹۳ھ) کے شاگرد تھے۔

④ حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد برِّ صغیر میں

حافظ ابن حجر کے مرکزِ حدیث سے سینکڑوں کی تعداد میں محدّثین پیدا ہوئے۔ یہاں ان میں سے ان دو حضرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کونئی جہت ملی۔

4.1 یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن ابوالخیر الشافعی (۷۸۹ھ تا ۸۴۳ھ)

شیخ یحییٰ کا تعلق مکہ مکرمہ کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ اپنے قبیلہ کی نسبت سے ابن فہد کہلاتے تھے۔ یحییٰ بن عبدالرحمٰن ۸۳۰ھ میں کھمبایت آئے تھے اور وہاں قیام کرنے کے بعد گلبرگہ چلے گئے تاکہ سلطان احمد شاہ بہمنی کی سرپرستی سے فیضیاب ہوں۔

ابن فہد نے علم حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی اور مصر، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے دوسرے شیوخ سے حاصل کیا۔ شیخ زین الدین العراقی (م۸۰۶ھ) اور حافظ نور الدین الہیثمی (م۸۰۷ھ) سے بھی آپ نے استفادہ کیا اور اجازت لی۔

4.2 محمود گاوان (م۸۸۶ھ)

خواجہ عماد الدین محمود بن احمد الکیلانی جو تاریخ ہند میں محمود گاوان کے نام سے مشہور ہیں بہمنی سلاطین کے وزیر تھے۔ آپ علاء الدین شاہ بہمنی (۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ) کے عہد میں دکن آئے تھے۔ محمود گاوان ۸۱۳ھ میں بحیرہ خضر کے ساحلی علاقہ کیلان کے ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے بھائی احمد بن محمد کیلانی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے محمود گاوان ۸۴۳ھ میں قاہرہ گئے اور حافظ ابن حجر سے صحیح بخاری اور حافظ زین الدین زرکشی (م۸۴۵ھ) سے صحیح مسلم کا درس لیا۔ محمود گاوان نے شام کے کئی ائمہ حدیث سے بھی استفادہ کیا۔ محمود گاوان نے علم حدیث پر عبور حاصل کر لیا تھا اور اس کا ثبوت اس مجموعہ سے ملتا ہے جس کو روایت کرنے کی اجازت حافظ ابن حجر نے آپ کو عطا کی تھی۔

محمود گاوان نے غیر معمولی قابلیت سے پینتیس برس تک بہمنی سلطنت کی خدمات انجام دیں۔ وہ اپنی انتظامی اصلاحات کی وجہ سے جتنے مشہور تھے اتنے ہی علم کی وسیع سرپرستی اور قدردانی کی وجہ سے بھی مشہور ہوئے۔ وہ انسانیت کے محسن اور ذاتی جوہر اور فضیلت رکھنے والے غریب اہل علم کے سرپرست اور پشت پناہ تھے۔ چنانچہ شاہ بہمنی ثانی (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) نے ۵ صفر ۸۸۶ھ کو جب بلا جواز ان کو قتل کروا دیا تو مکہ معظمہ کے علماء کو یہ خبر سن کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ محمود گاوان نے اپنی وفات سے دو سال پہلے بیدر میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا جس کے لیے اپنے ذاتی کتب خانہ کی پینتیس ہزار (۳۵،۰۰۰) کتابیں بھی مہیا کی تھیں۔ محمود گاوان کا تعلق شافعی مسلک سے تھا اس لیے ان کے پاس علم حدیث سے متعلق کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

5 حافظ سخاوی کے مرکزِ حدیث کے اثرات

برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگردوں نے حصہ لیا اسی طرح حافظ سخاوی کے مرکزِ حدیث سے مستفید ہونے والے محدّثین نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ یہاں ان میں سے چند اہم اور مشہور محدّثین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

5.1 ابوالفتح بن رضی مکی

ابوالفتح رضی ۸۵۴ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ۸۷۰ھ میں حجاز میں اپنے مختصر قیام کے دوران میں وہ حافظ عبدالرحمٰن السخاوی (م ۹۰۲ھ) سے ملے۔ اور ان سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ اس کے بعد سلطنت مالوہ کے دارالحکومت مانڈو کے لیے روانہ ہوگئے اور یہاں تیرہ سال قیام کیا۔ اپنے قیام کے دوران میں آپ نے درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام مکہ مکرمہ میں گزرے۔ ۸۸۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

5.2 شیخ احمد بن صالح

حافظ سخاوی کے ایک اور شاگرد جنہوں نے مانڈو میں سکونت اختیار کی تھی احمد بن صالح کہلاتے ہیں۔ آپ کے والد مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے اور ترکِ وطن کر کے ہندوستان آ گئے تھے۔ شیخ احمد یہیں پیدا ہوئے تھے لیکن تعلیم وتربیت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور شیخ سخاوی سے علم حدیث میں بھرپور استفادہ کیا۔ مکہ مکرمہ میں حافظ سخاوی کے مرکزِ حدیث سے استفادہ کرنے کے بعد آپ سلطان غیاث الدین فرمانروائے مالوہ (۸۷۴ھ تا ۹۰۶ھ) کے عہد میں مانڈو آئے۔ اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ مانڈو میں رہ کر آپ نے حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تاریخ وفات کا علم نہیں۔

5.3 عمر بن محمد دمشقی (۸۲۹ھ تا ۹۰۰ھ)

عمر بن محمد دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ حافظ سخاوی کے ہم مکتب بھی تھے اور شاگرد بھی۔ ۸۵۳ھ میں آپ نے مصر کی مشہور محدثہ سارہ بنت جماعۃ (م ۸۵۵ھ) سے امام طبرانی کی معجم الکبیر کا سماع کیا۔ ۸۵۷ھ میں

تاجر کی حیثیت سے کھمبایت آئے اور کچھ عرصہ بعد وہاں کی حکومت نے ان کو شوافع کا قاضی مقرر کیا۔ صوبہ کھمبائیت کے گورنر کے نمائندہ کی حیثیت سے قاہرہ جاتے ہوئے آپ نے ۸۸۶ھ کے موسم سرما میں اپنا سفر روک دیا اور مکہ معظمہ میں قیام کر کے ایک سال تک حافظ سخاوی سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد قاہرہ گئے اور سفارتی فرائض انجام دیئے۔ ہندوستان واپس جانے سے قبل آپ نے دوبارہ حافظ سخاوی کی خدمت میں رہ کر مزید استفادہ کیا اور ان سے باقاعدہ سند حاصل کی۔ عمر بن محمد نے کھمبائیت میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسی وجہ سے نزیل کنبایت کہے جانے لگے۔ عمر بن محمد دمشقی نے کھمبائیت میں رہ کر حدیث کی اشاعت کے لیے کام کیا۔

5.4 عبدالعزیز بن محمود طوسی (۸۳۶ھ تا ۹۱۰ھ)

شیخ عبدالعزیز طوسی خراسان کے شہر طوس میں ۸۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے محمد بن عبدالعزیز ابہری سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ ۸۷۰ھ میں آپ نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں حافظ سخاوی کے مرکزِ حدیث سے وابستہ ہو گئے۔ حافظ سخاوی سے آپ نے حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا سماع کیا۔ لیکن مکہ مکرمہ میں آپ زیادہ عرصہ تک قیام نہیں کر سکے۔ محمود گاوان کے آخری دور میں آپ دکن آئے۔ محمود گاوان نے آپ کی سرپرستی کی اور اپنے داماد کا اتالیق مقرر کیا۔

5.5 وجیہہ الدین محمد المالکی (۸۵۶ھ تا ۹۱۹ھ)

وجیہہ الدین کا تعلق مصر کے مالکی فقہاء کے ایک خاندان سے تھا۔ آپ ۸۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ ۸۵۶ھ میں آپ حافظ سخاوی کے مرکزِ حدیث کے ساتھ منسلک ہو گئے اور طویل عرصہ تک استفادہ کرنے میں مصروف رہے۔ اس کے بعد آپ نے یمن کا سفر کیا اور وہاں جامع زبید میں حدیث کا درس دینے لگے۔ اس کے بعد یمن سے احمد آباد جانے کے لیے کھمبائیت کا سفر کیا۔ گجرات سے انہوں نے اپنے ان احباب کے نام جو مکہ مکرمہ میں تھے، جو خطوط لکھے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ۸۹۸ھ سے پہلے گجرات پہنچ گئے تھے۔

کھمبائیت کے گورنر کے مشورہ سے شیخ وجیہہ الدین نے حدیث کا حلقہ قائم کیا۔ آپ مصادرِ حدیث کے

ساتھ ساتھ قاضی عیاض کی الشفاء بھی پڑھاتے تھے۔ بہت جلد آپ کا حلقہ مشہور ہو گیا اور لوگ دور دور سے آ کر آپ سے استفادہ کرنے لگے۔ آپ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان محمود (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) نے آپ کو ملک المحدثین کا خطاب عطا کیا۔ اس کے علاوہ سلطان نے آپ کو محاصلِ سلطنت کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا اور بڑی فیاضی سے آپ پر انعام واکرام کرتے رہے۔

اپنے منصبی فرائض میں مصروف رہنے کے باوجود شیخ وجیہ الدین علم حدیث کی تعلیم دینے کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ حدیث پر کتابیں مرتب کرنے کے لیے آپ نے معقول معاوضہ دے کر ماہرین کا تقرر کیا تھا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے ایک محدث شیخ جار اللہ بن فہد نے وجیہ الدین کے لیے فتح المبین کے نام سے ایک اربعین مرتب کی تھی۔ آپ کو علم حدیث سے اتنی زیادہ دلچسپی تھی کہ ہمیشہ اس موضوع پر نئی کتابوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ حافظ ابن حجر کی فتح الباری جیسے ہی منظر عام پر آئی شیخ وجیہ الدین نے اس کا ایک نسخہ اپنے لیے حاصل کر لیا اور پھر اسے اپنے ایک دوست مخاطب علی خان امیر گجرات کو بطور تحفہ پیش کر دیا۔ مخاطب علی خان نے یہ نسخہ سلطان مظفر شاہ (۹۱۷ھ تا ۹۳۲ھ) کے کتب خانہ کے لیے بھیج دیا۔ اس تحفہ سے سلطان اس قدر خوش ہوا کہ اس نے مخاطب علی کو بروچ بطور جاگیر عطا کر دیا۔ شیخ وجیہ الدین نے ۹۱۰ھ کو احمد آباد میں وفات پائی۔

خود آزمائی ①

۱) امیر کبیر سید علی ہمدانی اور حدیث کی ترویج کے لیے ان کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

۲) شیخ بہاء الدین زکریا کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ان کے مکتب محدثین کے کردار کے بارے میں بحث کیجیے۔

۳) محمود گاوان نے کس پہلو سے علوم دینیہ کی ترویج کے لیے کام کیا۔ تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔

۴) حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے اثرات ونتائج کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اس موضوع پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔

۵) ابوالفتح مکی، احمد بن صالح، عبدالعزیز طوسی، اور محمد المالکی کے حالات وخدمات پر ایک شذرہ قلم بند کیجیے۔

5.6 حسین بن عبداللہ بن اولیاء کرمانی (م۹۲۲ھ)

شیخ حسین کا نام اصیل الدین تھا۔ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ حافظ سخاوی سے صحیح بخاری، مسند شافعی اور مشارق الانوار کا سماع کیا۔ آپ کو علمِ حدیث کے ساتھ حد درجہ شغف تھا۔ حافظ سخاوی سے آپ نے مصادرِ حدیث درساً درساً حاصل کیں۔ اور باقاعدہ سند حاصل کرنے کے بعد ۸۹۶ھ میں آپ بیجاپور آئے۔ بیجاپور میں آپ نے چار سال قیام کیا۔ اپنے قیام کے دوران میں شیخ حسین نے حدیث کا حلقہ قائم کیا اور اس علاقہ میں حدیث کی اشاعت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ ۹۰۱ھ میں آپ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے۔

5.7 جمال الدین محمد بن عمر شافعی (۸۶۹ھ تا ۹۳۰ھ)

جمال الدین محمد بن عمر ۸۶۹ھ میں حضرموت میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ ایک جید عالم اور محدث تھے۔ ۸۹۴ھ کے موسمِ حج میں آپ کی ملاقات حافظ سخاوی سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ حافظ سخاوی کے مرکزِ حدیث سے وابستہ ہو گئے اور مسلسل ان کی خدمت میں رہ کر علمِ حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ جمال الدین نے امام منذری کی کتاب ''الترغیب والترھیب'' کا خلاصہ ''التقریب التھذیب'' کے نام سے لکھا تھا۔ آپ ۹۲۸ھ میں گجرات آئے تھے۔ گجرات کے سلطان مظفر ثانی نے آپ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ سلطان مظفر شاہ کے دربار میں آپ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ سلطان مظفر کے ہاں رہتے ہوئے آپ نے حدیث کی ایک مجلس قائم کی جس کے ذریعہ اس علاقہ میں حدیث کی خوب اشاعت ہوئی۔ ۹۳۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

5.8 رفیع الدین صفوی (م۹۵۴ھ)

رفیع الدین صفوی، حافظ سخاوی کے شاگرد تھے۔ آپ نے آگرہ میں علم حدیث کی اشاعت کے لیے بنیادی کام کیا۔ آپ ایران میں صفوی سلسلہ کے مشہور بانی صفی الدین کی اولاد میں سے تھے۔ اس سلسلہ نے شاہ اسماعیل (۹۰۵ھ تا ۹۳۰ھ) کی سربراہی میں ایک متشدد شیعی تنظیم کی شکل اختیار کر لی تھی۔ رفیع الدین نویں صدی

ہجری کی تیسری چوتھائی میں شیراز میں پیدا ہوئے تھے۔ جلال الدین دوانی (م ۹۲۸ھ) کی شاگردی کے زمانہ میں رفیع الدین نے خط وکتابت کے ذریعہ حافظ سخاوی سے استفادہ کیا اور ان سے سند حاصل کی۔ نویں صدی کے آخر میں قزلباشوں کے ہاتھوں ایران میں سنیوں کے مذہب اور زندگی کے لیے روز افزوں خطرات پیدا ہو گئے تھے اس لیے رفیع الدین کے والد ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ اس طرح رفیع الدین کو حافظ سخاوی سے قریب ہونے اور ان کی رہنمائی میں علم حدیث پر عبور حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ۹۰۲ھ میں شیخ سخاوی کی وفات کے بعد رفیع الدین صفوی گجرات روانہ ہوئے جہاں وہ سلطان محمود اول (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے آخر عہد حکومت میں پہنچے۔ پھر وہاں سے آگرہ گئے جو سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ھ تا ۹۲۳ھ) کی فیاضی اور سرپرستی کی بدولت ایک اہم علمی مرکز بن گیا تھا۔ سلطان سکندر کو علم حدیث سے گہری دلچسپی تھی اور اس کے حکم سے صحیح مسلم کا ایک حصہ بہت خوبصورت خط کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ سلطان سکندر لودھی نے رفیع الدین صفوی کے لیے شہر کے ایک محلّہ میں مکان بنوایا۔ اور اس محلّہ کا نام ان کے نام پر رکھا گیا۔ یہاں شیخ رفیع الدین چونتیس برس تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ نے بہت اعزاز واکرام اور مقبولیت حاصل کی۔ ۹۵۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رفیع الدین صفوی کے شیر شاہ سوری (۹۴۶ھ تا ۹۵۲ھ) سے بھی گہرے مراسم تھے۔ شیر شاہ سوری کی بے وقت موت سے اس کا یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا کہ رفیع الدین کو سلطان ترکی کے دربار میں اس مقصد سے متعین کیا جائے کہ ایران میں فرقہ واریت کے خطرہ کا سدباب کیا جائے۔ اور حاجیوں کے لیے ایک شاہراہ کے ذریعہ ہندوستان کو حجاز کے ساتھ مربوط کیا جائے۔

⑥ شیخ زکریا الانصاری اور علم حدیث

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ سخاوی کے مراکز حدیث کی طرح شیخ زکریا الانصاری کے مرکز حدیث نے بھی برصغیر میں علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس مرکز سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہاں ان میں سے صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

6.1 عبد المعطی الحضرمی (م ۹۸۹ھ)

شیخ عبد المعطی ۹۰۵ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد شیخ حسن کے ساتھ قاہرہ میں شیخ الاسلام زکریا الانصاری کے مرکزِ حدیث میں شریک ہوئے۔ اور دونوں نے شیخ انصاری سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ والد صحیح بخاری کی روایات پڑھتے تھے اور بیٹا ان روایات کو شیخ کی موجودگی میں سنتا تھا۔ ۹۶۳ھ کے لگ بھگ شیخ عبد المعطی ہجرت کر کے احمد آباد آ گئے۔ یہاں ایک علمی خاندان عبدروسی سے جو احمد آباد میں آباد تھا آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ گجرات میں رہ کر آپ نے درس حدیث کے لیے مرکز قائم کیا۔ آپ صحیح بخاری پورے اہتمام کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کے رجال پر بھی کام کیا تھا۔ صحیح بخاری کے علاوہ دوسرے مصادرِ حدیث بھی آپ اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے اور طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ ۹۸۹ھ میں احمد آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔

6.2 شہاب الدین عباسی (م ۹۹۲ھ)

شیخ زکریا الانصاری کے ایک اور شاگرد جن کو گجرات میں علم حدیث کی اشاعت سے گہرا اور دلی تعلق تھا شہاب الدین عباسی تھے۔ آپ ۹۰۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے المقدسی کی ''عمدۃ فی الحدیث'' اور امام نووی کی اربعین حفظ کر لی تھیں۔ شہاب الدین زندگی کے روزمرہ مشاغل میں بھی سنت کی پیروی سختی سے کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں محمد بن عبدالرحمٰن بھی شامل تھے۔ جنہیں اپنے دور میں بڑی مقبولیت حاصل رہی۔ ۹۹۲ھ میں شہاب الدین عباسی نے وفات پائی۔

⑦ ابن حجر ہیثمی (م ۹۷۴ھ) کا مرکز حدیث

ابن حجر ہیثمی مکی کے مرکز حدیث نے بھی برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ اس مرکز سے استفادہ کرنے والوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں اپنے حلقے قائم کئے اور مصادر حدیث کا درس دیتے رہے۔ یہاں ان میں سے چند حضرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

7.1 شیخ عبداللہ العیدروسی (م ۹۹۰ھ)

شیخ عبداللہ ''النور السافر'' کے مؤلف شیخ عبدالقادر عیدروسی کے والد تھے۔ آپ حضر موت میں ۹۱۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ مکہ معظمہ میں حافظ ابن حجر ہیثمی کے مرکز حدیث سے وابستہ ہوئے اور ان سے استفادہ کرنے کے بعد سند حاصل کی۔ آپ نے عبدالرحمٰن الربیع سے بھی حدیث کے مصادر کا درس لیا۔ جو حافظ سخاوی کے شاگرد تھے۔ اور مشکوٰۃ المصابیح کے شارح تھے۔ ۹۵۸ھ میں عبداللہ العیدروسی ہجرت کر کے احمد آباد آ گئے تھے۔ آپ کا خاندان علم و فضل کے حوالہ سے مشہور تھا۔ آپ کی قیام گاہ پر استفادہ کی غرض سے لوگ مسلسل آتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ کا گھر تصوف اور علم حدیث کا مرکز بن گیا تھا۔ علماء، فقہاء اور بڑے بڑے فضلاء آپ کی خدمت میں آ کر بیٹھنے کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ علماء کے ہاں آپ اتنے ہر دل عزیز اور محترم تھے کہ ۹۸۱ھ میں جب آپ نے امام غزالی کی احیاء العلوم اور ۹۸۵ھ میں صحیح بخاری کا درس ختم کیا تو شیخ عبدالمعطی جیسے بلند پایہ عالم نے آپ کی تعریف میں قصیدہ کہا۔ آپ کو خواص اور عوام دونوں طبقات میں مقبولیت حاصل تھی۔ ۹۹۰ھ میں احمد آباد میں وفات پائی۔

7.2 ابوالسعادات محمد الفاکہی الحنبلی (م ۹۹۲ھ)

شیخ محمد الفاکہی نے حافظ ابن حجر ہیثمی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کے دوسرے شیوخ کی خدمت میں بھی رہے۔ علاوہ ازیں حضر موت اور زبید کے اساتذہ سے بھی آپ نے مصادر حدیث کا درس لیا۔

آپ کے اساتذہ کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ ۹۵۷ھ میں ہجرت کر کے آپ احمد آباد آ گئے تھے۔ ۹۶۳ھ میں سورت منتقل ہو گئے۔ دونوں علاقوں میں آپ نے حدیث کی اشاعت کے لیے مجالس قائم کیں۔ ۹۹۴ھ میں سورت میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

7.3 میر مرتضی شریف شیرازی (م ۹۷۴ھ)

میر مرتضی شریف، سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) کے پوتے ہیں۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں ابن حجر ہیثمی سے حدیث کے بنیادی مصادر کا درس لیا اور سند حاصل کی۔ مکہ مکرمہ سے آپ نے دکن کا سفر کیا اور پھر ۹۷۲ھ میں اکبر آباد (آگرہ) آ گئے۔ جہاں اکبر کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز کیے گئے۔ زندگی بھر آپ کا تعلق درس وتدریس سے رہا۔ ۹۷۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

7.4 میر کلاں محدث اکبر آبادی (م ۹۸۳ھ)

محمد سعید بن مولانا خواجہ، جو میر کلاں محدث اکبر آبادی کے نام سے معروف ہیں ۹۸۱ھ میں خراسان سے اکبر آباد آئے تھے۔ اکبر نے ان کو شہزادہ سلیم (شہنشاہ جہانگیر) کا استاد مقرر کیا۔ میر کلاں محدث، خراسان کے ایک مشہور ولی خواجہ کوہی کے پوتے تھے۔ انہوں نے شیراز میں نسیم الدین میرک شاہ بن جمال الدین محدث سے علم حدیث حاصل کیا۔ ہندوستان آنے سے پہلے میر کلاں مکہ مکرمہ میں حدیث کا درس دیتے تھے۔ اور اسی بناء پر وہ شیخ الحرم المکی کہلاتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) اور غضنفر بن جعفر نہروالی (م ۱۰۰۰ھ) نے آپ سے مشکوۃ المصابیح کا درس لیا تھا۔ ۹۸۳ھ میں اکبر آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔

⑧ برصغیر میں مراکز حدیث کا ارتقاء

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کا آغاز اگرچہ ۸۲۰ھ میں ہوگیا تھا لیکن اس نے زیادہ ترقی نہیں کی اور نویں صدی ہجری میں محدثین کی بہت قلیل تعداد ترک وطن کر کے ہندوستان آئی تھی۔ یہ صورت حال ۸۸۶ھ میں حرمین میں حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے قیام تک جاری رہی۔ اس کے بعد محدثین کی متواتر آمد کا دور شروع ہوا اور یہ سلسلہ دسویں صدی ہجری کے آخر تک جاری رہا۔ علم حدیث کی اشاعت کا یہ دور جس کو برصغیر میں مراکز حدیث کے ارتقاء اور ترویج میں بہت اہمیت حاصل ہے تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- ۸۲۰ھ تا ۸۸۶ھ ...... یہ حافظ سخاوی سے پہلے کا دور ہے۔

۲- ۸۸۶ھ تا ۹۵۴ھ ...... یہ حافظ سخاوی کا دور ہے۔

۳- ۹۵۴ھ تا ۹۹۲ھ ...... یہ حافظ سخاوی کے بعد کا دور ہے۔

ذیل میں ان چند مراکز کا تذکرہ کیا جاتا ہے جہاں علم حدیث کی اشاعت مختلف انداز اور اسلوب سے ہوئی۔

8.1 دکن

حافظ سخاوی سے پہلے دور میں کئی محدثین دکن آئے تھے لیکن یہاں کے حالات چونکہ آنے والوں کے لیے ناسازگار ہو گئے تھے۔ اس لیے حافظ سخاوی کے دور میں مزید شیوخ یہاں نہیں آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حافظ سخاوی کا دور دکن میں بہمنی سلطنت کے زوال کا زمانہ تھا۔ یہ زوال ۸۸۶ھ میں محمود گاوان کے قتل کیے جانے کا نتیجہ تھا۔ محمود گاوان نہایت قابل، دیانت دار اور علم دوست وزیر تھا۔ اس کی نظر ریاست کے تمام عناصر پر تھی اس لیے ہر طبقہ کی سرگرمیوں کے بارے میں اس کے پاس معلومات ہوتی تھیں۔ وہ اپنے مطالعہ، مشاہدہ اور تجزیہ کی بنیاد پر معاشرہ کے تمام عناصر کو قابو میں رکھتا تھا۔ لیکن اس کے بعد مختلف اطراف سے فتنے نمودار ہو گئے اور انتشار پھیل گیا۔ بہمنی سلطنت پانچ ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ بیجاپور میں عادل شاہی، احمد نگر میں نظام شاہی، گول کنڈہ

میں قطب شاہی، برار میں عماد شاہی اور بیدر میں برید شاہی خاندانوں کی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان میں سے پہلی تین سلطنتیں زیادہ طاقت ور تھیں اور ان کے حکمرانوں نے شیعہ مسلک اختیار کر کے اس کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ برار پر ۹۸۲ھ میں احمد نگر نے قبضہ کر لیا اور بیدر پر ۱۰۲۸ھ میں بیجاپور نے قبضہ کیا۔ اس طرح بہمنی سلطنت کے خاتمے سے دکن میں سنیوں کے عہدِ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس علاقہ میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج کا کام رک گیا۔

حافظ سخاوی کے بعد کے دور میں جتنے شیوخ اور محدثین بیرون ہندوستان سے آئے وہ احوال وظروف کی وجہ سے دکن کے بجائے گجرات اور شمالی ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس طرح سندھ میں علم حدیث کی تاریخ دکن میں بھی دہرائی گئی۔ اس فرق کے ساتھ کہ سندھ میں سنیوں کا عہد حکومت اڑھائی سو برس سے زیادہ مدت تک رہا اور یہاں محدثین کی ایک بڑی جماعت کو تیار ہونے کا موقع مل سکا۔ لیکن دکن میں سنیوں کی حکومت کا زمانہ صرف ڈیڑھ سو سال کا ہے اس لیے یہاں علم حدیث کی اشاعت وترقی کے لیے اتنا کام نہ کیا جا سکا جتنا سندھ میں ہوا۔

دکن میں سلطان محمود شاہ اول (۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ) پہلا ہندوستانی حکمران تھا جس نے محدثین کی سرپرستی کی۔ اس نے محدثین کے لیے علم حدیث پر کام کرنے کی سہولتیں فراہم کیں چنانچہ گلبرگہ، بیدار، دولت آباد، ایلچ پور، جیول اور ذابل جیسے بڑے شہر محدثین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ سلطان محمود کے جانشین فیروز شاہ (۸۰۷ھ تا ۸۲۵ھ) کے عہد میں گلبرگہ علمائے حدیث کا مرکز بن گیا تھا۔ سلطان احمد شاہ اول (۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ) سید محمد گیسو دراز کا بہت عقیدت مند مرید تھا اور سنت رسول ﷺ کی سختی سے پابندی کرنے کی وجہ سے لوگ انہیں ولی بہمنی کہتے تھے۔ احمد شاہ کو فقہ اور علم الکلام کے علاوہ علم حدیث پر کافی عبور حاصل تھا۔ ۸۸۷ھ میں شیخ ابوسعید حسین نے بیدر میں مشکوۃ المصابیح کی ایک کاپی تیار کی تھی۔ جو سلطان محمود دوم (۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ) کو اس کی تخت نشینی کے موقع پر پیش کی تھی۔ حافظ سخاوی سے پہلے کے دور میں جو معروف محدثین ہندوستان آئے تھے ان میں سے چار شیوخ نے دکن میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بہمنی سلاطین نے ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔ شیخ دمامینی اور شیخ ابن فہد گجرات کو چھوڑ کر دکن چلے گئے تھے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بہمنی

سلاطین، مظفر شاہی سلاطین سے بھی زیادہ محدثین کی سرپرستی کرتے تھے۔ یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے کہ اگر بہمنی خاندان کچھ اور عرصہ تک حکمران رہتا تو دکن میں علم حدیث کی تاریخ اور زیادہ شاندار ہوتی۔

8.2 گجرات

یہ بات بالکل درست ہے کہ ۸۱۸ھ میں علم حدیث کے سرپرستوں کی حیثیت سے مظفر شاہی خاندان کے حکمرانوں کی شہرت ہندوستان کی حدود سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی۔ چنانچہ زبید میں شیخ دمامینی نے اپنی شرح صحیح بخاری کو احمد شاہ اول (۸۱۴ھ تا ۸۴۳ھ) کے نام منسوب کیا۔ تاہم حافظ سخاوی سے پہلے کے دور میں گجرات میں حدیث کی تعلیم کو کچھ زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ اس دور میں علماء ساری توجہ عربی ادب کی اشاعت اور تعلیم پر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ دمامینی نے محدث ہونے کے باوجود عربی صرف ونحو میں کئی مستند کتابوں کی شروح لکھیں۔ حافظ سخاوی کے دور کی ابتداء میں جب دکن میں سنیوں کی حکومت ختم ہوگئی تو سلطان محمود بیگڑہ (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کی فیاضی اور قدر دانی کی وجہ سے گجرات نہ صرف بیرون ہند سے آنے والے محدثین بلکہ ہمسایہ شیعہ سلطنتوں میں رہنے والے محدثین کے لیے بھی مرجع بن گیا۔ شیخ وجیہہ الدین مالکی کو ملک المحدثین کا خطاب دے کر سلطان محمود نے اعلانیہ طور پر یہ تسلیم کرلیا کہ محدثین بھی اس کی ریاست کا ایک معزز اور محترم طبقہ ہیں۔ اس کے بعد احمد آباد، کھمبائیت، مہاتم، سورت اور نہر والا جیسے مختلف مراکز میں حدیث کی تعلیم کو ترقی ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ حدیث کی مستند کتابیں گجرات میں منگوالی گئیں۔ سلطان محمود کا جانشین مظفر شاہ دوم خود بھی محدث تھا اور اس نے فتح الباری کا ایک نسخہ پیش کرنے کے صلہ میں مخاطب علی خان کو بروچ کی جاگیر عطا کردی تھی جس سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ سلطان کے دل میں حدیث رسول ﷺ کی کتنی زیادہ قدر ومنزلت تھی۔

گجرات میں علم حدیث کی اشاعت میں احوال وظروف کی وجہ سے رکاوٹیں بھی ہوتی رہیں۔ سلطان بہادر شاہ (۹۳۲ھ تا ۹۴۳ھ) کے عہد حکومت میں مغل شہنشاہ ہمایوں نے ۹۴۱-۹۴۲ھ میں گجرات پر فوج کشی کی جو تیرہ ماہ تک جاری رہی اور اس حملے کی وجہ سے شیخ علی متقی برہانپوری (م ۹۷۵ھ) اور شیخ عبداللہ سندھی (م ۹۹۳ھ) جیسے کئی ممتاز محدث ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ تاہم شیخ عبدالاول حسینی (۹۶۸ھ) نے گجرات کو نہیں چھوڑا اور احمد آباد میں علم حدیث کی ترویج واشاعت میں مشغول رہے۔ سلطان محمود سوم (۹۴۴ھ تا ۹۶۱ھ)

کی فیاضی اور سرپرستی کی وجہ سے حجاز سے آنے والے کئی محدّثین گجرات میں آباد ہو گئے۔ سلطان محمود کی دعوت پر ہی شیخ علی متقی نے دو مرتبہ احمد آباد میں مختصر قیام کر کے حدیث کا درس دیا۔ اس کے علاوہ سلطان محمود نے حرمین کے علماء کو وظائف دے کر ان کی مدد کی اور مکہ مکرمہ میں حدیث کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ بھی تعمیر کروایا۔ ۹۶۱ھ میں سلطان محمود اور اس کے دانشور وزیر آصف خان کے قتل کے بعد مظفر شاہی سلطنت بتدریج زوال پذیر ہو گئی اور آخر کار ۹۸۰ھ میں شہنشاہ اکبر نے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ علم حدیث کی ترقی اور اشاعت کو مظفر شاہی خاندان کے خاتمے سے شدید نقصان پہنچا۔ اور گجرات میں اشاعتِ حدیث کے لیے محدّثین کی سرگرمیاں اتنی سرد پڑ گئیں کہ دسویں صدی ہجری کے بعد گجرات میں ممتاز محدّثین کے نام بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔

8.3 مالوہ

مالوہ کا دارالسلطنت شادی آباد، مانڈو محمود خلجی (۸۳۹ھ تا ۸۷۴ھ) کے عہد حکومت میں، جو علوم وفنون کا سرپرست تھا، علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا۔ حافظ سخاوی کے کئی شاگرد یہاں آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ ان میں شیخ المحدّثین سعد اللہ مانڈوی (م ۹۰۴ھ) اور مولانا علیم الدین مانڈوی کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ محمود خلجی کو علم حدیث سے جو محبت، ارادت اور عقیدت تھی اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ اس نے مکہ مکرمہ میں ایک مدرسہ قائم کر کے حدیث کا درس دینے کے لیے شمس الدین محدث بخاری کو مقرر کیا۔

8.4 خاندیش

برہان پور خاندیش کے فاروقی حکمرانوں کا دارالسلطنت تھا اس کا بانی نصیر خان فاروقی تھا جس نے ریاست کو علمی دنیا میں ایک اونچے درجہ پر پہنچا دیا۔ برہانپور میں اس کا قائم کردہ مدرسہ دو سو برس تک بہت کامیابی سے جاری رہا اور علم حدیث کی اشاعت میں بھی اس نے بنیادی کردار ادا کیا۔

8.5 سندھ

دسویں صدی ہجری کے اوائل میں مخدوم عبدالعزیز ابہری نے سندھ میں حدیث کی تعلیم کا اجراء کیا۔ مخدوم عبدالعزیز ایک ممتاز محدّث تھے جو ایران میں صفوی حکمرانوں کے رویہ سے تنگ آ کر ۹۱۸ھ میں ہرات

سے ہجرت کر کے کاہان کے علاقہ میں آباد ہو گئے تھے جو اس وقت سندھ میں تھا (اب بلوچستان میں شامل ہے)۔ ہندوستان آنے سے پہلے شیخ عبدالعزیز ابہری ہرات میں مدرسۂ مرزا عرفی، مدرسۂ سلطانیہ اور خانقاہ اخلاصیہ میں استاد تھے۔ آپ نے شہزادہ نظام الدین علی شیر (م ۹۰۶ھ) کے ایماء پر، جو ہرات میں علم وادب کا سرپرست تھا مشکوۃ المصابیح کی ایک شرح ''منہاج المشکاۃ'' کے نام سے تالیف کی تھی۔ اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ شیخ عبدالعزیز کاہان میں دس سال تک حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ ۹۲۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے دو بیٹے امیر الدین اور محمد بھی اہل علم وفضل تھے۔ انہوں نے اپنے والد کے سلسلہ کو جاری رکھا اور اسلامی علوم کی اشاعت میں مصروف رہے۔

8.6 لاہور

مولانا مفتی محمد (م ۱۰۰۰ھ) کی سرگرمیوں کے باعث لاہور علمِ حدیث کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ مفتی محمد شہر کے ایک ممتاز ترین عالم تھے۔ آپ نے لاہور شہر میں اپنا حلقہ قائم کیا۔ طویل عرصہ تک صحیح بخاری اور مشکوۃ المصابیح کا درس دیتے رہے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں بڑے بڑے علماء بھی شامل ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ درس کے اختتام پر حاضرین کی خاطر مدارت کرتے تھے۔

8.7 جھانسی اور کالپی

بغداد کے ایک محدّث سید محمد ابراہیم دسویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان آئے تھے۔ انہوں نے پہلے جھانسی میں اور پھر کالپی میں، جو دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے علم حدیث کی تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق آپ کا درس سننے کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ مخدوم نظام الدین بھکاری (م ۹۸۱ھ) کاکور سے جو لکھنؤ سے بائیس کلومیٹر کے فاصلے پر شمالی سمت میں واقع ہے آپ سے استفادہ کرنے کے لیے جھانسی آتے تھے۔ شیخ محمد ابراہیم، معالم التنزیل، صحیح بخاری، سنن ابوداؤد اور جامع الاصول کا درس دیا کرتے تھے۔

8.8 آگرہ

دسویں صدی ہجری میں آگرہ میں علم حدیث کی اشاعت وترویج کے لیے تین مراکز قائم ہو گئے تھے۔

۱) مدرسۂ رفیع الدین صفوی (م۹۵۴ھ)

۲) مدرسۂ حاجی ابراہیم محدّث اکبر آبادی (م۱۰۱۰ھ)

۳) مدرسۂ سید شاہ میر (م۱۰۰۰ھ)

آگرہ کے عین وسط میں شیخ رفیع الدین صفوی کا مکان واقع تھا جو علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا تھا۔ اسی مدرسہ میں رفیع الدین صفوی کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابوالفتح خراسانی تھانیسری (م۱۰۰۴ھ) پچاس برس تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ منتخب التواریخ کے مؤلف عبدالقادر بدایونی (م۱۰۰۴ھ) اور کمال الدین حسین شیرازی جیسے نامور اور معروف علماء اس مرکز سے مستفید ہوئے۔

حاجی ابراہیم محدّث اکبر آبادی نے حدیث کی تعلیم حجاز میں حاصل کی تھی اور آگرہ میں درس حدیث کے لیے اپنا حلقہ قائم کیا تھا۔ آپ کی شخصیت اور احترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جلال الدین اکبر کے دربار میں درباری آداب ورسوم بجالانے سے آپ نے انکار کر دیا تھا۔ آپ جہاں خواص میں مقبول تھے وہاں عوام میں بھی آپ کو بے پناہ پذیرائی حاصل تھی۔

شاہ میر کا مدرسہ، شیخ بہاء الدین مفتی کے محلّہ میں دریائے جمنا کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ سید شاہ میر صفوی کے بھتیجے تھے آپ مشارق الانوار کا درس دیتے تھے۔

8.9 لکھنؤ

دسویں صدی ہجری کے اواخر میں مدینہ منورہ کے ایک محدّث شیخ ضیاء الدین کی آمد سے لکھنؤ میں علم حدیث کا ایک مرکز قائم ہو گیا۔ شیخ ضیاء الدین اپنے شاگردوں کو چار سال تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ کے شاگردوں میں مخدوم بھکاری کاکوروی بھی شامل تھے جنھوں نے آپ سے صحیح بخاری اور جامع الاصول کا درس لیا تھا۔ شیخ ضیاء الدین اپنی وفات تک کاکوری میں رہے۔ دسویں صدی کے آخر میں آپ کا انتقال ہوا۔

8.10 جون پور

شرقی سلاطین کا دارالسلطنت جون پور ایک مشہور و معروف علمی شہر بن گیا تھا اور اپنے عروج کے دور میں

اس کی شہرت دہلی سے بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ یہاں مختلف علوم وفنون کا رواج تھا لیکن حدیث کی تعلیم وتعلّم کا سلسلہ برائے نام تھا۔ دسویں صدی ہجری تک یہاں کوئی قابل ذکر محدّث کا نام تاریخ میں نہیں ملتا تھا۔ البتہ دسویں صدی کے بعد بعض علماء کے نام کے ساتھ محدّث کا لقب ملتا ہے۔ مہذب الدین جونپوری ان حضرات میں سے ہیں جن کا نام حافظ سخاوی کے شاگردوں کی فہرست میں ملتا ہے۔

8.11 بہار

نویں صدی ہجری کے اختتام تک ''منیر'' کے صوفیہ بہار میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج میں مصروف رہے۔ اس کے بعد ''پھلواری'' علم حدیث کا مرکز بن گیا۔ اگر چہ شرف الدین منیری کے ایک مرید سید منہاج الدین راستی نے آٹھویں صدی ہجری میں خانقاہ پھلواری میں حدیث کی تعلیم کا آغاز کر دیا تھا لیکن اسے یہاں دسویں صدی ہجری میں سید یاسین کی آمد تک کوئی قابل لحاظ ترقی نہیں ہوئی تھی۔ سید یاسین، رفیع الدین صفوی کے بھتیجے تھے اور گجرات میں وجیہہ الدین علوی (م ۹۰۰ھ) اور حجاز کے چند ممتاز محدّثین سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ سید یاسین کی محنت سے یہ خانقاہ حدیث کی تعلیم واشاعت کا ایک مرکز بن گئی جس کا اظہار اس سند سے ہوتا ہے جو سید یاسین نے شیخ عتیق بن عبدالسمیع کو دی تھی۔ جس میں مسلسل تین واسطے محدّثین پھلواری یعنی عبدالمقتدر، ان کے والد عبدالنبی اور عبدالرزاق کے نام درج ہیں۔ ان میں سے عبدالنبی اور عبدالرزاق کو علم حدیث پر زبردست عبور حاصل ہونے کی وجہ سے ''شیخ الوقت'' اور ''حافظ الوقت'' کا لقب دیا گیا تھا اور شیخ عتیق خود بھی نور الحق بن عبدالحق دہلوی کے شاگرد تھے۔

8.12 بنگال

بنگال کا بادشاہ علاء الدین حسین شاہ بن سید اشرف المکی (۹۰۵ھ تا ۹۲۴ھ) بنگالی زبان وادب اور علوم وفنون کا اولین سرپرست قرار دیا گیا ہے۔ اس بادشاہ کی وجہ سے بنگال میں تفسیر، حدیث اور فقہ کو ترقی ہوئی۔ ۹۰۵ھ میں بنگال کا بادشاہ ہونے کے بعد حسین شاہ نے دور ونزدیک کے علماء کو بنگال آنے اور یہاں سکونت پذیر ہونے کی دعوت دی اور ان کی سرپرستی کرنا شروع کی۔ رمضان ۹۰۷ھ کو اس نے غور میں بمقام غرّہ شہید دینی علوم کی تعلیم کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا۔ اس نے پانڈوہ (ضلع مالدہ) میں بھی ایک مشہور ولی نور

قطب عالم کی یادگار کے طور پر ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے اخراجات کے لیے زمین وقف کر دی تھی۔ ان مدارس میں علم حدیث نصابِ تعلیم کا لازمی حصہ تھا جس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ دارالسلطنت اکدالا میں حدیث کے بہت سارے عالم موجود تھے۔ اور صحیح بخاری کے نسخے متداول تھے۔ علم حدیث کی حوصلہ افزائی کرنے میں حسین شاہ اپنے ہم عصر سلاطین گجرات کا ہم پایہ تھا۔ اس کے ایماء پر محمد بن یزدان بخش نے جو خواجگی شروانی کے نام سے مشہور ہیں، اکدالا کے شاہی خزانہ کے لیے ۹۱۱ھ میں صحیح بخاری کو تین جلدوں میں نقل کیا تھا جو کتب خانہ بانکی پورہ میں موجود ہے۔

8.13 سنارگاؤں

حنبلی فقیہ ابو توئمہ (م ۷۰۰ھ) کی وجہ سے سنارگاؤں سادات کے عہدِ حکومت (۹۰۰ھ تا ۹۴۵ھ) میں ایک علمی مرکز کی حیثیت سے مشہور ہو گیا تھا۔ مشرقی بنگال کا مرکز ہونے کے باعث سنارگاؤں ایک خوشحال شہر تھا جہاں اسلامی مدارس اور علماء موجود تھے۔ یہاں کے مدارس میں جو نصابِ تعلیم رائج تھا اس میں حدیث شامل تھی۔ حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا رواج تھا۔ علماء کے القاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم حدیث سے تعلق رکھنے والے علماء کو باقی علماء کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔

خود آزمائی ②

۱) شیخ زکریا انصاری نے علم حدیث کی ترویج کے لیے جو خدمات انجام دیں ان کا ایک خاکہ پیش کیجئے۔
۲) عبدالمعطی، شہاب الدین عباسی اور ابن حجر ہیثمی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ ان کی حیات وخدمات پر ایک نوٹ تحریر کریں۔
۳) شیخ عبیداللہ العیدروسی، محمد الفاکہی، میر مرتضی شیرازی اور میر کلاں محدث اکبرآبادی کے احوال وآثار پر ایک شذرہ قلم بند کیجئے۔
۴) برصغیر میں مراکز حدیث کے ارتقاء سے کیا مراد ہے؟ بحث کیجئے۔
۵) مندرجہ ذیل علاقوں میں جو مراکز حدیث قائم ہوئے ان پر تبصرہ کیجئے:
گجرات، سندھ، لاہور، آگرہ، لکھنؤ، بہار۔

فہرست مصادر ومراجع

۱- اخبار الاخبار مؤلف عبدالحق دہلوی
۲- نزہۃ الخواطر از عبدالحیٔ حسنی
۳- مآثر الکرام از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی
۴- تذکرہ علماء ہند از رحمان علی
۵- سیر الاولیاء مؤلف امیر خورد
۶- فوائد الفواد اردو ترجمہ: غلام احمد
۷- تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی
۸- تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ
۹- طبقات ناصری از منہاج السراج
۱۰- ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان
۱۱- الحطۃ فی ذکر صحاح ستہ از نواب صدیق خان
۱۲- معارف العوارف از عبدالحیٔ حسن
۱۳- خزینۃ الاصفیاء از علام سرور
۱۴- یاد ایام از عبدالحیٔ حسنی
۱۵- عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز
۱۶- تراجم علمائے حدیث ہند از امام خان نوشہروی
۱۷- حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی
۱۸- مقدمہ اوجز المسالک از مولانا محمد زکریا کاندہلوی
۱۹- نظام تعلیم وتربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی

۲۰- منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی

۲۱- عرب وہند کے تعلقات از سید سلمان ندوی

۲۲- عربوں کی جہاز رانی از سید سلمان ندوی

۲۳- حیات شبلی از سید سلمان ندوی

۲۴- ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی



یونٹ نمبر (12)

برِّصغیر میں علم حدیث ❸

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ''برصغیر میں علم حدیث'' سے ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ علمِ حدیث کی ترویج واشاعت کے مراحل ان کے ذہن میں ہوں۔ اور جن جن حضرات نے اس مجال میں خدمات انجام دی ہیں ان کے علمی، عملی، تدریسی اور تالیفی آثار سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔ اس یونٹ میں پوری ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کا کام کیسے شروع ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر ہندوستان کے مختلف خطوں اور گوشوں میں اس کو پہنچنے کا موقع ملا۔ ان تالیفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ہندوستان میں رائج اور متداول رہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے ضمن میں جو مواد ہمارے لٹریچر میں موجود ہے وہ مختلف کتابوں میں منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر میں چونکہ علمی زبان ایک عرصہ تک فارسی رہی ہے اس لیے بیشتر علمی، ادبی اور تالیفی کام فارسی میں ہوا۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ فارسی زبان کی تالیفات اور آثار یا تو لائبریریوں کی زینت ہیں اور یا نمائشی مقاصد کے لیے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ اب ہر فن اور مجال کے طلبہ ان خدمات اور مساعی سے ناواقف ہیں جو برصغیر کے علماء اور اساتذہ نے مختلف علوم وفنون کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں انجام دی ہیں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیرِ بحث سے متعلق بنیادی اور اساسی مواد جہاں کہیں بھی ملے سلیس اور عام فہم زبان میں مرتب اور منضبط اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- شیخ علی متقی ہندی کی ان خدمات پر گفتگو کر سکیں۔ جو انہوں نے برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کے لیے انجام دیں۔
- ملاّ علی قاری کی تالیفات وآثار کی اہمیت پر روشنی ڈال سکیں۔
- شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی علمی جدوجہد اوران کے تلامذہ کی مساعی پر تبصرہ کر سکیں۔
- شیخ احمد سرہندی اوران کے خاندان کی خدمات اوراثرات ونتائج پر بحث کر سکیں۔
- شاہ عبدالغنی مجددی، شیخ یعقوب لاہوری اور شیخ یحییٰ الہ آبادی کی حیات وخدمات بیان کر سکیں۔

③ برصغیر میں علمِ حدیث ❸

جلال الدین اکبر کے ابتدائی دور میں جب بیرم خان کا امور سلطنت میں بڑی حد تک عمل دخل تھا اس نے علوم وفنون کے دوسرے مشاہیر کے ساتھ علماء حدیث کو بھی گجرات سے دلّی اور آگرہ آنے کی دعوت دی۔ ان میں سب سے پہلے میر سید عبدالاوّل جونپوری کو پورے اصرار کے ساتھ گجرات سے دلّی بلوایا۔ آپ یہاں حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے کام کرتے رہے یہاں تک کہ ۹۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

میر سید عبدالاوّل جونپوری کے شاگردوں میں ایک اہم شخصیت شیخ طیب محدّث سندھی کی ہے جنہوں نے گجرات کے قیام کے دور میں شیخ جونپوری سے حدیث پڑھی تھی۔ شیخ طیب محدّث نے پچاس برس تک ایلچ پور اور برہانپور میں بیٹھ کر علم حدیث کی خدمت کی۔

حافظ ابن حجر مکی کے شاگردوں میں شیخ یعقوب صرفی کشمیری بھی ہیں۔ آپ ۹۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلیہ کی کتب مولانا شاہ محمد انی سے پڑھیں اور حدیث کی سند حافظ ابن حجر ہیثمی سے حاصل کی۔ تفسیر قرآن کے علاوہ شرح صحیح بخاری اور مغازی النبوۃ کے نام سے آپ نے کتابیں لکھیں۔ اس دور میں ملا محمد شکرف محدّث کشمیری بھی حرمین جا کر حافظ ابن حجر مکی کے حلقہ میں شامل ہوئے۔ واپس آ کر آپ نے اپنا حلقہ قائم کیا اور کشمیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت میں مصروف ہوگئے۔ کشمیر کے ایک اور مشہور ومعروف محدّث حاجی محمد ہیں۔ آپ کے آباء واجداد ہمدان کے تھے اور سید علی ہمدانی کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ حاجی محمد کی ایک فارسی تالیف شرح شمائل ترمذی ہے۔ اس تالیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ چند بار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور حافظ ابن حجر مکی اور میر جمال الدین محدّث کے شاگرد مولانا محمد صادق محدّث کے تلمذ سے فیض یاب ہوئے۔ ۱۰۰۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا عبدالرحمٰن محدّث سرہندی کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ آپ شیخ مجدد الف ثانی کے شیخ ہیں۔ شیخ مجدد نے حدیث کی کتب آپ سے پڑھیں۔

1.1 شیخ علی المتقی الھندی

دسویں صدی ہجری کے وسط میں برصغیر میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس نے پورے ہندوستان کے اطراف واکناف کو متاثر کیا اور علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے ایسی خدمات انجام دیں کہ عرب وعجم کے علماء نے ان کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ہر نوع کی پذیرائی سے نوازا۔ یہ شخصیت شیخ علی المتقی الہندی کی ہے۔ شیخ علی متقی کا آبائی علاقہ جونپور تھا۔ آپ برہان پور دکن میں ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں شیخ باجن برہانپوری سے بیعت کی۔ عالم شباب میں ملتان جا کر شیخ حسام الدین متقی سے استفادہ کیا۔ اپنے مرشد اور مربی کی خدمت میں رہنے کے بعد آپ کا میلان حجاز کی طرف ہوا۔ ۹۵۲ھ میں آپ نے حرمین کی طرف سفر شروع کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ستاسٹھ سال تھی۔ شیخ علی متقی نے حجاز پہنچ کر وہاں کے شیوخ واساتذہ سے استفادہ کرنا شروع کیا۔ ان شیوخ میں حافظ ابن حجر مکی، شیخ ابوالحسن بکری اور محمد بن محمد سخاوی کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ شیخ علی متقی نے چند ہی سال میں اپنی فطری استعداد، روحانی ذوق اور توفیق خداوندی سے یہ مرتبہ حاصل کر لیا کہ استاد شاگرد اور شاگرد استاد کے مرتبہ میں آ گئے۔ اس دوران میں آپ نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا۔ ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک آپ نے حدیث کی روایات کو جمع کیا اور ''کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال'' کے نام سے اپنی مشہور تالیف مرتب کی۔ جو حدیث کی روایات کا انسائیکلو پیڈیا ہے اور علماء وطلبہ کے حلقوں میں مقبول ومتداول ہے۔

شیخ علی متقی حجاز جانے کے بعد دو مرتبہ ہندوستان (گجرات) آئے اور سلطان محمود گجراتی نے یہ قدر دانی کہ کہ اپنی پوری سلطنت آپ کے قدموں میں ڈال دی۔ آپ کے مدرسہ اور طلبہ کے لیے خطیر رقم کے وظائف مقرر کئے۔ ۹۷۵ھ میں پچانوے برس کی عمر میں شیخ کا انتقال ہوا۔ شیخ علی متقی کے حلقہ سے بڑے بڑے باکمال علماء پیدا ہوئے جن کو بہت زیادہ شہرت ملی ان میں شیخ عبدالوہاب متقی مانڈوی برہانپوری، شیخ محمد طاہر پٹنی (احمد آباد)، شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوری، شیخ عبداللہ، شیخ سعد اللہ سندھی اور شیخ برخوردار سندھی زیادہ نمایاں ہیں۔

1.2 عبدالوہاب متقی

شیخ عبدالوہاب متقی مانڈو (مالوہ) کے رہنے والے تھے۔ برہان پور میں پیدا ہوئے۔ بیس برس تک

گجرات اور دکن کے علمی حلقوں سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد حجاز کا سفر کیا۔ ۹۶۳ھ میں شیخ علی متقی کے حلقۂ درس کے ساتھ منسلک ہو گئے اور شیخ کی وفات تک بارہ برس مسلسل شیخ کے ہمراہ رہے۔ شیخ علی متقی کے مسودات کی کتابت آپ کے ذمہ تھی۔ شیخ کے ساتھ اتنی طویل رفاقت کی وجہ سے آپ کو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا ملکہ حاصل ہوا۔ آپ کو اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ شیخ کے انتقال کے بعد حرمین، مصر و شام اور یمن کے علماء نے آپ کو شیخ کا جانشین تسلیم کیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی حجاز جانے کے بعد صرف ایک مرتبہ ہندوستان آئے۔ اور پھر اسی سال واپس چلے گئے۔ ۱۰۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ آپ کے حلقہ میں ''صحاح ستہ'' التزام اور اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی تھیں۔

1.3 شیخ محمد طاہر پٹنی

شیخ محمد بن طاہر پٹن کے رہنے والے تھے جو احمد آباد (گجرات) کے قریب واقع ہے۔ اس علاقہ کی طرف منسوب ہو کر آپ پٹنی کہلاتے ہیں۔ آپ شیخ علی متقی کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے دو کتابیں تالیف کیں۔ ایک لغت حدیث میں ''مجمع البحار'' اور دوسری رجال میں ''المغنی''۔ ان دونوں کتابوں میں اپنے شیخ کا جس ولولۂ شوق اور غلبۂ محبت کے ساتھ آپ نے ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاگرد کے دل میں شیخ کی کتنی قدر و منزلت تھی۔ مجمع البحار، گویا ظاہراً حدیث کی ڈکشنری ہے لیکن علمائے حدیث کے اعتراف کے مطابق یہ کتاب درحقیقت صحاح ستہ کی شرح ہے۔ اس کے علاوہ ''تذکرۃ الموضوعات'' اور ''قانون الموضوعات'' بھی آپ کی اہم تالیفات ہیں۔ حجاز سے واپس آ کر آپ نے درس و تدریس اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں ۹۸۶ھ میں اجین کے قریب قصبۂ سارنگ پور میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

شیخ علی متقی کے شاگردوں میں شیخ عبداللہ بن سعد الدین اور شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ، دونوں کا تعلق سندھ سے تھا۔ ان کے بزرگ مدینہ منورہ ہجرت کر کے گئے تھے۔ شیخ علی متقی کے شاگردان خاص اور خلفاء مجاز میں سے تھے۔ ۹۷۷ھ میں ہندوستان آئے اور احمد آباد (گجرات) میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں انہوں نے اپنا حلقہ قائم کیا اور بہت بڑی تعداد میں طلبۂ حدیث نے ان سے استفادہ کیا۔ بڑھاپے میں حجاز واپس گئے اور وہیں

وفات پائی۔ شیخ رحمت اللہؒ کے بھائی شیخ حمید سندھی تھے جو تفسیر اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے حجاز گئے اور وہیں اپنا حلقہ قائم کیا۔ شیخ برخوردار سندھی نے بھی حجاز میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے ان سے استفادہ کیا۔ شاہ محمد بن فضل اللہ کا آبائی علاقہ جونپور تھا۔ آپ احمد آباد، گجرات میں پیدا ہوئے جوان ہوئے تو حجاز چلے گئے۔ تقریباً بارہ سال تک شیخ علی متقی کے حلقۂ درس میں داخل رہے۔ پھر ہندوستان واپس آ کر برہان پور میں سکونت اختیار کی اور درس وتدریس کا مرکز قائم کیا۔ اتباع سنت میں ایسے کامل تھے کہ ''نائب رسول اللہؐ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کے قائم کردہ مرکز میں تفسیر، حدیث اور فقہ کے مصادر پڑھائے جاتے تھے۔ ۱۰۰۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

1.4 شیخ بہلول دہلوی

شیخ عبداللہ اور شیخ رحمت اللہ جب گجرات میں تھے تو شیخ بہلول دہلوی گجرات جا کر ان کے حلقہ سے وابستہ ہو گئے۔ ان دونوں شیوخ سے آپ نے حدیث میں استفادہ کیا۔ دلی واپس آئے تو طلبہ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ملا بدایونی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں آپ نے خوب استفادہ کیا تھا۔ آپ اہلِ دنیا سے دور رہتے تھے اور طلبہ کے ہجوم میں رہتے تھے۔ (بدایونی: ج ۳، ص ۱۱۲)

1.5 شیخ عبدالنبی گنگوہی

شیخ عبدالنبی گنگوہی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے پوتے ہیں۔ جلال الدین اکبر کے عہدِ حکومت میں پورے ہندوستان کے صدر الصدور (شیخ الاسلام) تھے۔ ابتدا میں سارا میلان تصوف کی طرف تھا۔ بعد میں جب حجاز گئے اور حدیث کے حلقوں میں شریک ہو گئے تو رحجان حدیث کی طرف ہو گیا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ:

> ''آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کئی بار گئے۔ وہاں آپ نے حدیث کے شیوخ اور اساتذہ سے استفادہ کیا۔ واپس آئے تو آباء واجداد کی روش چھوڑ دی اور علماء حدیث کا مسلک اختیار کر لیا''۔ (بدایونی: ج ۳، ص ۱۸۰)

اکبر، شیخ عبدالنبی کا اس درجہ ادب کرتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے ان کے سامنے ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ دربار کے جاہ پرست اور نام نہاد علماء نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیضی اور ابوالفضل نے دربار اکبری پر قبضہ کرلیا۔

1.6 ملاّ علی قاری

ملاعلی قاری اگرچہ ہرات کے رہنے والے تھے لیکن اس دور میں ہرات تیموری سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ ملاّ علی قاری نے زیادہ تر استفادہ ہندوستان کے شیوخ اور اساتذہ سے کیا۔ اور ان کے علمی کام کو شہرت اور پذیرائی بھی ہندوستان میں ملی۔ آپ کے والد کا نام سلطان محمد تھا۔ ابتدائی تعلیم ہرات میں حاصل کی۔ مشکوٰۃ المصابیح مولانا میرکلاں محدّث سے پڑھی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے اور ابوالحسن بکری، سید زکریا حسینی، حافظ ابن حجر مکی، شیخ عبداللہ سندھی، قطب الدین نہروالی (گجرات) سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۰۱۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، شرح شفاء لقاضی عیاض، شرح شمائل ترمذی، شرح نخبۃ الفکر، شرح ثلاثیات بخاری، تخریج احادیث، شرح حصن حصین، شرح اربعین نووی، شرح موطا امام محمد، المصنوع فی معرفۃ المضوع اور تذکرۃ الموضوعات جیسی شاہکار کتابیں آپ نے یادگار چھوڑیں۔

1.7 شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

جلال الدین اکبر کے آخری عہد میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی شخصیت نمایاں ہوگئی۔ مولانا عبدالحق کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانہ کو وقف عام کیا۔ اور اپنی عالمانہ تصنیفات وتالیفات کے ذریعہ سے علماء ظاہر وباطن دونوں کے حلقوں سے خراج تحسین حاصل کیا۔ شیخ عبدالحق دہلوی نسلاً ترک تھے۔ ۹۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور شیخ عبدالوہاب متقی کے حلقہ درس سے وابستہ ہوگئے۔ شیخ عبدالوہاب کے ہاں رہ کر آپ نے صحاح ستہ پورے اہتمام کے ساتھ پڑھیں۔ تکمیل کے بعد آپ نے شیخ عبدالوہاب متقی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اپنے شیخ کے ساتھ آپ کو جو عقیدت تھی اس کا اندازہ ''اخبار الاخیار'' کے صفحات سے ہو سکتا ہے۔ شیخ عبدالحق نے ہندوستان آ کر دلی میں اقامت اختیار کی اور تقریباً سو سے زیادہ کتابیں تالیف کیں جن میں سے مشکوٰۃ کی مشہور عربی شرح ''لمعات'' اور فارسی شرح ''اشعۃ اللمعات'' ہے۔ سیرت نبوی ﷺ میں ''مدارج النبوۃ'' تالیف کی اور فیروز آبادی کی ''سفر السعادۃ'' کی شرح لکھی۔ ۱۰۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

عالمگیر کے عہدِ حکومت میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے قابل اور لائق بیٹوں اور شاگردوں کا ایک بابرکت سلسلہ پیدا ہوا۔ جس نے شیخ کے فیض کو جاری کیا۔ شیخ عبدالحق کے فرزند مولانا نورالحق محدّث دہلوی نے والد کی علمی وراثت حاصل کی۔ آپ نے اپنے والد ہی سے حدیث میں استفادہ کیا اور ساری زندگی حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کر دی۔ آپ نے خواجہ محمد معصوم کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی سلسلہ بھی جاری رکھا۔ صحیح بخاری کی فارسی میں ''تیسیر القاری'' کے نام سے ایک ضخیم شرح لکھی جو ۱۳۰۲ھ میں مطبع علوی لکھنؤ سے چھپ چکی ہے۔ آپ نے مؤطا امام مالک کی شرح بھی لکھی جو پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں موجود ہے۔ صحیح مسلم کی شرح شروع کی تھی لیکن اسے مکمل نہ کر سکے۔ شہاب الدین شاہ جہان کے عہد میں آگرہ کے قاضی تھے۔ ۱۰۷۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ نورالحق محدّث دہلوی کے ایک صاحبزادے شیخ حافظ فخر الدین ہیں۔ آپ اپنے والد کے جانشین رہے اور والد کا علمی ترکہ آپ نے حاصل کیا۔ فارسی میں اپنے والد کی ناتمام شرح ''منبع العلم'' کی تکمیل کی۔ یہ شرح پٹنہ لائبریری میں موجود ہے۔ حافظ فخر الدین کے بیٹے شیخ الاسلام ہیں جو محمد شاہ کے عہد حکومت میں تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کی فارسی زبان میں شرح مرتب کی۔ اس شرح کا نام ''تیسیر القاری'' ہے۔ شیخ الاسلام کے بیٹے کا نام صاحبزادہ سلام اللہ ہے۔ آپ نے اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا۔ پہلے دلّی میں تھے پھر رام پور چلے آئے اور محدّث رام پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے مؤطا امام مالک کی شرح ''محلّی'' مرتب کی۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری اور شمائل ترمذی کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اصول حدیث پر عربی میں ایک کتابچہ لکھا۔ آپ کا انتقال ۱۲۲۹ھ میں ہوا۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے ایک ممتاز شاگرد خواجہ خاوند معین الدین ہیں جو خواجہ خاوند محمود کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ نے شیخ کی خدمت میں رہ کر تفسیر، حدیث اور علوم عقلیہ میں کمال حاصل کیا۔ ''کتاب رضوان'' آپ کی مشہور تالیف ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء: ص ۶۴۳ ھ)

شیخ محدّث دہلوی کے ایک اور معروف شاگرد ملا حیدر کشمیری ہیں۔ آپ نے ملا جوہر ناتھ محدّث اور باباقطب الدین سے کشمیر میں رہ کر استفادہ کیا۔ پھر دلی آ کر شیخ دہلوی کے حلقہ سے وابستہ ہو گئے اور تفسیر وحدیث اور فقہ واصول فقہ میں مہارت حاصل کی۔ دہلی سے واپس جا کر کشمیر میں آپ نے اپنا مرکز قائم کیا اور درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ۱۰۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (تاریخ علمائے ہند: ص ۵۴)

ملا حیدر کشمیری کے نامور شاگرد بابا داؤد مشکوٰتی ہیں۔ آپ کو مشکوٰۃ المصابیح کی ساری احادیث زبانی یاد تھیں اس لیے ''مشکوٰتی'' کہلائے۔ ۱۰۹۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے صاحبزادے شیخ نور الحق دہلوی کے مرکزِ حدیث کے ایک نامور فاضل میر سید مبارک محدّث بلگرامی ہیں۔ آپ نے شیخ کے گھر میں رہ کر اور ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر علم حدیث میں وہ کمال پیدا کیا کہ آزاد بلگرامی نے آپ کو قطب المحدّثین کا لقب دیا۔

۱۰۶۴ھ میں آپ نے سند فراغت حاصل کی اور ساری زندگی حدیث کی تدریس اور ترویج میں گزاری۔ مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے دعوت وتبلیغ کا کام بھی کیا۔ بڑے بڑے امراء اور حکام بھی آپ کے احترام میں خاموش رہتے تھے۔ ۱۱۱۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (مآثر الکرام: ج ۱، ص ۹۴)

میر سید تبارک کے شاگردوں میں میر عبدالجلیل بلگرامی کو علماء اور طلبہ کے ہاں شہرت حاصل ہوئی۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں آپ کی شہرت اور مقبولیت کا آغاز ہوا اور محمد شاہ کے دور تک مسلسل اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ بھکر (سندھ) میں رہتے ہوئے آپ نے صحیح بخاری کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے نقل کیا۔ ۱۱۳۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ میر عبدالجلیل بلگرامی کے آغوش تربیت میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے

پرورش پائی۔ آپ نے اپنے نانا عبدالجلیل بلگرامی سے حدیث وسیر میں بھرپور استفادہ کیا اور علومِ عقلیہ میں بھی کمال حاصل کیا۔

۱۱۵۱ھ میں آپ نے حجاز کا سفر کیا۔ اور مولانا حیات سندھی سے صحیح بخاری پورے اہتمام کے ساتھ پڑھی۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی اجازت بھی حاصل کی۔ آپ نے صحیح بخاری کی ایک ناتمام شرح ''ضوء الدراری'' کے نام سے تالیف کی۔ مولانا آزاد بلگرامی نے ۱۱۵۱ھ میں جب مدینہ منورہ کا سفر کیا اور صحیح بخاری کا درس لیا اور ساتھ ہی علامہ قسطلانی کی شرح ارشاد الساری نظر سے گذری تو روزانہ سبق کے برابر آپ قسطلانی کی تلخیص کرتے چلے گئے لیکن اس طرح آپ کتاب الزکوۃ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ (الحطۃ فی اخبار الصحاح الستۃ: ص۹۲ھ)

دورِ اکبری کے علمائے حدیث کی فہرست میں ایک اہم نام سید یاسین گجراتی کا ہے۔ سید یاسین گجراتی نے حجاز کے علماء اور اساتذہ سے حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا درس لیا۔ حجاز سے واپس آ کر آپ پنجاب میں رہے۔ پھر بنگال کی طرف سفر کیا۔ پھلواری شریف میں سندِ حدیث کا جو مخطوطہ موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ یاسین نے بہار میں اپنا مرکز قائم کیا تھا۔ اور یہیں رہ کر آپ نے حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے کام کیا۔ اس سند سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا یاسین گجراتی کے مرکزِ حدیث سے بہار کے ''حافظ الوقت'' مولانا شیخ عبدالرزاق نے بھی استفادہ کیا۔ ان سے ''شیخ الوقت'' مولانا عبدالنبی نے سند حاصل کی اور مولانا عبدالنبی سے ان کے بیٹے مولانا عبدالمقتدر محدّث نے اجازت لی۔ مولانا عبدالمقتدر سے ان کے بھتیجے محمد عتیق بن عبدالسمیع نے سند حاصل کی اور یہ سند پھلواری شریف میں محفوظ ہے۔

مولانا محمد عتیق بہاری کے شاگردوں شیخ محمد وجیہہ بن شیخ امان اللہ جعفری پھلواروی ہیں۔ انہی کو یہ سند دی گئی تھی۔ اس سند میں ان کتابوں کا بھی ذکر ہے جن کی اجازت شیخ نے اپنے شاگرد کو دی تھی۔ شیخ محمد وجیہہ کے شاگرد، ان کے صاحبزادے ملا وحید الحق محدّث پھلواروی ہیں۔ انہوں نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ علمِ حدیث کی ترویج کی۔ ملا وحید الحق محدّث کی اکثر تالیفات شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی تالیفات سے ماخوذ ہیں۔

② شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ)

شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی جو مجدّد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں سلسلہ مجدّدیہ کے بانی ہیں۔ آپ شوال ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ احمد سرہندی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر آپ سیالکوٹ اور وہاں سے کشمیر گئے اور ملا کمال الدین کشمیری (م ۱۰۱۷ھ) سے معقولات اور شیخ یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ) سے منقولات کی اہم کتابیں پڑھیں۔ شیخ یعقوب نے آپ کو صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح اور علامہ سیوطی کی ''الجامع الصغیر'' پڑھانے کی اجازت دی۔ اس کے علاوہ شیخ احمد نے قاضی بہلول بدخشی سے صحاح ستہ کی بعض روایات پڑھ کر اجازت حاصل کی۔ قاضی بدخشی، مکہ مکرمہ کے مشہور محدث عبدالرحمٰن بن فہد کے شاگرد تھے۔ ۱۰۰۷ھ میں شیخ نے خواجہ عبدالباقی نقشبندی کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے۔ شیخ احمد نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۰ صفر ۱۰۳۴ھ کو سرہند میں وفات پائی۔

شیخ احمد سرہندی حدیث کے متبحر عالم تھے۔ جس کا ثبوت آپ کے مکتوبات کے مطالعہ سے بھی ملتا ہے۔ شیخ احمد کا تعلق اگرچہ درس وتدریس کے ساتھ رہا لیکن آپ کا اصل کارنامہ تجدید اور اصلاح کے حوالہ سے ہے۔ آپ کے دور میں اکبری دربار پر ایسے علماء قبضہ کر چکے تھے جو بظاہر علماء تھے۔ لیکن ان کا میلان قرآن وسنت کی طرف نہیں تھا ان کی وجہ سے عوام کے عقائد میں نامناسب رسوم اور رواج داخل ہو گئے۔ بدعات اور خرافات میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ شیخ احمد سرہندی نے ان بدعات وخرافات کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر دیا۔ اور وعظ وتلقین، درس وتدریس اور رسائل ومکتوبات کے ذریعہ عوام کو صحیح اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ اس جہاد کے نتیجہ میں آپ کو حکومتِ وقت نے گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا۔ آپ دو سال تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے لیکن اپنا مشن اس حالت میں بھی جاری رکھا۔ شیخ احمد کی خدا پرستی، اسلام کی صداقت پر کامل ایمان اور پاکیزہ زندگی سے بالآخر جہانگیر اس حد تک متاثر ہوا کہ اس نے اپنے بیٹے شہزادہ خرم کو شیخ کے روحانی فیضان سے مستفید ہونے کی ترغیب دی۔ آخر کار شیخ احمد کے اس عظیم مقصد کو جس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی شہنشاہ جہانگیر نے تسلیم کر لیا۔ اور اپنے عہد کے مسلمانوں کی اصلاح کرنے کی کوششوں میں بھی

آپ برابر کامیاب ہوتے گئے۔ چنانچہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی اخلاقی اور روحانی زندگی درست کرنے کا راستہ اختیار کر لیا۔ شیخ مجدد نے اسلامی تعلیمات کی صحیح تاویل کر کے اور اپنی زندگی کو ایک بہترین عملی نمونہ بنا کر اسلام کو نہ صرف تفریق وانتشار سے بچالیا بلکہ شریعت اور طریقت میں وہ ربط وامتزاج بھی پیدا کر دیا جس کی بہت ضرورت تھی۔ شیخ مجدد کی کامیابی کا حقیقی راز یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں قرآن اور حدیث کے مطالعہ کو فروغ دینے پر بہت زور دیا۔ اور قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مبنی اصلاح وارشاد کا جو مبارک کام آپ نے شروع کیا تھا اسے آپ کی اولاد نے عرصۂ دراز تک جاری رکھا۔ ذیل میں ان چند حضرات کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے جنہوں نے شیخ احمد سرہندی کے بعد ان کے سلسلہ کو جاری رکھا۔

خود آزمائی ①

۱) شیخ علی متقی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ ان کی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیجئے۔

۲) شیخ عبدالوہاب متقی کس دور کے محدّث ہیں۔ ان کے اساتذہ اور تلامذہ کے بارے میں بتا دیجئے۔

۳) ملا علی قاری نے کن کن مراکز حدیث سے استفادہ کیا؟ ان کی اہم تالیفات پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔

۴) شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کو برصغیر میں کس لحاظ سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ علومِ دینیہ کی اشاعت کے ضمن میں ان کے کردار پر بحث کریں۔

۵) شیخ احمد سرہندی کا بنیادی تعلق تصوف سے تھا۔ انہیں محدّثین کی جماعت میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

2.1 شیخ سعید بن شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۷۰ھ)

شیخ سعید کا لقب ''خازنِ رحمت'' تھا۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم اپنے والد اور شیخ عبدالرحمٰن رومی سے حاصل کی تھی۔ جب شیخ مجدد بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تو ان کی خانقاہ میں شیخ سعید حدیث اور دوسرے علوم کا درس دینے لگے اور انہوں نے یہ سلسلہ ۱۰۳۴ھ تک جاری رکھا۔ ۱۰۳۴ھ میں چونکہ آپ حرمین چلے گئے اس لیے درس وتدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۱۰۶۹ھ میں شیخ سعید سرہند واپس آئے اور ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔

2.2 فرخ شاہ بن شیخ سعید (م ۱۱۱۲ھ)

فرخ شاہ اپنے دور کے بہت بڑے محدّث تھے۔ انہوں نے ستر ہزار احادیث زبانی یاد کر لی تھیں۔ اس لیے ''حافظ'' کے لقب سے مشہور ہوئے تھے۔ آپ نے جن احادیث کو زبانی یاد کیا تھا ان کی اسناد بھی آپ کو یاد تھیں۔

2.3 سراج احمد مجدّدی (۱۱۷۶ھ)

سراج احمد بن مرشد بن راشد بن فرخ شاہ ۱۱۷۶ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۷۷ھ میں سکھوں نے سرہند کو تیسری مرتبہ ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور سراج احمد کے والد شیخ مرشد (م ۱۲۰۱ھ) اپنے خاندان سمیت وطن چھوڑ کر رام پور چلے گئے۔ سراج احمد نے حدیث کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی جو بہت بڑے عالم اور محدّث تھے۔ سراج احمد نے ۱۲۳۰ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ ان کی لاش رام پور لائی گئی جہاں اپنے والد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

سراج احمد نے صحیح مسلم کا فارسی ترجمہ کیا۔ اس ترجمے میں آپ نے تشریحی نوٹ بھی درج کیے ہیں۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ رام پور کی سرکاری لائبریری میں محفوظ ہے۔

شیخ سراج نے جامع ترمذی کی شرح فارسی زبان میں مرتب کی۔ یہ شرح اگرچہ مختصر ہے لیکن جامع ہے۔ نظامی پریس دہلی نے اسے مجموعہ شروح اربعہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ سراج احمد نے ذوالحج ۱۲۲۰ھ میں اس شرح کا آغاز کیا تھا اور ذوالحج ۱۲۲۲ھ میں اس کو مکمل کیا تھا۔ شیخ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب لکھتے وقت جامع ترمذی کی کوئی شرح یا ترجمہ ان کے پیش نظر نہ تھا کہ وہ اس سے استفادہ کر سکتے۔ گویا کہ یہ تصنیف ان کی ذاتی محنت اور علم حدیث میں تبحر اور مہارت کا نتیجہ ہے۔ اس شرح کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ شیخ سراج احمد ایسی کئی احادیث کی اسناد تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جن کے متعلق امام ترمذی نے اپنی جامع میں صرف اتنا حوالہ دیا تھا کہ: وفی الباب عن فلان، وفیہ فلان ...... اس کے علاوہ مؤلف نے غیر مانوس ناموں اور نسبتوں کا صحیح تلفظ بھی درج کیا ہے جو جامع ترمذی میں پائے جاتے ہیں۔ شیخ سراج احمد نے ''رسالہ در ذکر طعام وشراب'' کے نام سے بھی ایک کتابچہ مرتب کیا۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے اس میں کھانے پینے کے آداب اور ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو احادیث کے مطابق آپ ﷺ تناول فرماتے تھے۔

2.4 شیخ معصوم بن شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۸۰ھ)

شیخ معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے صاحبزادے تھے اور شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر (م ۱۱۱۹ھ) کے عہد میں آپ کو روحانی پیشوا کا مرتبہ حاصل تھا۔ شیخ معصوم کو علم حدیث پر کافی عبور حاصل تھا۔ جب آپ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے حرمین گئے تو وہاں کے شیوخ اور اساتذہ کی خدمت میں رہ کر آپ نے مصادر حدیث کا درس لیا اور واپس آتے ہوئے سند حاصل کی۔

2.5 خواجہ سیف الدین سرہندی (م ۱۰۹۸ھ)

خواجہ سیف الدین، شیخ معصوم کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کر دی تھی اور اپنی خدمات کے صلہ میں ''محی السنۃ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ شیخ معصوم نے اورنگزیب عالمگیر کو ہدایت کی تھی کہ خواجہ سیف الدین کے ساتھ تعلق رکھیں اور ان کے حلقہ کے ساتھ وابستہ رہیں۔ خواجہ سیف الدین نے ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی۔

2.6 خواجہ اعظم بن سیف الدین سرہندی (م ۱۱۱۴ھ)

خواجہ اعظم ایک ممتاز محدّث تھے اور ان کا زمانہ اورنگزیب عالمگیر کا عہدِ حکومت (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۹ھ) تھا۔ آپ نے اپنے والد سیف الدین اور چچا فرخ شاہ (م ۱۱۱۲ھ) سے حدیث کے مصادر اور بنیادی کتب پورے اہتمام کے ساتھ پڑھیں۔ ۱۱۱۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور سرہند میں اپنے والد کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح مرتب کی اور اس کا نام ''فیض الباری'' رکھا۔

2.7 شاہ ابوسعید بن صفی القدر مجدّدی (م ۱۲۵۰ھ)

شاہ ابوسعید، خواجہ سیف الدین کے پرپوتے اور شاہ عبدالغنی مجددی (م ۱۲۹۶ھ) کے والد تھے۔ آپ ۱۱۹۶ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا شیخ سراج احمد اور شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۴۹ھ) اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور مرزا مظہر جانِ جاناں (م ۱۱۹۵ھ) کے سلسلۂ طریقت میں اپنے مرشد شیخ غلام علی کے جانشین ہوئے۔ شاہ ابوسعید نے زندگی بھر اصلاح وارشاد اور تعلیم وتدریس کا کام کیا۔ شوال ۱۲۵۰ھ میں حرمین شریفین سے واپسی کے بعد ٹونک میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور دہلی میں مرزا مظہر جان جاناں کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔

2.8 شاہ عبدالغنی بن ابوسعید مجدّدی (۱۲۹۶ھ)

شاہ عبدالغنی مجددی علمِ حدیث میں دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) کے استاد تھے۔ آپ نے حدیث کی چھ مشہور کتابیں (صحاح ستہ) اپنے والد شاہ ابوسعید سے پڑھیں۔ عبدالغنی مجددی نے صحیح بخاری کا کچھ حصہ شاہ اسحٰق دہلوی سے بھی پڑھا تھا۔ ۱۲۴۹ھ میں شاہ عبدالغنی اپنے والد کے ہمراہ حجاز گئے اور وہاں شیخ عابد سندھی سے صحاح ستہ پڑھانے کی اجازت حاصل کی۔ ۱۸۵۷ھ کی جنگِ آزادی کے دوران میں جب حالات پیچیدہ ہو گئے تو شاہ عبدالغنی ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں آخر وقت تک طلبہ کو حدیث

کا درس دیتے رہے۔ آپ کے حلقۂ درس میں طلبہ کی بہت بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔ محرم ۱۲۹۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ شاہ عبدالغنی مجددی نے سنن ابن ماجہ کی شرح مرتب کی جس کا نام آپ نے ''انجاح الحاجۃ فی شرح ابن ماجۃ'' رکھا۔ یہ شرح اگرچہ مختصر ہے لیکن سنن ابن ماجہ کا مطالعہ کرنے والے طلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔ علمی پریس دہلی نے سنن ابن ماجہ کے حاشیہ پر اسے طبع کیا ہے۔

شیخ مجدد الف ثانی کے تلامذہ اور اولاد کے علاوہ اس دور میں جن محدثین کو مقبولیت حاصل ہوئی اور جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت کے لیے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ ان میں سے چند اہم اور نمایاں حیثیت رکھنے والے حضرات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

③ محمد صدیق بن شریف (م ۱۰۴۰ھ)

محمد صدیق اپنے دور کے ممتاز محدّث تھے۔ آپ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا۔ آپ نے ''مشکوۃ المصابیح'' کی ایک شرح مرتب کی اور اس کا نام ''نجوم المشکوۃ'' رکھا۔ اس شرح میں آپ نے روایات پر مناسب تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ خاص کر احکام سے متعلق روایات پر زیادہ توجہ دی ہے۔ ۱۰۳۲ھ کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔

3.1 شیخ حسین الحسینی ہروی (م ۱۰۴۵ھ)

شیخ حسین گیارہویں صدی ہجری کے وسط تک بقید حیات تھے۔ آپ نے فارسی زبان میں ''شمائل النبی ﷺ'' کی شرحیں لکھیں جن میں سے ایک کا نام ''شرح الشمائل'' ہے۔ یہ شرح آپ نے شہزادہ سلیم کے لیے لکھی تھی۔ دوسری شرح جس کا نام ''نظم الشمائل'' ہے شہزادہ مراد بن جلال الدین اکبر کے لیے آپ نے مرتب کی تھی۔

3.2 سید جعفر بدرِ عالم (م ۱۰۸۵ھ)

جعفر بن بلال بن محمد حسینی بخاری جو بدر عالم کے لقب سے زیادہ معروف ہیں اچھ کے مشہور ولی مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری (م ۷۸۵ھ) کی اولاد میں تھے۔ سید جعفر کے والد سید جلال مقصودِ عالم جن کو شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں چھ ہزار سوار کا منصب حاصل تھا، اسلامی علوم کے ایک ممتاز عالم تھے۔ سید جعفر شعبان ۱۰۲۳ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد سے استفادہ کیا اور ایک قابل عالم بن گئے۔ آپ کا رجحان چونکہ تفسیر اور حدیث کی طرف تھا اس لیے آپ نے تفسیر وحدیث کے مصادر اور شروح کا بالالتزام مطالعہ کیا اور میدان میں مہارت حاصل کی۔ قلمی نسخوں کی نقلیں آپ خود لکھا کرتے تھے اور اتنی تیز رفتاری سے لکھتے

تھے کہ دن میں بیسیوں صفحات لکھ لیتے تھے۔ شہنشاہ جہانگیر نے آپ کو صوبہ دار بنانے کی پیشکش کی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ ۱۰۸۵ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور احمد آباد میں اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ آپ نے ''الفرید الطاری'' کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ''الروضۃ'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جو چوبیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اولیاء کرام، مفسرین اور محدثین کے حالات جمع کئے ہیں اور ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

3.3 محبوب عالم بن جعفر بدرِ عالم (م ۱۱۱۱ھ)

ابوالمجد محبوب عالم ۲۰ ربیع الاول ۱۰۴۷ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد جعفر بدر عالم اور گجرات کے دوسرے شیوخ واساتذہ سے استفادہ کیا۔ اپنے دور کے جتنے بھی ممتاز علماء اور محدثین تھے ان کی خدمت میں رہے اور ان سے کسب فیض کیا۔ آپ نے مشکوۃ المصابیح کی شرح لکھی جس کا نام ''زینۃ النکات'' رکھا۔ اس شرح میں آپ نے فقہی مذاہب کے مستدلات جمع کئے۔ اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی دو تفسیریں لکھیں ایک عربی میں اور دوسری فارسی میں۔ آپ نے اپنی فارسی تفسیر میں ایسی احادیث جمع کی ہیں جن کے رواۃ اہل بیت ہیں۔ ۱۱۱۱ھ کو آپ نے احمد آباد میں وفات پائی۔

3.4 شیخ یعقوب بنانی لاہوری (م ۱۰۹۸ھ)

شیخ یعقوب لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شہرت ابو یوسف کی نسبت سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ آپ کا میلان چونکہ بیک وقت منقولات اور معقولات کی طرف تھا اس لیے تفسیر وحدیث اور منطق وفلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ دہلی کے مدرسہ شاہجہان میں آپ مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ شاہ جہاں کے عہدِ حکومت میں آپ کو ''میر عادل'' کا منصب دیا گیا جو آپ نے قبول کیا۔ اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں آپ کو ترقی دی گئی اور ''ناظر محاکم'' کا منصب عطا کیا گیا۔ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ آپ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ''الخیر الجاری'' کے نام سے

مرتب کی۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم کی شرح ''المعلم'' کے نام سے لکھی اور موطا امام مالک کی شرح ''المصلی'' کے نام سے ترتیب دی۔ ۱۰۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور دہلی میں دفن کئے گئے۔

3.5 مولانا نعیم بن محمد فیض اودھی جونپوری (م ۱۱۲۰ھ)

مولانا نعیم کے دادا پیر حضرت سالار مسعود غازی کے ہمراہ اودھ آئے تھے۔ نعیم کے والد نے بدوسرائے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اودھ کے مفتی بنا دیئے گئے تھے۔ نعیم اپنے دور کے مشہور عالم اور مصنف عبدالرشید جونپوری کے شاگرد تھے۔ آپ نے سو برس سے زیادہ کی عمر پائی اور صفر ۱۱۲۰ھ میں انتقال کر گئے۔ جونپور میں دفن کر دیئے گئے۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح لکھی۔

3.6 شیخ محمد اکرم بن عبدالرحمٰن حنفی (م ۱۱۳۰ھ)

شیخ محمد اکرم سندھ میں نصیر پور کے رہنے والے تھے۔ آپ اپنے دور کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی وابستہ رہے۔ آپ نے ''نخبۃ الفکر'' کی شرح ''امعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر'' کے نام سے مرتب کی۔ اس کا مخطوطہ فرنگی محل، لکھنؤ میں مولانا عبدالحئی مرحوم کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

3.7 شیخ یحییٰ بن امین الہ آبادی (م ۱۱۴۴ھ)

شیخ یحییٰ نے اپنے چچا شیخ افضل بن عبدالرحمٰن الہ آبادی (م ۱۱۴۴ھ) سے استفادہ کیا۔ آپ نے اپنے دور کے مشہور محدثین اور علماء کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا۔ اور اپنا مستقل حلقہ قائم کیا۔ آپ کے حلقۂ درس میں سے طلبہ کی بہت بڑی تعداد مستفید ہوئی۔ جمادی الاول ۱۱۴۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے ثلاثیات بخاری کی شرح ''اعانۃ القاری فی شرح ثلاثیات البخاری'' کے نام سے مرتب کی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تالیفات بھی آپ سے یادگار ہیں۔

۱- اربعین

۲-تذکرۃ الاصحاب

۳-ماخذ الاعتقاد فی شان الصحابۃ واہل البیت

۴-شرح حدیث صلاۃ التسبیح

۵-ترجمہ وظائف النبی ﷺ

3.8 شاہ محمد فاخر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ)

شاہ محمد فاخر شاہ یحییٰ الہ آبادی کے بیٹے ہیں۔ آپ شاعر تھے اور "زائرؔ" آپ کا تخلص تھا۔ اپنے دور کے بہت بڑے محدّث تھے۔ آپ مدینہ منورہ میں شیخ حیات سندھی کے مرکزِ حدیث سے وابستہ رہے۔ پہلی بار ۱۱۵۰ھ اور اس کے بعد ۱۱۵۶ھ سے ۱۱۵۸ھ تک مسلسل شیخ محمد حیات سندھی کی خدمت میں رہے۔ ۱۱۵۹ھ میں آپ الہ آباد واپس آئے اور اگلے سال ایک کشتی میں براستۂ عظیم آباد (پٹنہ) ومرشد آباد ہگلی پہنچے جہاں سے آپ حجاز جانے والے ایک جہاز میں سوار ہوئے لیکن خلیج بنگال میں زبردست طوفان آ گیا جس کی وجہ سے ۱۱۶۱ھ میں یہ جہاز چٹا گانگ کے ساحل سے جا لگا۔ یہاں آپ نے چار ماہ قیام کیا اور پھر وطن واپس آ گئے۔ شعبان ۱۱۶۴ھ میں آپ نے پھر حجاز جانے کا ارادہ کیا۔ حالتِ سفر میں تھے کہ بیمار ہو گئے اور ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ کو برہان پور میں وفات پائی۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) سے آپ کے گہرے مراسم تھے اور علامہ آزاد بلگرامی بھی آپ کے ہم مکتب تھے۔ آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تالیف کیں۔

۱-قرۃ العین فی اثبات رفع الیدین

۲-رسالۃ نجاتیہ در عقائد حدیثیہ

اس رسالہ کے ایک نسخہ مولانا عبداللہ دیناج پوری کی خاندانی لائبریری میں محفوظ ہے یہ فارسی میں ہے اور شاہ محمد فاخر نے ۱۱۶۱ھ میں چٹا گانگ میں اپنے مختصر قیام کے دوران اسے مرتب کیا تھا۔ اس میں احادیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کی وضاحت کی گئی ہے۔

۳-نظم عبارت سفر السعادۃ

۴-مثنوی در تعریف علم حدیث

3.9 مولانا امین الدین بن محمود عمری حنفی جونپوری (م ۱۱۴۵ھ)

مولانا امین الدین جونپور میں پیدا ہوئے اور وہیں مولانا ارشد بن عبدالرشید جونپوری سے تعلیم حاصل کی۔ آپ بہت ماہر اور باکمال مدرس تھے۔ اور نہ صرف حدیث، بلکہ اقلیدس، ریاضی، اصطرلاب اور قانون وراثت جیسے مختلف علوم پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب ''اشعۃ اللمعات'' کا اختصار کیا۔ ۱۱۴۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

3.10 مولانا نورالدین بن صالح احمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ)

مولانا نور الدین، احمد آباد کے مشہور و معروف شیخ، استاذ اور کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ نے تقریباً ۱۵۰ کتابیں لکھیں جو زیادہ تر شروح اور حواشی پر مشتمل ہیں۔ علم حدیث میں آپ شیخ محبوب عالم (م ۱۱۱۱ھ) کے شاگرد تھے۔ اور ۱۱۴۳ھ میں جب حج کے لیے مکہ معظمہ گئے تھے تو وہاں کے محدثین سے بھی حدیث کا درس لیا تھا۔ احمد آباد میں آپ کا مدرسہ ہدایت بخش کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مدرسہ ایک شاندار عمارت میں قائم کیا گیا تھا جو شیخ نور الدین کے ایک شاگرد نواب اکرام الدین صدر گجرات نے سوا لاکھ روپے کی خطیر رقم صرف کر کے تعمیر کرایا تھا۔ اور یہ بہت بڑا تعلیمی مرکز بن گیا تھا۔ شیخ نور الدین کے اسی مرکز سے طلبہ کی بہت بڑی تعداد مستفید ہوئی۔ اس مرکز میں علوم نقلیہ (تفسیر و حدیث وفقہ) اور علم عقلیہ (منطق، ریاضی، فلسفہ) دونوں پڑھائے جاتے تھے۔ اور بہت منظم انداز میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ مولانا نور الدین آخری عمر تک اپنے مدرسہ سے وابستہ رہے۔ ۱۱۵۵ھ کو ۹۱ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور احمد آباد میں اپنے مدرسے کی عمارت میں مدفون ہوئے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ''نور القاری'' کے نام سے تالیف کی جسے طلبہ اور علماء کے حلقوں میں پذیرائی اور مقبولیت ملی۔

3.11 مرزا محمد بن رستم بدخشی (م ۱۱۹۵ھ)

محمد بن رستم بن قباد حارثی، بدخشی ۲۱ جمادی الاول ۱۰۹۸ھ کو جلال آباد (افغانستان) میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد مرزا رستم، جن کو معتمد خان کا لقب عطا کیا گیا تھا، اورنگ زیب عالمگیر کی ملازمت میں داخل ہوئے تھے اور ۱۱۱۷ھ میں دکن کی جنگ میں مارے گئے۔ صرف پندرہ سال کی عمر میں آپ نے ''رسالہ رد البدعۃ وعقائد اہل السنۃ'' لکھا اور اسی رسالہ کی وجہ سے روح اللہ خان نے ۱۱۱۵ھ میں آپ کو اورنگ زیب عالم گیر سے متعارف کرایا۔ اورنگزیب نے مرزا محمد کو شش صدی منصب عطا کیا۔ آپ نے اپنے آپ کو تصنیف وتالیف کے ساتھ وابستہ رکھا اور مندرجہ ذیل کتابیں یادگار چھوڑیں:

۱- مفتاح النجاح فی مناقب العباد: یہ کتاب فضائل اہل بیت کے باری میں ہے جو زیادہ تر احادیث وروایات پر مشتمل ہے اور اس میں اہل بیت کی ولادت ووفات اور زندگی کے اہم واقعات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر ایک باب کو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ رمضان ۱۱۲۳ھ میں مرزا محمد نے اسے لکھنا شروع کیا اور ۱۷ محرم ۱۱۲۴ھ کو اسے لاہور میں مکمل کرلیا۔

۲- تراجم الحفاظ: یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اس میں ممتاز محدثین کے حالات زندگی قلم بند کئے گئے ہیں۔ اور ان کو حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب امام سمعانی کی ''کتاب الأنساب'' پر مبنی ہے اور دہلی میں قیام کے دوران لکھی گئی ہے۔

۳- نزول الأبرار بما صح من مناقب أهل البيت الاطهار: یہ احادیث کا مجموعہ ہے جن سے آل رسول ﷺ کے اوصاف کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ مؤلف نے امیر الامراء حسین علی خان الحسینی بارہوی کے لیے لکھا تھا۔

۴- تحفة المحبين فی مناقب الخلفاء الراشدين: یہ رسالہ چاروں خلفاء راشدین کے مناقب وفضائل پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے ان روایات کو جمع کیا ہے جن سے خلفاء راشدین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ مؤلف نے دو اہم کتابیں تالیف کیں۔ ایک کا نام ''تاریخ محمدی'' ہے اور دوسری کا نام ''عبرت نامہ'' ہے۔ مرزا محمد نے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

3.12 مرزا جان برکی (م ۱۱۰۰ھ)

اوحد الدین مرزا جان برکی، جالندھری، مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر کے رہنے والے تھے۔ آپ گیارہویں صدی ہجری کے ممتاز محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے دور کے اہم مراکز حدیث سے استفادہ کیا اور حدیث وسیرت کے اہم اور بنیادی مصادر کا پورے التزام اور اہتمام کے ساتھ مطالعہ کیا۔ سیرت نبوی ﷺ پر آپ نے ''نظر الدرر والمرجان'' کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ بہت اہم اور جامع تالیف ہے اس میں آپ ﷺ کے حالات، معجزات، حقوق اور امتیازی اوصاف احادیث وروایات کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔ سید علیم اللہ جالندھری (م ۱۲۰۲ھ) نے ''نثر الجواہر'' کے نام سے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔

3.13 محمد صادق لاہوری (م ۱۱۹۳ھ)

مولانا محمد صادق نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں شیخ یحییٰ بن صالح المکی اور ابوالحسن سندھی سے حدیث کے مصادر کا درس لیا۔ شیخ ابوالحسن نے ۱۱۷۰ھ میں آپ کو سند عطا کی۔ شیخ محمد صادق کا تعلق افغانستان سے تھا۔ آپ کے والد لاہور آئے تھے۔ اور یہاں مسجد وزیر خان کے امام مقرر ہوئے تھے۔ آپ کا انتقال ۱۱۹۳ھ میں ہوا۔ آپ نے ''ازالۃ الفسادات فی شرح مناقب السادات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب دراصل دولت آبادی کی تالیف ''مناقب السادات'' کی شرح ہے۔ مؤلف نے اس کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

مدراس اور اور کرناٹک کا علاقہ اسلامی جھنڈے کے تحت بہت دیر سے آیا یعنی عالمگیر کے عہد میں۔ تاہم اس کا ساحلی حصہ مدتِ دراز سے عرب تاجروں کا جولانگاہ تھا۔ مالیبار میں ان کی بڑی آبادی تھی، مصر اور عرب سے ان کے براہِ راست بحری تعلقات تھے اس بنا پر یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں علم حدیث مصر اور عرب کے راستے سے براہِ راست داخل ہوا ہوگا۔ لیکن چونکہ اس علاقہ کی کوئی تفصیلی تاریخ موجود نہیں اس لیے کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ بہر حال اورنگزیب عالمگیر کے بعد بارہویں صدی ہجری کے وسط میں جب نظام دکن کی سلکی وسعت کے اندر کرناٹک کا علاقہ آیا اور ارکاٹ میں ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اہل علم نے بھی

ادھر کا رخ کیا۔ اس عہد کے علماء میں شیخ محمد اسعد حنفی مکی قابل ذکر ہیں۔ شیخ موصوف، شیخ تاج الدین مکی کے شاگرد تھے۔ شیخ عبداللہ بن سالم مصری نے ''ضیاء الساری'' کے نام سے صحیح بخاری کے جو شرح لکھی تھی اس کا اصل نسخہ شیخ اسعد نے ان کے بیٹے سے خرید لیا تھا اور اس کو لے کر وہ مدراس میں آ گئے تھے۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے ارکاٹ میں وہ نسخہ ان کے پاس دیکھا تھا۔ اس گرانقدر نسخہ کو ہندوستان لے آنے پر علامہ آزاد نے شیخ اسعد کو ملامت کیا اور کہا کہ اس گرانقدر خزانہ کو اسلامی مرکز سے اتنی دور سفر میں لے آنا مناسب نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ میری محبت نے گوارانہ کیا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بھی اس کو اپنے سے جدا رکھوں۔ یہ وہ دور تھا جب نظام الدولہ ناصر جنگ (والی حیدر آباد دکن) اور فوج کے افغانوں کے درمیان کشمکش جاری تھی۔ اور ارکاٹ میں فتنوں کا طوفان برپا تھا۔ اس بنا پر شیخ نے ''ضیاء الساری'' کا یہ نسخہ اورنگ آباد دکن میں بھجوا دیا اور وہ خود ناصر جنگ کی شہادت کے بعد مظفر جنگ کے ساتھ ۱۱۶۶ھ میں شہید ہوئے۔ میر آزاد لکھتے ہیں کہ وہ نسخہ اس وقت تک اورنگ آباد میں محفوظ ہے۔ (الحطۃ فی اخبار الصحاح الستۃ: ص ۹۸)

خود آزمائی ②

۱) شیخ سعید، فرخ شاہ اور سراج احمد مجددی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجئے۔

۲) شیخ معصوم اور خواجہ سیف الدین کی علمی خدمات کا جائزہ لیجئے۔

۳) شاہ ابو سعید مجددی اور شاہ عبدالغنی مجددی کی شہرت اور مقبولیت کے عوامل کی نشاندہی کیجئے۔

۴) شیخ محمد صدیق، شیخ حسین ہروی اور شیخ جعفر بدر عالم کی حیات وخدمات پر ایک نوٹ قلمبند کیجئے۔

۵) شاہ محمد فاخر الہ آبادی، مولانا امین جونپوری اور مرزا محمد بدخشی کے اساتذہ اور تلامذہ پر ایک شذرہ تحریر کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱- اخبار للاخیار مؤلف عبدالحق دہلوی

۲- نزہۃ الخواطر از عبدالحیٔ حسنی

۳- مآثر الکرام از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی

۴- تذکرہ علماء ہند از رحمان علی

۵- سیر الاولیاء مؤلف امیر خورد

۶- فوائد الفواد اردو ترجمہ: غلام احمد

۷- تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی

۸- تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ

۹- طبقات ناصری از منہاج السراج

۱۰- ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان

۱۱- الحطۃ فی ذکر صحاح ستہ از نواب صدیق خان

۱۲- معارف العوارف از عبدالحیٔ حسن

۱۳- خزینۃ الاصفیاء از علام سرور

۱۴- یاد ایام از عبدالحیٔ حسنی

۱۵- عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز

۱۶- تراجم علمائے حدیث ہند از امام خان نوشہروی

۱۷- حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی

۱۸- مقدمہ اوجز المسالک از مولانا محمد زکریا کاندہلوی

۱۹- نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی

۲۰- منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی

۲۱- عرب و ہند کے تعلقات از سید سلمان ندوی

۲۲- عربوں کی جہاز رانی از سید سلمان ندوی

۲۳- حیات شبلی از سید سلمان ندوی

۲۴- ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی



یونٹ نمبر 13

برِّصغیر میں علم حدیث 4

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ''برصغیر میں علم حدیث'' سے ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ علم حدیث کی ترویج واشاعت کے مراحل ان کے ذہن میں ہوں۔ اور جن جن حضرات نے اس مجال میں خدمات انجام دی ہیں ان کے علمی، عملی، تدریسی اور تالیفی آثار سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔ اس یونٹ میں پوری ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کا کام کیسے شروع ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر ہندوستان کے مختلف خطوں اور گوشوں میں اس کو پہنچنے کا موقع ملا۔ ان تالیفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ہندوستان میں رائج اور متداول رہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے ضمن میں جو مواد ہمارے لٹریچر میں موجود ہے وہ مختلف کتابوں میں منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر میں چونکہ علمی زبان ایک عرصہ تک فارسی رہی ہے اس لیے بیشتر علمی، ادبی اور تالیفی کام فارسی میں ہوا۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ فارسی زبان کی تالیفات اور آثار یا تو لائبریریوں کی زینت ہیں اور یا نمائشی مقاصد کے لئے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ اب ہر فن اور مجال کے طلبہ ان خدمات اور مساعی سے ناواقف ہیں جو برصغیر کے علماء اور اساتذہ نے مختلف علوم وفنون کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں انجام دی ہیں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی اور اساسی مواد جہاں کہیں بھی ملے سلیس اور عام فہم زبان میں مرتب اور منضبط اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے اس کردار پر بحث کرسکیں جو انہوں نے علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے ادا کیا۔
- شاہ ولی اللہ کی تالیفات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال سکیں۔
- شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی تالیفات پر تبصرہ کرسکیں۔
- شاہ اسحٰق دہلوی، مولانا مظہر نانوتوی اور مولانا احمد علی سہارنپوری کی جدوجہد اور علم حدیث کے مجال میں ان کی مساعی کی نشاندہی کرسکیں
- شاہ عبدالغنی مجدّدی، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا نذیر حسین بہاری کے مراکز حدیث پر ایک جامع نوٹ قلمبند کرسکیں۔
- فرنگی محل اور علم حدیث کے موضوع پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کرسکیں۔

① برصغیر میں علمِ حدیث

1.1 شاہ ولی اللہ

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا وجود ایسے حالات میں نمایاں ہوا جب سلطنتِ مغلیہ آخری ہچکیاں لے رہی تھی۔ مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا۔ نام نہاد فقراء اور مشائخ جا بجا اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں کو ذریعۂ روزگار بنائے بیٹھے تھے۔ مدارس میں منطق، فلسفہ، حکمت اور معقولات کا زور تھا۔ فقہ کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں لیکن ان کے فہم پر توجہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ عوام تو عوام خواص تک قرآنی آیات کی تلاوت اور احادیث کی عبارت محض تبرک کے لیے پڑھتے تھے۔ آیات اور روایات کے معانی و مطالب سے علماء کو سروکار نہ تھا۔ شاہ ولی اللہ نے امتِ مسلمہ کو ان کا بھولا ہوا راستہ یاد دلایا اور انہیں بتایا کہ ان کو صحیح ہدایت اور رہنمائی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ملے گی۔ معقولات کی کتابوں سے نہیں۔ شاہ ولی اللہ کا اصل نام احمد بن عبدالرحیم ہے۔ آپ عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ اورنگزیب عالمگیر کی وفات سے چار سال پہلے بروز ہفتہ، بتاریخ ۱۴ شوال ۱۱۱۴ھ کو دہلی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ شاہ ولی اللہ نے جب اپنے دور کے مروجہ نصاب کی تکمیل کی تو آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح، شمائل النبیؐ اور صحیح بخاری کے ایک حصہ کا درس مولانا افضل سیالکوٹی (م ۱۱۴۶ھ) اور اپنے والد شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) سے لیا جو فتاوی عالمگیری کے مرتبین میں شامل تھے۔ ۱۱۴۳ھ میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں چودہ ماہ تک مقیم رہے۔ حرمین میں آپ نے ابوطاہر بن ابراہیم کردی شافعی (م ۱۱۴۵ھ) سے صحاحِ ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور حصن حصین کا اور شیخ وفد اللہ المالکی المکی سے مؤطا امام مالک کا درس لیا۔ اس کے علاوہ تاج الدین المکی اور شیخ عمر بن احمد المکی سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ ۱۱۴۶ھ کو آپ واپس دہلی آئے اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ طلبہ کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا اس لیے کچھ عرصہ کے بعد یہ جماعت ایک وسیع عمارت میں منتقل کر دی گئی جو محمد شاہ (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ) نے اس مقصد کے لیے دی تھی۔ یہاں مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کی تعلیم تقریباً پچیس سال تک دیتے رہے۔ آپ کے درس دینے کا

طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے طلبہ سے گزشتہ دن کا سبق سنتے تھے اور اس کے بارے میں طلبہ سے مختلف سوالات کرتے تھے۔ اس کے بعد نئے موضوع سے متعلق گفتگو فرماتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جو بھی موضوع ہو اس پر تفصیل کے ساتھ بحث وتمحیص ہو جائے۔ مسائل فقہیہ پر بحث کرتے وقت آپ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان پر مذاہب اربعہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہو اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی بجائے کم سے کم کر کے دکھائیں۔ خاص کر ایسے اختلافات کو جو احناف اور شوافع کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ اس مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ ایسے تمام فقہی مسائل کے صرف ان پہلوؤں پر بہت زور دیتے اور ان کا تجزیہ کرتے تھے جن میں اتفاق رائے پایا جاتا تھا اور کسی ایک مسلک کو دوسرے پر فوقیت نہ دیتے تھے۔ یہ ایک ایسا طریقۂ تعلیم تھا جس سے نوجوان طلبہ میں وسیع النظری پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی تھی اور ان کے دل میں چاروں ائمہ اجتہاد اور ان کے مسالک کے بارے میں احترام ورواداری کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے امّت مسلمہ کی دینی اور فکری راہنمائی کے لیے بہت کچھ کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اپنی ساری صلاحیتوں کو اس مقصد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ذیل میں آپ کی خدمات کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ طلبہ کو چاہئے کہ وہ یونٹ کے اس حصہ کو خاص طور پر ذہن میں رکھیں۔

ا) مغلیہ دربار پر شہنشاہ ہمایوں سے لے کر اب تک ایسے علماء کا قبضہ تھا جن کا تعلق اہل سنت والجماعت سے نہیں تھا۔ دربار میں ایرانی امراء کی کثرت ہمیشہ رہی اور اس کا اثر نیچے درجہ تک درجہ بدرجہ نمایاں تھا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کے عہد میں تو لکھنؤ کی نوابی کے سبب سے مسلمانوں پر اور زیادہ اثر پڑ رہا تھا۔ علماء اہل سنت میں اس اثر کو روکنے کی ہمت اور جرأت نہ تھی۔ شیخ مجدد الف ثانی جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تھے ان کے مکتوبات سے اس دور کی صورت حال ظاہر ہو رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے نہایت تحقیق، کدوکاوش اور نہایت سنجیدگی اور متانت سے اس کام کو انجام دیا۔ اور ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' جیسی عالمانہ اور محدثانہ کتاب تالیف کی جس میں سینکڑوں، ہزاروں حدیثوں سے خلفاء راشدین کے مناقب وفضائل کے وہ رموز ونکات کھولے جواب تک نہیں کھلے تھے۔

۲) عقائد وکلام سے متعلق بے سر وپا جزئیات وتفصیلات کا جن پر اب تک علم دین کا گویا مدار سمجھا جاتا تھا بھرم کھول کر رکھ دیا اور ان کے مقابلہ میں کتاب وسنت کے اسرار ومصالح منظر عام پر لائے اور ہندوستان کے علماء کو ان کی سات سو برس کی غلط تاویلات پر متنبہ کیا۔

۳) قرآن مجید، جو دین اسلام کا بنیادی ماخذ اور مرکز ومحور ہے اور جو ہندوستان میں اب تک صرف تبرکاً تلاوت کے لیے مخصوص تھا۔ اس کے فہم وتعلیم کی طرف لوگوں کو دعوت دی، تفسیر کے اصول لکھے۔ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ قرآن پاک کے درس کا حلقہ قائم کیا اور اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی کتاب بنایا۔

۴) عربی زبان کی واقفیت، قرآن وحدیث کے سمجھنے میں عام لوگوں کے لیے رکاوٹ تھی۔ اس کو دور کرنے کے لیے اپنے دور کی علمی زبان فارسی میں جہاں قرآن مجید کا ترجمہ کیا وہاں مؤطا امام مالک کی شرح بھی مرتب کی۔

۵) اب تک ہندوستان میں جو فقہ حنفی مروّج تھی، وہ تمام تر فتاویٰ کی نقل در نقل اندھی تقلید تھی اور ہر وہ کتاب جس کو کسی حنفی فقیہ نے پہلے لکھ دیا ہو وہ استناد واعتماد کے قابل سمجھی جاتی تھی اور خاص امام ابوحنیفہ کا مسلک بن جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ نے اس تقلیدی فقہ کی جگہ تحقیقی فقہ کو رواج دیا۔ ہر مسئلہ میں آپ ہر امام ومجتہد کی مختلف آراء، دلائل اور اسناد سے واقف تھے۔ اس لیے آپ ان میں باہم تطبیق یا ترجیح دیتے تھے۔ مجتہدین کے اختلافات کے اسباب پر آپ نے کام کیا اور اس ضمن میں بہت بنیادی مباحث علماء کے سامنے پیش کئے۔ اجتہاد اور تقلید کی تشریح کی اور کتاب وسنّت کی اتباع اور پیروی کی عام دعوت دی۔

۶) شاہ عبدالحق محدّث دہلوی نے جو کام شروع کیا تھا آپ نے اس کی تکمیل کی۔ تالیف وتصنیف کے ذریعہ مصادر حدیث کو عام کیا۔ حدیث کی بہت اہم اور بنیادی کتاب مؤطا امام مالک کی فارسی اور عربی میں دو شرحیں لکھیں۔ صحیح بخاری کے تراجم کی شرح کی اور ''الفضل المبين في المسلسل من حديث النبيّ الأمين'' ایک رسالہ لکھا۔ فقہ، اصول فقہ اور احکام کے اسرار ورموز میں 'حجة الله البالغة' جیسی گرانقدر کتاب مرتب کی۔

۷) آپ نے ہندوستان میں حدیث کے درس وتدریس کے باقاعدہ حلقے قائم کیے۔ آپ کے بعد آپ کے شاگردوں نے ان حلقوں کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ کرتے چلے گئے۔

۸) شاہ ولی اللہ کی اولاد نے اپنے والد بزرگ وار کے ناتمام کاموں کی تکمیل کی اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ کو پیغام نبوی ﷺ کے آوازہ سے معمور کر دیا۔ آج برصغیر میں جہاں بھی "قال رسول اللہ ﷺ" کی آواز سنائی دیتی ہے وہ اسی خانوادۂ فضل وکمال کی خیر وبرکت کی صدائے بازگشت ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مرکز حدیث سے جولوگ مستفید ہوئے ان کی تعداد ہزاروں میں ہے اس لیے ان سب کا یکجا کرنا بہت مشکل کام ہے تاہم اس ضمن میں چند بزرگوں کے نام دستیاب ہیں۔ پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں صحیح بخاری کا ایک نہایت اہم نسخہ ہے جو شاہ ولی اللہ کی درسگاہ میں زیرِ درس رہا ہے اور اس پر شاہ صاحب کے دست خاص سے ایک تحریر ہے۔ اور ایک تحریر شاہ صاحب کے اس شاگرد کی ہے جس نے آپ سے یہ نسخہ پڑھا۔ اس شاگرد کا نام محمد ابن پیر محمد بن شیخ ابوالفتح بلگرامی الہ آبادی ہے۔ اس پر مولانا پیر محمد کے ہاتھ سے جو عربی عبارت ہے اس کا اردو ترجمہ یوں ہے:

> "دلّی میں جمنا کے کنارے جامع فیروزی میں چہار شنبہ کے دن بتاریخ ۶ شوال ۱۱۵۹ھ جامع صحیح امام بخاری شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابوالفتح عمری بلگرامی ثم الہ آبادی کے ہاتھ سے تمام ہوئی۔ ساتھ ہی شروع سے آخر تک اس کی قرآۃ بھی شیخ ولی اللہ عمری کے درس میں تمام ہوئی"۔

پھر اس پر شاہ ولی اللہ کے دست مبارک سے عربی میں امام بخاری تک ان کی اپنی سند اور اجازت درج ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں کیا کیا کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فرماتے ہیں:

> "شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابوالفتح عمری نسباً، بلگرامی اصلاً، الہ آبادی مولداً نے صحیح بخاری مجھ سے پڑھی۔ خواجہ محمد امین پڑھتے تھے اور وہ سنتے تھے۔ نیز بقیہ

کتب صحاح ستہ کے اطراف مجھ سے پڑھے اور مؤطا امام مالک اور مسند دارمی اور مشکوۃ المصابیح کے کچھ حصے پڑھے اور میں نے ان کو ان کی اجازت دی۔ میں نے یہ اجازت وسند شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے حاصل کی اس کو ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہہ الدین بن معظم بن منصور ابن احمد بن محمود نے اپنے ہاتھ سے لکھا جو نسباً عمری، وطناً دہلوی، عقیدۃً اشعری، طریقۃً صوفی، عملاً حنفی اور تدریساً حنفی وشافعی اور تفسیر وحدیث وفقہ وعربیت اور کلام کا خادم ہے۔ سہ شنبہ ۲۳ شوال ۱۱۵۹ھ''۔

اس تحریر کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب کی یہ عبارت ہے:

''ایں خط والد بزرگوار است بے شبہ۔ کتبہ الفقیر محمد رفیع''

اس نسخہ پر ایک اور عبارت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ عالم بادشاہ کی ہدایت پر ۱۱۸۴ھ میں محمد نامی کسی عالم نے اس میں شروع سے آخر تک اعراب لگائے اور کسی مصحح نسخہ سے اس کا مقابلہ کیا۔ (تذکرہ علمائے ہند: ص ٦٦)

خواجہ محمد امین جن کا شاہ صاحب کی اس تحریر میں ذکر ہے شاہ صاحب کے مخصوص شاگردوں اور مریدوں میں ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں ایک بزرگ مولانا رفیع الدین مراد آبادی ہیں۔ مولانا رفیع الدین نے شاہ صاحب کے علاوہ شیخ محمد حیات سندھی کے شاگرد مولانا خیر الدین سواتی سے بھی خدیث پڑھی۔ امام نووی کی اربعین کی شرح لکھی اور اپنے سفر حج کے حالات میں فارسی میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ کشمیر کے ایک اور بزرگ شاہ محمد عاشق پھلتی معروف بہ بابا محمد عثمان کشمیری ابن شیخ محمد فاروق، شاہ صاحب کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ انہوں نے حدیث اور فقہ کا درس شاہ صاحب کے مرکز میں رہ کر حاصل کیا۔

1.2 تالیفی خدمات

شاہ ولی اللہ دہلوی نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف میں معرکۃ الآراء کتابیں لکھیں۔ ذیل میں آپ کی چند اہم تالیفات کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے:

1.3 حجۃ اللہ البالغۃ

یہ شاہ صاحب کی بہت جامع اور وقیع تالیف ہے۔ جس میں فقہ، دینیات، طبعیات، الٰہیات، تدبیر منزل، سیاست مدنیہ اور علم الاسرار جیسے اہم علوم وفنون پر بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں جس جس موضوع پر بحث کی گئی ہے اس میں آیات اور روایات کے بکثرت حوالے دیئے گئے ہیں۔ ''حجۃ اللہ البالغہ'' ایک ایسی عظیم شاہکار ہے جس کی تعریف اور قدردانی تمام اسلامی دنیا میں ہوئی۔ نواب صدیق حسن خان کے بقول:

> ''یہ کتاب اپنی نوعیت کی ایک ایسی نادر تصنیف ہے جس کی کوئی نظیر عرب اور عجم کے علماء گزشتہ بارہ صدیوں میں کبھی پیش نہ کر سکے''۔

حجۃ اللہ البالغہ پہلی مرتبہ ۱۸۶۸ھ میں صدیقی پریس، بریلی میں حسب فرمائش منشی جمال خان بھوپال طبع ہوئی تھی اور اس کا مصری ایڈیشن ۱۹۰۴ھ میں مطبعہ خیریہ قاہرہ نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب کے اردو تراجم بھی ہوئے ہیں اب تک کئی سکالرز اس پر پی ایچ ڈی کے مقالے بھی لکھ چکے ہیں۔

1.4 اربعین

یہ رسالہ چالیس احادیث کا انتخاب ہے جو حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہیں۔ اور ان کے اخلاف کے توسط سے آنے والی نسلوں تک پہنچی ہیں۔ خرم علی بلہری (م ۱۲۷۱ھ) نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا اور حواشی بھی لکھے تھے۔ جسے ۱۸۵۸ھ میں ہادی علی لکھنوی نے ایک منظوم شرح کی شکل میں قلم بند کیا۔ اور اس کا نام ''تسخیر'' رکھا جو ۱۸۶۶ھ میں مصطفائی پریس دہلی میں طبع کی گئی تھی۔

1.5 وثیقۃ الآخرۃ

یہ امام نووی کی اربعین کی فارسی شرح ہے۔ جس میں بین السطور اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ عبدالحلیم کاکاخیل کی منظوم پشتو شرح کے ساتھ ۱۸۹۰ھ میں دہلی میں طبع ہوا تھا۔

1.6 الدرّ الثمین فی مبشّرات النبی الامین

یہ رسالہ ایسی چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جو شاہ ولی اللہ کے شیوخ نے عالم خواب میں خود رسول اکرم ﷺ سے سنیں۔ یہ رسالہ مع اردو ترجمہ کے جو ظہیر الدین احمد نے کیا تھا ۱۸۹۰ھ میں دہلی میں شائع ہوا تھا۔

1.7 الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبیّ الامین

یہ حدیث مسلسل کا مجموعہ ہے جو حفاظ حدیث کے طبقات، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء، اہل بیت، محدّثین اندلس، محدّثین مشرق، شعراء محدّثین اور علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے روایت کی ہیں۔ یہ بہت ہی نادر رسالہ صحیح بخاری کی جلد دوم کے اس ترجمہ کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کیا گیا تھا جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے ایک شاگرد شیخ محمد الہ آبادی نے ۱۱۶۰ھ سے قبل کیا تھا اور یہ بانکی پور کی اورینٹل پبلک لائبریری میں محفوظ ہے۔

1.8 الارشاد الی مہمّات الاسناد

یہ کتاب خود شاہ ولی اللہ کے شیوخ اور ان رواۃ حدیث کا تذکرہ ہے جن کی سند سے احادیث، رسول اکرم ﷺ سے ان رواۃ تک پہنچی ہیں۔ یہ رسالہ شاہ ولی اللہ کی تراجم البخاری کے ساتھ ۱۸۸۹ھ میں دہلی میں طبع کیا گیا تھا۔

1.9 تراجم البخاری

یہ صحیح بخاری کی وسعت وغایت اور اصول ترتیب پر مختصر تبصرہ ہے۔

1.10 شرح تراجم ابواب البخاری

یہ رسالہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب (عنوانات) کی شرح ہے۔ جو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن نے ۱۹۳۸ھ میں دوسری مرتبہ شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ رسالہ صحیح بخاری کے اس ایڈیشن میں بطور مقدمہ شامل کیا گیا تھا جو ۱۹۴۰ھ میں اصح المطابع دہلی میں طبع ہوا تھا۔

1.11 مصفّٰی شرح مؤطا

یہ کتاب امام مالک (م ۱۷۹ھ) کی مؤطا کی مختصر شرح ہے جو فارسی میں دو جلدوں میں لکھی گئی ہے اور ۱۸۷۶ھ میں فاروقی پریس، دہلی میں پہلی بار طبع کی گئی تھی۔ اس شرح میں شاہ ولی اللہ نے ہر ایک حدیث کا فارسی ترجمہ درج کیا ہے اور حسب ضرورت اس کا مفہوم بھی بیان کر دیا ہے نیز اس کے متعلق مذاہب اربعہ بالخصوص حنفی اور شافعی مکاتب کا نقطۂ نظر بھی بیان کر دیا ہے اور جگہ جگہ فقہی مسائل پر بحث کی ہے۔ مگر کسی مسلک کو دوسرے مسالک پر ترجیح نہیں دی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں بیس صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے جو امام مالک اور ان کی مؤطا کے بارے میں ہے۔ جو شاہ ولی اللہ اور امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کے نزدیک حدیث کی سب سے مقدم اور مستند کتاب ہے اور "اصح الكتب بعد كتاب الله" ہے

1.12 مسوّٰی شرح مؤطا

یہ کتاب ۱۷۵۱ء میں لکھی گئی تھی اور ۱۸۷۹ء میں مطبع فاروقی دہلی نے اسے مصفّٰی کے حاشیہ پر طبع کیا تھا۔ یہ رسالہ امام مالک کی مؤطا کی عربی میں شرح ہے جس میں زیادہ تر حنفی اور شافعی مکاتب کی آراء پر بحث کی گئی ہے۔

1.13 آثار المحدّثین

یہ معروف و مشہور محدّثین کا تذکرہ ہے اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔

1.14 مکتوبات مع مناقب امام البخاری و ابن تیمیہ

یہ کتاب فارسی میں ہے اور سید عبدالرؤف نے جن کا تعلق نذیریہ بزم ادب، دہلی سے تھا اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔

② شاہ ولی اللہ کے مشہور تلامذہ

شاہ ولی اللہ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہاں ان میں سے چند حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

2.1 قاضی ثناء اللہ پانی پتی

قاضی ثناء اللہ پانی پتی شیخ جلال الدین کبیر اولیاء کی دسویں پشت میں تھے۔ آپ نے حدیث کا درس شاہ ولی اللہ سے لیا۔ اور علم تصوف مرزا مظہر جانِ جاناں (م ۱۱۰۵ھ) سے حاصل کیا۔ علم حدیث میں آپ کی صلاحیت اور مہارت کی بنا پر آپ کو شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ''بیہقیٔ وقت'' کا لقب دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ''تفسیر مظہری'' میں احادیث بکثرت درج کی گئی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو علم حدیث پر کتنا زیادہ عبور حاصل تھا۔

تالیفی خدمات

قاضی صاحب نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ نے بہت اہم، مفید اور وقیع تالیفات مرتب کیں جن میں چند درج ذیل ہیں۔

اللباب

یہ کتاب شیخ شمس الدین صالحی (م ۹۴۲ھ) کی تالیف ''سبل الہدی والرشاد'' کی جلد سوم کا خلاصہ ہے۔ جس میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف عالیہ، معاملات اور معمولات بیان کئے گئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے منقول دعائیں، احکام اور فیصلے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مقدمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قاضی ثناء اللہ نے یہ کتاب اپنے مرشد مظہر جانِ جاناں کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اللباب میں جن اسناد کا حوالہ دیا گیا ہے ان کے اختصارات یوں درج کئے گئے ہیں:

خ: برائے صحیح بخاری

م: برائے صحیح مسلم

د: برائے سنن ابوداؤد

س: برائے سنن نسائی

جہ: برائے سنن ابن ماجہ

ک: برائے مؤطا امام مالک

فع: برائے مسند امام الشافعی

کم: برائے مستدرک حاکم

طب: برائے معجم الطبرانی

می: برائے سنن دارمی

قط: برائے سنن دارقطنی .... وغیرہ وغیرہ

اللباب کا ایک مخطوطہ مدرسہ جامع العلوم، کانپور کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

خود آزمائی ①

۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حیات وخدمات پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔

۲) حجۃ اللہ البالغہ، وشیقۃ الآخرۃ اور الدر الثمین پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیجئے۔

۳) الفضل المبین، الارشاد الی مہمات الاسناد اور تراجم البخاری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجئے۔

۴) مصفیٰ اور مسوی حدیث کی کون سی کتاب کی شروح ہیں۔ اس بارے میں وضاحت کیجئے۔

۵) شاہ ولی اللہ کے مشہور تلامذہ کے نام بتائیے؟ اور علم حدیث کی ترویج کے لیے ان کی خدمات کا تذکرہ کیجئے۔

③ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی

(م ۱۲۳۹ھ)

شاہ عبدالعزیز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شاہ ولی اللہ دہلوی کے دو ممتاز شاگردوں خواجہ امین اور خواجہ عاشق پھلتی سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ شاہ ولی اللہ کے مدرسہ میں باقاعدہ داخل ہو گئے جہاں آپ نے بہت تفصیل اور اہتمام کے ساتھ مصابیح السنۃ، مسوی فی شرح المؤطا، صحیحین کا ایک حصہ اور سنن اربعہ کا درس لیا۔ ۱۱۷۴ھ میں جب شاہ عبدالعزیز کی عمر بیس سال سے بھی کم تھی آپ نے تعلیم مکمل کر لی اور ۱۱۷۶ھ میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد وہ مدرسہ رحیمیہ میں مدرس ہوئے وہاں علوم قرآن وحدیث کا درس ساٹھ برس سے زیادہ مدت تک دیتے رہے۔

شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترقی واشاعت کے لیے جو خدمات انجام دیں اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے کئی شاگردوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں حدیث کی تعلیم واشاعت کے مراکز قائم کئے۔ ذیل میں آپ کے شاگردوں کے نام اور مراکز کے مقام کی نشاندہی کی جاتی ہے:

۱- شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۴۹ھ) ...... بمقام دہلی

۲- شاہ محمد اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ) ...... بمقام دہلی

۳- شاہ محمد مخصوص اللہ (م ۱۲۷۳ھ) ...... بمقام دہلی

۴- مفتی صدرالدین دہلوی (م ۱۲۵۸ھ) ...... بمقام دہلی

۵- حسن علی محدّث لکھنوی (م ۱۲۲۶ھ) ...... بمقام لکھنؤ

۶- حسین احمد ملیح آبادی (م ۱۲۷۵ھ) ...... بمقام ملیح آباد

۷- شاہ رفیع احمد مجدّدی (م ۱۲۴۹ھ) ...... بمقام بھوپال

۸- شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۵ھ) ...... بمقام مراد آباد

۹- خرم علی بلہری (م ۱۲۷۱ھ) ...... بمقام بلہر (لکھنؤ)

۱۰-شاہ ابوسعید (م ۱۲۵۰ھ)	......بمقام رام پور و دہلی
۱۱-محمد شکور جعفری (م ۱۳۰۰ھ)	......بمقام مچھلی شہر (اعظم گڑھ)
۱۲-شاہ ظہور الحق قلندری	......بمقام پھلواری شریف (پٹنہ)
۱۳-اولاد حسین	......بمقام قنوج
(نواب صدیق حسن خان کے والد)	
۱۴-کرم اللہ محدث (م ۱۲۵۸ھ)	......بمقام دہلی
۱۵-سلامت اللہ بدایونی	......بمقام کانپور

3.1 علمی اور تالیفی خدمات

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو اللہ جل شانہ نے بہت رواں قلم عطا کیا تھا۔ آپ نے لکھا اور بہت خوب لکھا۔ آپ کی ہر ایک تالیف کو علماء اور عوام کے ہاں قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ حدیث کے حوالہ سے آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں مرتب کیں۔

3.2 بستان المحدثین

یہ بہت وقیع اور مفید رسالہ ہے جس میں حدیث کی اہم کتب اور مصادر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مؤطا امام مالک سے آغاز اور امام بغوی کی مصابیح پر اختتام ہوا ہے۔ اس میں ان کتب کے مؤلفین کے مختصر حالات بھی درج کئے گئے ہیں۔

3.3 عجالۂ نافعہ

یہ اصول حدیث پر فارسی میں بہت مفید رسالہ ہے۔ مطبوعہ ہے۔ کئی بار چھپا ہے۔

3.4 تحفہ اثنا عشریہ

شاہ عبدالعزیز نے اہل تشیع کے رد میں تحفۂ اثناء عشریہ لکھی۔ قرآن کی فارسی میں تفسیر لکھی۔ زندگی بھر حدیث کی ترویج کے لیے کام کیا۔

④ شاہ اسحاق بن افضل فاروقی دہلوی (م ۱۲۶۲ھ)

۱۲۳۹ھ میں شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ کے استاد، ان کے مشہور شاگرد اور پوتے شاہ اسحٰق ہوئے جو بہت قابلیت کے ساتھ بیس برس تک علم حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۲۵۰ھ میں شاہ اسحٰق ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے جہاں انہوں نے رجب ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی۔

تراجم علمائے حدیث ہند کے مؤلف نے ہندوستان کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے ایسے اکتالیس محدثین کے نام درج کئے ہیں جو شاہ اسحاق کے شاگرد تھے۔ ان میں مولانا مظہر نانوتوی اور مولانا احمد علی سہارنپوری، وہ اساتذہ ہیں جنہوں نے دارالعلوم سہارنپور میں حدیث کے مصادر پڑھانے کا آغاز کیا۔ شاہ عبدالغنی مجددی، مولانا قاسم نانوتوی کے شیخ ہیں اور مولانا نذیر حسین برصغیر میں اہل حدیث مکتب فکر کے بانی ہیں۔

⑤ مولانا مظہر نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ)

مولانا مظہر نانوتوی نے شاہ اسحاق کے علاوہ علم حدیث کی تعلیم رشید الدین دہلوی (م ۱۲۴۹ھ) اور مفتی صدر الدین دہلوی (م ۱۲۷۳ھ) سے حاصل کی۔ آپ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی (م ۱۳۳۹ھ) ہیں۔

⑥ احمد علی بن لطف اللہ انصاری سہارنپوری (م ۱۲۰۷ھ)

مولانا احمد علی سہارنپوری دہلی میں شاہ اسحٰق سے سند حاصل کرنے کے بعد فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے جہاں انہوں نے حرمین شریفین کے محدثین سے استفادہ کیا۔ حجاز سے واپس آنے کے بعد آپ نے اپنی نگرانی میں اور اپنے مشہور شاگرد مولانا قاسم کے تعاون سے دہلی میں مطبع احمدی قائم کیا جس نے حدیث کی مستند کتابیں طبع کر کے ہندوستان میں کئی سال تک قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس سلسلہ میں صحیح بخاری پر آپ کی تعلیقات کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ صحیح بخاری کے اسناد اور متون کے بارے میں وہ تمام معلومات قلم بند کر دی گئی ہیں جن کو جاننا ایک طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ اس

کے علاوہ مولانا احمد علی نے ''جامع ترمذی'' پر حواشی لکھے جو ۱۳۲۸ھ میں مجتبائی پریس، دہلی نے شائع کیے تھا۔

۱۸۵۷ھ میں جب حالات بہت بگڑ گئے تو مولانا احمد علی نے مطبع بند کر دیا اور دہلی چھوڑ کر اپنے آبائی شہر سہارنپور چلے گئے۔ جہاں کچھ عرصہ کے بعد آپ مظاہر العلوم کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ آپ ۱۲۹۷ھ تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔

⑦ شاہ عبدالغنی مجدّدی (م ۱۲۹۶ھ)

شاہ عبدالغنی نے مؤطا امام مالک اپنے والد مولانا شاہ ابوسعید سے پڑھی۔ مشکوٰۃ المصابیح شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے شاہ مخصوص اللہ سے اور بقیہ کتابیں شاہ عبدالعزیز سے پڑھیں۔ شاہ عبدالعزیز کی مجلس درس میں روایات حدیث کی قرآت آپ کے ذمہ تھی۔ سنن ابن ماجہ پر آپ کا حاشیہ ہے جس کا نام ''انجاح الحاجۃ'' ہے۔ انگریز استعمار کے تسلط کے بعد آپ نے ہجرت کی۔ پہلے مکہ مکرمہ میں رہے پھر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی۔ شاہ عبدالغنی صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں دو حضرات ایسے ہیں جنہیں اپنی علمی، عملی اور فکری خدمات کی بنا پر بہت زیادہ شہرت، مقبولیت اور محبوبیت حاصل ہوئی۔ ایک دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی اور دوسرے شیخ رشید احمد گنگوہی ہیں۔

⑧ مولانا قاسم بن اسد بن غلام شاہ نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ)

مولانا قاسم نانوتوی نے درسیات یعنی عربی وفارسی کے مروجہ نصاب کی تعلیم اپنے چچا مولانا مملوک علی صاحب سے حاصل کی۔ جو دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائم کردہ مدرسہ میں مدّرس تھے اور حدیث کا درس شاہ عبدالغنی مجدّدی سے لیا۔ آپ نے شروع میں تدریس اختیار کی۔ لیکن بعد میں مطبع احمدی، دہلی سے منسلک ہو گئے اور اپنے استاد مولانا احمد علی سہارنپوری کے ساتھ کتب حدیث کو مرتب کرنے اور ان پر حواشی وتعلیقات لکھنے کا کام ۱۸۵۷ھ کی جنگ آزادی شروع ہونے تک انجام دیتے رہے۔ ۱۸۶۰ء میں آپ نے فریضۂ حج انجام دیا اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) کے مرید ہو گئے۔ ۱۸۶۶ھ میں مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے مرشد

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور شیخ شاہ عبدالغنی مجدّدی کی ہدایت پر دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اسی دارالعلوم میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا فخر الحسن گنگوہی، اور مولانا احمد حسین امروہوی نے مولانا قاسم نانوتوی سے حدیث کے مصادر کا درس لیا۔ مولانا قاسم نانوتوی نے ۴ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ بمطابق فروری ۱۸۸٦ھ کو وفات پائی اور نانوتہ میں دفن کیے گئے۔

⑨ میاں سیّد نذیر حسین بہاری دہلوی (م ۱۳۲۰ھ)

میاں نذیر حسین صاحب بہار کے ضلع مونگیر میں بمقام بھوہ پیدا ہوئے۔ مشکوۃ المصابیح اور قرآن مجید کے ابتدائی پاروں کی تفسیر کی تعلیم شاہ محمد حسین سے صادق پور میں حاصل کی جو پٹنہ کے قریب ہے۔ ۱۲۴۳ھ میں آپ دہلی گئے اور شاہ اسحٰق محدّث دہلوی کے مدرسہ میں داخل ہوگئے۔ جہاں آپ نے علم حدیث میں بھرپور استفادہ کرنے کے بعد ۱۲۵۸ھ میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں ایک مدرسہ قائم کیا جو کچھ عرصہ کے بعد پھاٹک حبش خان کی ایک عمارت میں منتقل کردیا۔ یہ مدرسہ اور اس کا کتب خانہ جو میاں صاحب کے نام پر کتب خانۂ نذیریہ کہلاتا ہے اب تک موجود ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی طرح میاں نذیر حسین صاحب بھی ساٹھ برس تک علمِ حدیث کا درس دیتے رہے۔ محدّث کی حیثیت سے آپ کی شہرت تمام اسلامی دنیا میں پھیل گئی چنانچہ افغانستان، بخارا، سمرقند، حجاز اور سوڈان جیسے دور دراز ممالک سے بھی شوقین طلبہ آپ سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی آتے تھے۔ میاں صاحب کی سوانح عمری ''الحیاۃ بعد المماۃ'' میں ایسے پانچ سو محدّثین کی فہرست موجود ہے جو میاں صاحب کے شاگرد تھے۔ حافظ ابراہیم آردی، بانی مدرسہ احمدیہ آرہ، شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، (عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد کے مشہور مؤلف) حافظ عبدالمنان پنجابی، نواب وحید الزمان حیدرآبادی، عبدالعزیز رحیم آبادی بہاری، حافظ عبداللہ غازی پوری اور عبدالرحمٰن مبارکپوری (تحفۃ الاحوذی کے مؤلف) آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ یہ ایسے محدّث تھے جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں اور اپنے سینکڑوں شاگردوں کو بھی اس مقصد کے لیے ہندوستان کے تمام اطراف میں پھیلا دیا تھا۔

⑩ مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی اور مولانا اسماعیل شہید

مولانا عبدالحیٔ شاہ عبدالعزیز کے داماد اور شاگردِ خاص اور مولانا اسمٰعیل شہید شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے تھے۔ ان دونوں حضرات نے بھی درس وتدریس کی خدمات انجام دیں لیکن زبان وقلم سے آگے بڑھ کر اپنے زورِ بازو سے بھی کتاب وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کے خلاف جہاد کیا۔ بنگال سے لے کر افغانستان کی سرحد تک کا دورہ کیا۔ وعظ ونصیحت کی، مناظرے کئے۔ جمعہ وجماعت کا اہتمام کیا۔ غلط رسوم اور غلط رواج کا ابطال کیا۔ لوگوں کو جہاد کی دعوت دی اور ان مہمات کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مولانا سخاوت علی جون پوری نے ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں رہ کر ان کے فیوض وبرکات کو حاصل کیا۔ مولانا سخاوت علی کچھ عرصہ تک نواب ذوالفقار خان رئیس باندہ کے مدرسہ میں مدرّس تھے۔ جونپور آ کر درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ بہار، جونپور، اعظم گڑھ اور بنارس سے بکثرت طلبہ آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان کے ذریعہ سے جاہلانہ رسوم کے ابطال اور مذہبی شعائر کے اجراء میں بڑی مدد ملی۔ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے اسلوب پر مولانا سخاوت علی نے ''القدیم فی احادیث النبی الکریم'' ایک مفید کتاب لکھی جو یمین الدولۃ وزیر الملک نواب محمد علی خان آف ٹونک کی ہدایت پر ۱۳۱۳ھ میں مطبع صدیقی بنارس میں چھپی۔ زندگی کے آخری ایام میں آپ نے حجاز کا سفر کیا۔ مکہ مکرمہ میں رہ کر حج کا فریضہ ادا کیا۔ اور ۱۲۷۴ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے جن کو شہرت حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

مولانا کرامت علی جونپوری، مولنا خواجہ احمد نصیر آبادی، مولانا رجب علی جونپوری، مولانا محمد شریف جونپوری، مولانا غلام محمد جگدیش پوری، مولانا شیخ محمد مچھلی شہری، مولانا محمد عمر غازی پوری، مولانا غلام جیلانی غازی پوری، مولانا فیض اللہ مئوی اعظم گڑھی، مولانا رحیم اللہ بستوی، مولانا سید یعقوب بہاری اور مولانا سید مصطفیٰ شیر صاحب بہاری مدرّس مدرسۂ خانقاہ۔ (تذکرہ علمائے ہند: ص ۶۹)

⑪ فرنگی محل اور علم حدیث

لکھنؤ میں فرنگی محل کا علمی مرکز عالمگیر کے عہد میں قائم ہوا۔ ملا قطب الدین اور ملا نظام الدین کے عہد سے لے کر مولانا عبدالحلیم کے عہد تک اس خانوادۂ فضل وکمال کی عملی کوششوں کا محور منطق اور اصول کی کتابیں رہیں۔ اس طرح ایک طویل عرصہ تک ہندوستان کی یہ مشرقی درسگاہ علوم حدیث سے نا آشنا رہی۔ یہاں کے مروجہ نصاب میں صرف مشکوٰۃ المصابیح شامل تھی اور یہی ایک کتاب حدیث میں پڑھائی جاتی تھی۔ علمائے فرنگی محل میں سب سے پہلی شخصیت جن کی تالیفات کتب حدیث کے حوالوں سے آراستہ ہیں وہ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم خلف الصدق ملا نظام الدین ہیں۔ مولانا عبدالعلی نے حدیث کی کتابیں باقاعدہ کسی مرکز میں شیوخ واساتذہ کی خدمت میں رہ کرنہیں پڑھی تھیں بلکہ خود حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ شروع میں آپ کا تعلق بھی معقولات سے تھا۔ آپ کی ابتدائی تالیفات جب دلّی میں پھیل گئیں اور شاہ عبدالعزیز نے انہیں دیکھا تو فرمایا: عبدالعلی علوم نقلیہ (قرآن وحدیث) سے کورے ہیں۔ یہ بات جب مولانا عبدالعلی کو معلوم ہوئی تو انہوں نے فقہ میں ارکانِ اربعہ کے نام سے کتاب لکھ کر شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں اس کا ایک نسخہ بھیجا۔ ارکانِ اربعہ کی اس کتاب میں محققانہ مسائل پر بحث اور احادیث کے بکثرت حوالے موجود ہیں۔ اس کتاب کو دیکھ کر شاہ عبدالعزیز نے فرمایا: ''ملا عبدالعلی تو بحرالعلوم ہیں''۔

شاہ عبدالعزیز کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ اطراف واکناف تک پھیل گیا اور اتنا مقبول ہوا کہ لوگ بحر العلوم کی شہرت کے مقابلہ میں عبدالعلی نام کو بھول گئے اور زبانوں پر بحر العلوم رہ گیا۔ مولانا بحرالعلوم کی دو تالیفات ''ارکان اربعہ'' فقہ میں اور ''فواتح الرحموت'' اصول میں ایسی کتابیں ہیں جن میں احادیث اور روایات کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ ارکانِ اربعہ میں جو مباحث ہیں ان کا ماخذ دو کتابیں ہیں اس کتاب کی اصل بنیاد تو علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر (شرح ہدایہ) پر ہے۔ فتح القدیر میں اہم اور بنیادی کتب حدیث کے اقتباسات اور

حوالے موجود ہیں اور انہی کے مباحث اور حوالوں کا خلاصہ ''ارکان اربعہ'' ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا مآخذ مختلف احادیث کا ایک مشہور مجموعہ علامہ ابن اثیر الجزری کی ''جامع الاصول من احادیث الرسول'' ہے جس کا مولانا عبدالعلی نے بارہا حوالہ دیا ہے۔ اور اسی سے روایات نقل کی ہیں۔ ''فواتح الرحموت'' کی تالیف کے وقت مولانا عبدالعلی کی لائبریری میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے اس وقت ''فتح القدیر'' اور ''جامع الاصول'' کے علاوہ حافظ ابن حجر اور حافظ جلال الدین السیوطی کی کتابیں آپ کو مل گئی تھیں۔ چنانچہ ''فتح الباری'' ''تفسیر'' درمنثور'' اور ''الاتقان فی علوم القرآن'' کے حوالے آپ کی اس کتاب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تفسیر ''درمنثور'' اور ''الاتقان'' گو تفسیر قرآن سے متعلق ہیں مگر ان میں تمام تر بنیاد احادیث اور روایات پر ہے اور ان میں نہ صرف صحاح ستہ بلکہ مصادر حدیث کی روایات بھی آئی ہیں۔ اس طرح ان دونوں کتابوں میں حدیث کی بیشتر کتابوں سے روایات آ گئی ہیں۔ مولانا بحرالعلوم نے ان ضمنی روایات کو نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اس طریقہ سے آپ کی تالیف ''فواتح الرحموت'' میں درج ذیل کتب حدیث کے نام اور حوالے ملتے ہیں:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابوداؤد، مؤطا امام مالک، مستدرک امام حاکم، مسند بزاز، صحیح ابن حبان، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، سنن بیہقی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ بھی آپ کے مطالعہ میں تھی۔ جس کا ذکر اس کتاب میں جرح وتعدیل کے ضمن میں آیا ہے اور خبرِ واحد کی حجیت کے مسئلہ میں بھی شیخ کا حوالہ دیا ہے۔ ان کے علاوہ تفاسیر اور شروح حدیث میں سے حسب ذیل کتابوں کے حوالے ہیں:

معالم التنزیل للامام بغوی، درمنثور للامام السیوطی، فتح الباری للحافظ ابن حجر العسقلانی، متاخرین محدثین میں امام ابن ہمام اور امام ابن تیمیہ کے نام بھی آئے ہیں۔

کتبِ حدیث اور ان کی روایات کے حوالے جس طرح فواتح الرحموت میں آئے ہیں ان سے بآسانی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صحیحین مولانا کے مطالعہ میں تھیں اور دیگر کتب حدیث کی روایات بالواسطہ اور زیادہ تر درّ منثور اور اتقان سے ماخوذ ہیں اور مؤلف نے اکثر خود اس واسطہ کا ذکر کر دیا ہے۔

11.1 ملاّ مبین اور ملا حیدر

مولانا بحرالعلوم کے علاوہ فرنگی محل کے علمائے متقدمین میں دو اور ایسے حضرات کے نام بھی ملتے ہیں جن کا تعلق حدیث سے تھا۔ ایک ملاّ مبین ہیں جن کے بارے میں روایت ہے کہ انہیں ہزاروں احادیث زبانی یاد تھیں اور جب آپ وعظ ونصیحت اور خطبہ ارشاد فرماتے تو احادیث کی بنیاد پر فرماتے تھے۔ دوسرے ملاّ مبین کے بڑے بیٹے مولانا محمد حیدر ہیں۔ ملاّ حیدر اس خاندان میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے عرب جا کر وہاں کے شیوخ سے حدیث میں استفادہ کیا اور سند حاصل کی۔ ۱۲۴۰ھ میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ پہلے مکہ مکرمہ میں رہے اور پھر مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ مکہ مکرمہ میں سید یوسف بطاح یمنی اور شیخ ملا عمر مکی سے صحیحین پڑھیں۔ حجاز میں قیام کیا اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد آپ حیدرآباد واپس آئے۔ اور پھر اپنی وفات تک حیدرآباد ہی میں رہے۔

11.2 مولانا عبدالرزاق

فرنگی محل کے ایک اور مشہور شیخ مولانا عبدالرزاق ہیں۔ آپ نے حدیث کی کتابیں اپنے خاندان سے باہر مولانا حسین احمد محدّث ملیح آبادی اور مرزا حسن علی محدّث لکھنوی سے پڑھیں۔ اور پھر اپنے شیوخ کے ساتھ مل کر حدیث کی اہم کتابیں شیخ محمد محسن مدنی سے اس طرح پڑھیں کہ مولانا عبدالرزاق ''قرآۃ'' کرتے تھے اور باقی علماء ساعت کرتے تھے۔ ۱۲۵۴ھ میں آپ نے سند حاصل کی۔ مولانا عبدالرزاق کے دونوں بیٹوں، مولانا عبدالباسط اور مولانا حافظ عبدالوہاب نے اپنے والد سے حدیث پڑھی۔ (اغصانِ اربعہ: ص ۱۰۷)

11.3 مولانا عبدالحلیم

علمائے فرنگی محل میں علم حدیث کے درس وتدریس کا باقاعدہ نظام مولانا عبدالحلیم (مولانا عبدالحئی کے والد) کے دور سے شروع ہوا۔ مولانا عبدالحلیم نے مفتی محمد یوسف اور دیگر علمائے فرنگی محل سے علوم درسیہ کی تکمیل کی۔ ۱۲٦۰ھ میں نواب ذوالفقادر بہادر رئیس باندہ (بندیل کھنڈ) کے مدرسے میں مدرّس مقرر ہوئے۔ پھر اپنے

استاد مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محل کی جگہ پر جونپور کے مدرسہ امامیہ حنفیہ کے مدرّس ہوئے۔ ۱۲۷۷ھ میں نواب سالار جنگ کی طلب پر حیدر آباد گئے اور وہاں کے مدرسہ نظامیہ کے مدرّس ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گئے اور وہاں کے علماء وشیوخ سے کتب حدیث کی سند حاصل کی جن میں سب سے پہلے نام شیخ احمد بن زینی دحلان شافعی کا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ محمد جمال حنفی، محمد بن محمد العرب شافعی مدرّس مسجد نبوی ﷺ اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے فیوض وبرکات اور اجازت وسند حاصل کی۔ منطق، فلسفہ، کلام اور اصول کے علاوہ حدیث وسیر اور فقہ کے مسائل پر رسالے مرتب کئے۔ مثلاً: نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن، برکات الحرمین، خیر الکلام فی مسائل الصیام، ایقاد المصابیح فی صلاۃ التراویح، الأسماء فی تحقیق الدعا، غایۃ الکلام فی بیان الحلال والحرام، القول الحسن فیما یتعلق بالنوافل والسنن، عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس الحریر۔

۱۲۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

11.4 مولانا محمد نعیم صاحب

مولانا محمد نعیم، مولانا بحر العلوم کے پوتے اور عبدالحلیم کے بیٹے ہیں۔ آپ نے اپنے والد ہی سے استفادہ کیا اور انہی کی آغوش میں رہ کر تربیت حاصل کی۔ نہایت متقی اور عابد وزاہد تھے اور اسلاف کی زندہ یادگار تھے۔ تعلیم سے فراغت پاکر حجاز گئے اور وہاں کے شیوخ سے سند حاصل کی۔ آپ کو جہاں حدیث میں کمال حاصل تھا وہاں فقہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن ان میں جس شخصیت کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ مولانا سید عبدالحئی صاحب ہیں جو ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم رہے۔ مولانا محمد نعیم کے بارے میں روایت ہے کہ انہیں حدیث کی کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا انتہائی شوق تھا۔ جب معانی الآثار کی کتاب مارکیٹ میں آئی تو مولانا کے پاس اس کو خریدنے کے لیے رقم نہیں تھی چنانچہ انہوں نے اپنا ایک مکان بیچ دیا اور رقم لے کر کتاب خرید لی۔

11.5 مولانا عبدالحئی

فرنگی محل میں علم حدیث کی معراج کمال مولانا عبدالحئی صاحب کے عہد میں ہوئی۔آپ نے تعلیم وتربیت اپنے والد مولانا عبدالحلیم سے پائی۔ساتھ ہی دو مرتبہ حجاز جا کر وہاں کے علماء اور شیوخ سے سندیں حاصل کیں۔ پہلی مرتبہ اپنے والد کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں شیخ احمد دحلان اور شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی سے حاصل کیں۔مولانا عبدالحئی نے گو عمر بہت کم پائی۔۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی۔کل چالیس برس کی عمر پائی مگر اس مختصر عمر میں آپ کے درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور تحقیق وتدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی۔اطراف واکناف سے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔اور استفادہ کرتے تھے۔معقول ومنقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخرین لمحے تک ٹھاٹھیں مارتا رہا۔دوسرے علوم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمال تحقیق آپ کی درس گاہ میں ہوتا تھا۔ ہندوستان کے جملہ اطراف کے طلبہ آپ کے وجود سے مستفید ہوئے۔آپ نے حدیث اور متعلقات حدیث کی متعدد کتابیں اپنے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کیں۔حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسیوں رسالے تحریر کئے۔مولانا عبدالحئی جس دور میں تھے یہ وہ دور تھا جب ہر طرف عدم تقلید کا قضیہ نیا نیا اُٹھ رہا تھا اور ہندوستان میں جگہ جگہ علم حدیث کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔بھوپال اور دہلی میں علمائے اہل حدیث کا مجمع تھا۔رسالوں پر رسالے نکل رہے تھے۔ادھر لکھنؤ میں ان کے مقابلہ میں مولانا عبدالحئی لکھنوی کی ہستی تھی۔نواب صدیق حسن خان اس زمانہ میں اہل حدیث مکتبہ فکر کے امام اور مولانا عبدالحئی لکھنوی احناف کے سرکردہ تھے۔ دونوں طرف سے تقلید، عدم تقلید، اور مذاہب اربعہ کے متدلات کے حوالے سے لمبی لمبی بحثیں ہوئیں اور تحریری کام ہوا۔متون کتب میں سے مولانا عبدالحئی نے مسند امام ابوحنیفہ، مؤطا امام محمد اور کتاب الآثار پر مقدمہ اور حاشیہ لکھا اور ان کو چھپوا کر شائع کیا۔متعلقات حدیث میں سے موضوعات سیوطی، المقاصد الحسنہ للامام السخاوی، فتح المغیث اور میزان الاعتدال وغیرہ کتابیں آپ کی ہدایت پر آپ کے متوسلین اور تلامذہ نے شائع کیں۔

کتابوں پر حواشی لکھنے اور اشاعت میں مولانا عبدالحئی لکھنوی کو جو اہتمام تھا اس میں دو باتیں خاص طور پر

قابل ذکر ہیں۔ سب سے پہلی بات مقدمہ نگاری کی ایجاد ہے۔ مولانا عبدالحئی سے پہلے کسی شارح یا حاشیہ نگار نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یورپ میں مخطوطات کے ایڈٹ کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے اور جس طرح وہاں کے محققین مختلف نسخوں کی فراہمی، مقابلہ اور تصحیح اور ساتھ ہی مصنف اور تصنیف کے متعلق ہر قسم کی معلومات مقدمہ میں فراہم کرتے ہیں مولانا عبدالحئی نے علمائے یورپ کے طریقِ کار کے علم سے پہلے ہی اس اہم کام کی طرف توجہ دی اور بالکل اس طریق پر بلکہ اس سے بہتر طریقہ پر اس کام کو انجام دیا۔ آپ نے جس کتاب کو شائع کیا اس کے مختلف نسخوں کو فراہم اور ان کا مقابلہ کر کے ایک صحیح نسخہ ترتیب دیا۔ پھر اس پر حواشی لکھے۔ شروع میں مقدمہ لکھا جس میں مصنف، شارح اور اس کے دیگر شارحین کے حالات لکھے۔ کتاب اور متعلقہ فن کی دوسری کتابوں کے بارے میں معلومات جمع کیں اور اس فن کی مختصر تاریخ بھی لکھی۔ دوسری قابل ذکر بات کتابوں کی صحت ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ عربی کی ضخیم کتابیں اور ان پر باریک حاشیئے اور ان کی تصحیح اس طرح کی جاتی تھی کہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ مولانا کی خاص شائع کردہ کتابوں میں ایک نقطہ کی بھی غلطی نہیں ہے۔ آج جبکہ ہر قسم کی سہولیات موجود ہیں۔ کتابت کی بجائے کمپوزنگ ہے۔ طباعت کے نت نئے طریقے ہیں۔ پروف ریڈنگ جتنی بار کی جائے کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کے باوجود بھی کتابوں میں غلطیوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ مولانا عبدالحئی لکھنوی کے ساتھ آپ کے شاگرد مولانا خادم حسین عظیم آبادی اور مولانا عبدالعلی مدراسی کے اہتمام کو بھی دخل تھا۔ مولانا لکھنوی کے شاگردوں میں اس فن کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوئے جن میں قابل ذکر مولانا ظہیر احسن، مولانا حکیم عبدالباری عظیم آبادی، مولانا محمد حسین الہ آبادی، مولانا قادر بخش سہسرامی، مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاری، مولانا عبدالکریم پنجابی، اور مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ کر علم و فن کی خدمت کی۔ مولانا لکھنوی کے شاگردوں میں مولانا ابوالفضل محمد حفیظ اللہ صاحب ندوۃ العلماء لکھنو کے صدر مدرس رہے اور مولانا شاہ محمد سلیمان چشتی پھلواروی کو بھی بہت شہرت حاصل ہوئی۔

11.6 مولانا عبدالباری

سب سے آخر میں فرنگی محل کے علم وفضل کا دائرہ جناب مولانا عبدالباری کے نقطۂ کمال میں سمٹ کر آ گیا تھا۔ مولانا عبدالباری نے فرنگی محل میں جناب مولانا عین القضاۃ صاحب (مولانا عبدالحیٰ کے شاگرد) سے کتابیں پڑھیں اس کے بعد حجاز جا کر علم حدیث کی تکمیل کی۔ مدینہ منورہ میں قیام کیا اور شاہ عبدالغنی مجدّدی کے تلامذہ میں سے سید محمد علی اثری اور شیخ رحمت اللہ سے سندیں حاصل کیں۔ مولانا عبدالباری کو فقہ حنفی کے ساتھ والہانہ تعلق تھا اور اس کی نادر و کمیاب اور ائمہ احناف کی اصل کتابوں کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ اور ساتھ ہی ایسی حدیثوں کی بھی آپ کو بڑی تلاش رہتی تھی جن سے کسی بھی مسئلہ میں حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہو۔ مولانا عبدالباری کی مجالس میں اکثر و بیشتر فقہ حنفی کے مصادر و اعلام اور تحقیقات سے متعلق بحث ہوتی تھی۔ حدیث وفقہ کی نادر مخطوطات کی بہم رسانی کا بھی آپ کو شوق تھا۔ امام محمد کی ''السیر الکبیر'' کے نسخہ پر آپ نے کام کیا۔ کتاب الآ ثار للامام محمد کے رجال کی تحقیق پر رسالہ مرتب کیا۔ احادیث متواترہ جمع کیں۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب ''مصنف'' میں ایک خاص باب امام ابوحنیفہ کے رد میں لکھا ہے جو ایک رسالہ کی صورت میں چھپ بھی گیا ہے۔ مولانا عبدالباری نے امام ابن ابی شیبہ کے اس رد کا جواب لکھا۔ اس کے علاوہ بھی مختصر رسالے آپ نے مرتب کئے جن میں سے ایک مجموعہ گیارہ مقالات پر مشتمل ہے۔

عزیز طلبہ وطالبات!...... آپ نے اب تک ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ان محدّثین کے بارے میں مطالعہ کیا ہے جن کا تعلق شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے مراکز سے رہا۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کا مدرسہ دہلی میں بارہویں صدی ہجری کے آخر تک قائم رہا۔ پھر شیخ سلام اللہ محدّث نے اس کو رام پور منتقل کر دیا اور وہ خود اس کے سربراہ رہے۔ شیخ احمد سرہندی کا مکتب سرہند تھا جو ۱۷۱۰ء سے سکھوں کی لوٹ مار اور غارت گری کا شکار بن گیا۔ اس لیے ۱۷۶۲ء میں یہ بھی رام پور منتقل کر دیا گیا۔ ریاست رام پور کے نوابوں کی شاہانہ فیاضی کی بدولت سرہند اور دہلی کے یہ دونوں مدارس بہت اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ تیرہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی تک علم حدیث کی ترویج وترقی کا فرض انجام دیتے رہے۔ لیکن

۱۲۲۹ھ میں شیخ سلام اللہ کی وفات کے بعد شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کا مدرسہ بند ہو گیا اور دوسرے مدرسہ کے سربراہ شاہ ابوسعید مجددی (م ۱۲۵۰ھ) رام پور چھوڑ کر دہلی چلے گئے اور شاہ عبدالعزیز کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ اس طرح سرہند کا مدرسہ بھی شاہ ولی اللہ کے مرکز میں ضم ہو گیا۔ شاہ عبدالغنی مجددی جو دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کے شیخ ہیں اس متحدہ مکتبِ محدّثین کی ممتاز ترین شخصیت ہیں۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی دونوں بزرگوں کے مکاتب حدیث کا خلاصہ اور ماحصل ہے اور اس میں ان دونوں اداروں کی روح کارفرما ہے۔

مظاہر علوم سہارنپور اپنے قیام اور ترقی کے لیے مولانا مظہر نانوتوی کا مرہونِ منت ہے جو شاہ اسحٰق دہلوی کے شاگرد تھے۔ جب سے یہ ادارے قائم ہوئے ہیں یہ اپنے قابل اور باصلاحیت علماء کی سرکردگی میں منجملہ دیگر علوم اسلامیہ، ہندوستان میں علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام کر رہے ہیں۔ اور نہ صرف ہندوستان کے مختلف صوبوں، بلکہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں سے بھی طلبہ کی ایک بڑی تعداد یہاں تحصیلِ علم کے لیے آتی ہے۔ چنانچہ علمِ حدیث میں خصوصی مہارت وقابلیت حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کے طلبہ، جو پہلے حجاز جاتے تھے اب وہاں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ دونوں ادارے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور اب بھی شیخ مجدّد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی زندہ یادگار کی حیثیت سے برقرار ہیں۔

خود آزمائی ②

۱) شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی حیات وخدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیجئے۔
۲) شاہ عبدالعزیز کی تالیفات پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیجئے۔
۳) شاہ اسحٰق دہلوی کے مرکزِ حدیث کے نتائج واثرات پر بحث کیجئے۔
۴) مولانا مظہر نانوتوی اور مولانا احمد علی سہارنپوری کی علمی خدمات پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
۵) مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا نذیر حسن بہاری کے مراکز حدیث پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کیجئے۔
۶) فرنگی محل اور علم حدیث کے موضوع پر ایک شذرہ تحریر کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

۱- اخبار الاخیار مؤلف عبدالحق دہلوی
۲- نزہۃ الخواطر از عبدالحئی حسنی
۳- مآثر الکرام از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی
۴- تذکرہ علماء ہند از رحمان علی
۵- سیر الاولیاء مؤلف امیر خورد
۶- فوائد الفواد اردو ترجمہ: غلام احمد
۷- تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی
۸- تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ
۹- طبقات ناصری از منہاج السراج
۱۰- ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان
۱۱- الحطۃ فی ذکر صحاح ستہ از نواب صدیق خان
۱۲- معارف العوارف از عبدالحئی حسن
۱۳- خزینۃ الاصفیاء از علام سرور
۱۴- یاد ایام از عبدالحئی حسنی
۱۵- عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز
۱۶- تراجم علمائے حدیث ہند از امام خان نوشہروی
۱۷- حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی
۱۸- مقدمہ اوجز المسالک از مولانا محمد زکریا کاندہلوی
۱۹- نظام تعلیم وتربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی

۲۰- منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی

۲۱- عرب و ہند کے تعلقات از سید سلمان ندوی

۲۲- عربوں کی جہاز رانی از سید سلمان ندوی

۲۳- حیات شبلی از سید سلمان ندوی

۲۴- ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی



یونٹ نمبر (14)

تاریخ استشراق و مستشرقین ❶

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات! اس وقت جو یونٹ آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع ''تحریک استشراق و مستشرقین'' سے ہے۔ جس طرح علمائے حدیث نے حدیث اور علم حدیث کے مصادر وما خذ کی ترتیب وتدوین اور اشاعت کے لیے کام کیا۔ اسی طرح مستشرقین نے بھی حدیث اور علم حدیث کے بہت سارے مصادر پر تدوین اور ترتیب کے پہلو سے کام کیا۔ ان دونوں گروہوں میں فرق یہ ہے کہ علمائے حدیث نے حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے ارادت، عقیدت، محبت اور عبادت کے طور پر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ ان حضرات نے رسول کریم ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حدیث رسول ﷺ کی خدمت کو اپنا مشغلہ بنایا اور اس خدمت میں دن رات مگن رہے۔ جبکہ مستشرقین حضرات کا ہدف محض یہ رہا کہ ان مصادر کی محتویات میں کسی طرح مین میکھ نکالا جائے اور ان لوگوں کے سامنے جو حدیث کے علوم وفنون سے ناواقف ہیں حدیث کا لٹریچر ایسی شکل میں پیش کیا جائے کہ وہ اس کے بارے میں مذبذب اور متردد ہو جائیں۔ مستشرقین نے اس مقصد کے لیے حدیث کے مصادر پر بھی تنقید کی۔ حدیث کے رواۃ کو بھی نشانہ بنایا اور حدیث کے متون کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کر دیا۔ تحریک استشراق کا آغاز کیسے ہوا۔ اس تحریک کے اہداف کیا تھے؟ اس تحریک کے اہم عناصر کون کون سے رہے۔ اس یونٹ میں ان سوالوں کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

تحریک استشراق سے متعلق زیادہ تر مواد عربی اور انگریزی میں ہے اس لیے ہمارے ہاں زیادہ تر طلبہ اس تحریک کے خدوخال سے ناواقف رہتے ہیں۔ آپ اس یونٹ کو توجہ اور انہماک کے ساتھ پڑھیں۔ امید ہے متعلقہ موضوع پر بنیادی نکات آپ کے سامنے آ جائیں گے۔ اگر آپ اس پر تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں تو یونٹ میں دیئے گئے مراجع اور مصادر کی طرف رجوع کیجئے۔ امید ہے کہ آپ اس یونٹ کو مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مستشرقین کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- استشراق کی لفظی اور اصطلاحی مفاہیم کی وضاحت کر سکیں۔
- تحریک استشراق کے ارتقاء کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بات کر سکیں۔
- سترھویں صدی عیسوی کے اہم مستشرقین کے نام بتا سکیں۔
- اٹھارہویں صدی عیسوی میں تحریک استشراق کی نوعیت اور ماہیت پر بحث کر سکیں۔

① مستشرقین

ہمارے ہاں کے علمی اور دینی حلقوں میں مستشرقین کا نام اور ان کا کام اب خاصا مشہور ہو چکا ہے اور اب ایسے بالغ نظر علماء کی کمی نہیں ہے جو مستشرقین کی علمی جدوجہد، ان کی تحقیقی کارناموں اور ان کے اثرات ولوازمات سے واقف نہ ہوں۔ تاہم اسلامی علوم کے حوالہ سے بالعموم اور مطالعۂ حدیث وسیرت کے حوالہ سے بالخصوص، مستشرقین کے کام کی نوعیت، ان کے رویہ اور سلوک اور ان کی کیفیت وکمیت سے عام طور پر بے خبری پائی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علوم اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور اساتذہ اس بارے میں تفصیل کے ساتھ آگاہی رکھتے ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کے بارے میں صورتحال اب پہلے سے مختلف ہو چکی ہے۔ ایک دور تھا کہ اسلام، پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کے لیے مستشرقین کا تعصب اپنے انتہاء پر تھا اور ان کی تحریروں میں بے باکی وگستاخی فحاشی کی حد تک پائی جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ بحیثیت مجبوری مختلف عوامل کے نتیجے میں شدت کم ہوتی چلی گئی۔ مختلف فرقے وجود میں آئے اور انکشاف حقیقت کے ساتھ ساتھ مستشرقین کی جماعت میں کچھ معتدل مزاج مصنفین بھی شامل ہو گئے یہاں تک کہ عہد جدید میں استشراق (Orientalism) اور مستشرقین (Orientalists) مسلم اور غیر مسلم دونوں کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اسلام اور دنیائے اسلام کو بہت غلط طور پر پیش کیا ہے۔ نتیجۃً یہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ جو کچھ نظریات پہلے قائم کئے گئے تھے ان کو بالکل بدلنا ممکن نہ ہو تو ان پر نظر ثانی بہر حال کی جانی چاہئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب بعض مستشرقین نے اپنے نظریات واقعتاً تبدیل کر لیے ہیں۔ مثلاً عہد جدید کے عظیم ترین مستشرق گب کے نظریات، یا دورِ حاضر کے مستشرق اسمتھ وغیرہ۔ اسمتھ لکھتے ہیں:

> ''جدید سائنسی تحقیقات نے بہت سے مفروضات کو باطل قرار دے دیا ہے اور جدید مغرب اب اسلام کے معاملے میں نرم (Soft) پڑ گیا ہے اور معاملہ میں نفی (No) سے رجوع کر لیا ہے''۔

اسمتھ نے H.A.R. Gibb کے بارے میں صاف لکھا ہے کہ وہ قرآن کو وحی الٰہی اور تنزیل ماننے لگا تھا۔ ایک اور مسیحی عالم Kenete Cragg کے متعلق اس کی شہادت ہے کہ وہ قرآن کو مذہبی اعتبار سے مسترد کرنے سے انکاری ہے۔ آگے چل کر اسمتھ نے توقع ظاہر کی ہے کہ آئندہ دور میں غالباً مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سوال وجواب میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔

(Smith, W.C. an understanding Islam, Selected Studies, Mounton Publishers, Hague. 1981 (P 296-299)

1.1 مستشرقین سے متعلق عربی مصادر

اب الحمد للہ صورتحال ایسی ہوگئی ہے کہ مستشرق مشرف بہ اسلام بھی ہو گئے ہیں۔ مثلاً مارٹن (Martin Lings) شن (Schun) اور حامد الگر (Hamid Algar) وغیرہ دنیا کی مختلف زبانوں میں بالعموم اور عربی میں بالخصوص مستشرقین کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے علم وتحقیق کی نوعیت اپنے پرایوں سب پر کھلتی جا رہی ہے بلکہ گزشتہ تین چار عشروں میں تو انگریزی زبان میں بعض کتابوں کی اشاعت نے خود مغربی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ ان کتابوں میں خاص طور پر ایڈورڈ ڈبلیو سعید کی کتاب قابل ذکر ہے۔ مصنف نے استشراق کے تمام مسائل پر مفصل بحث اور جرأت مندانہ تجزیہ کیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سیاسی، معاشرتی، اور ثقافتی حالات، دنیا کے ہر حصہ میں بہت حد تک الٹ پلٹ ہو چکے ہیں۔ علم وتحقیق کی بہت سی نئی راہیں دریافت ہو چکی ہیں اور پرانی نسل کے مقابلہ میں نوجوان نسل فکر ونظر کی نئی تبدیلیوں کی نقیب بنتی جا رہی ہے۔ انگریزی کے علاوہ عربی زبان میں بھی مستشرقین کے حوالہ سے بعض اہم کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ مثلاً

۱- نجیب العقیقی	المستشرقون (۳ جلد)	دار المعارف مصر	۱۹۶۴ھ
۲- احمد، ابراہیم خلیل	المستشرقون والمبشرون في العالم الاسلامی	قاهره	۱۹۶۴ھ
۳- زکریا، ہاشم زکریا	المستشرقون والاسلام	لجنة التعريف بالاسلام جمهورية العربية المتحدة	۱۹۶۵ء

۴-محمد البہی	المبشرون والمستشرقون في موقفهم عن الاسلام	الازهر	
۵-حسین الہراوی	المستشرقون والاسلام	المجلس الاعلى للشئون الاسلامية	۱۹۶۵ء
۶-محمد الدسوقی	الاسلام والمستشرقون	قاهره،	۱۹۷۲ء
۷-عبدالجلیل شلبی	الاسلام والمستشرقون	قاهره،	۱۹۷۷ء
۸-دکتورہ عفاف صبرہ	المستشرقون ومشكلات الحضارة	دار النهضة العربية،	۱۹۸۰ء

ان کتابوں میں سے نجیب العقیقی کی کتاب اہم اور مفصل ترین ہے۔ جو اسم بامسمّٰی ہے اور اس موضوع پر واقعی ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ پوری کتاب تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے بڑی جامعیت کے ساتھ دنیائے مغرب کے تمام اہم علاقوں، فرانس، اٹلی، برطانیہ، اندلس، سویڈن، روس اور امریکہ وغیرہ کے تمام قابل ذکر مستشرقین کے احوال وآثار کو جمع کر دیا ہے۔

1.2 مستشرقین سے متعلق اردو مصادر

جہاں تک اردو زبان میں مستشرقین کی تحقیقات اور اس کے جواب میں تحقیقی کام کا تعلق ہے تو اس لحاظ سے کوئی منظم اور باقاعدہ کام اب تک سامنے نہیں آیا۔ ہاں انفرادی طور پر بعض حضرات نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ مثلاً:

۱) ڈاکٹر محمد حسین .... ''دام ہمرنگ زمین''

۲) پروفیسر احمد رابت .... ''مستشرقین کی بے خبری''
اردو ترجمہ خلیل احمد حامدی

۳) عبدالوہاب حمودی ''مستشرقین اور احادیث رسول''

۴) مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ..... ''مستشرقین اور تحقیقات اسلامی''

مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے یہ مقالہ شام ہمدرد راولپنڈی میں ۱۹۶۹ء میں پیش

کیا جو بعد میں کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔

۵)　ڈاکٹر پیر محمد حسن ...... ''مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت''
مجلّہ ''فکر ونظر'' اسلام آباد۔ شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء

۶)　پروفیسر خواجہ احمد فاروقی ...... ''مستشرقین کے تصورِ اسلام کا تاریخی پس منظر''
ماہنامہ ''معارف''، اعظم گڑھ، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۲ء

۷)　محمد اسد شہاب ...... ''روسی استشراق''
ماہنامہ ''معارف''، اعظم گڑھ۔ شمارہ جولائی ۱۹۸۲ء

۸)　پروفیسر حبیب الحق ندوی ...... ''اسلام اور مستشرقین''
ماہنامہ ''معارف''، شمارہ، مئی، جون، جولائی ۱۹۸۳ء

۹)　فلپ کے حطی ...... ''اسلام اور محمد مغربی لٹریچر میں''
اردو ترجمہ: وحید الدین خان، ماہنامہ ''محدث'' - رسول نمبر ج ۲، ص: ۳۴)

۱۰)　ہندوستان کے مقتدر علمی ادارہ ''دارالمصنفین'' کے تحت ''اسلام اور مستشرقین'' کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار ۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء میں منعقد ہوا تھا جس میں دنیا بھر کے منتخب مسلمان علماء اور دانشوروں نے شرکت فرمائی۔ اور بہت ہی خیالات انگیز مقالات پیش کیے۔ سیمینار میں مستشرقین کے سلسلہ میں جوابی کام کے لیے لائحہ عمل پر بھی غور وفکر کیا گیا۔ اجلاس کی روئیداد ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ میں برابر شائع ہوتی رہی۔ اس سلسلہ کی آخری آٹھویں قسط اکتوبر ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ مستشرقین کی برپا کی ہوئی تحریک استشراق کا جواب، اردو زبان وادب میں اب تک نہیں دیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس صدی کی ابتداء میں اس موضوع پر جو اکا دکا کام شروع ہوا تھا اور پھر جسے علامہ شبلی نعمانی نے مؤثر بنانے کی کوشش کی تھی اس کا رنگ آہستہ آہستہ پھیکا اور آہنگ روز بروز مدہم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اب صورتحال بہت ہی مختلف ہوگئی ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ادھر مغربی، یورپی مستشرقین کی سرگرمیاں تو لب ولہجہ کے فرق کے ساتھ تا حال جاری وساری ہیں اور ان کے عزائم ومقاصد میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ لیکن ادھر ہماری طرف انتظام واہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ علامہ

شبلی نے مستشرقین کی علمی تحقیقات اوران کے معیار کی جونشاندہی کی ہے اوران کی تصانیف کو جس طرح جھوٹ کا پلندہ قرار دیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ مستشرقین کی کتابوں کو کنگھالا جاتا اور تمام علوم اسلام یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ اسلامی اور سیرت کے باب میں واقفیت تامہ حاصل کر کے، ان کی غلطیوں، بددیانتی اور تلبیس وتحقیق کا پردہ چاک کیا جاتا اور اس ضمن میں بڑے پیمانہ پر ایک منظم کام کا نقشہ بنایا جاتا مگر ایسا نہیں ہو سکا بلکہ المیہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت وشدت کو سمجھا نہیں گیا۔ نہ ایسے ادارے وجود میں آئے جو اعلیٰ سطح پر علم وتحقیق کی سرپرستی کرسکیں اوران کی کوششوں کو متحد ومنظم کرسکیں جو انفرادی واجتماعی اور نجی وسرکاری مختلف پیمانوں پر کی جاتی ہیں۔ ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں اس معیار کی علمی وفنی تیاری نہیں پائی جاتی جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز ہے کہ مستشرقین کے حملوں کا دفاع محض عبارت آرائی یا جوابی الزام تراشی سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے اس تیاری کی ضرورت ہے جس قسم کی تیاری خود مستشرقین نے کی تھی۔ مثلاً علم وتحقیق کے اداروں کا قیام، مختلف زبانوں کی تحصیل، تجسس وتفحص کے آداب، فنی مہارت اور جدید تکنیک سے واقفیت، ادب وثقافت کا گہرا مطالعہ، ضروری علوم وفنون سے دلچسپی، مشنری جذبہ، متعین مقاصد اور انتھک محنت وریاضت وغیرہ۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ مستشرقین کی تحریک کو بڑی حد تک تقویت خود ان مسلمان محققین وعلماء کے رویہ سے مل رہی ہے جو دنیائے مغرب کے مختلف اداروں میں حصول تعلیم وتحقیق کے لیے جاتے ہیں تو وہاں کے احوال ومناظر سے اس درجہ متاثر ومرعوب ہو جاتے ہیں کہ انہی کے ہم آواز ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی فکر، اپنی روایات واقدار اور معمولات واعمال سے بھی ہاتھ دھو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اس ضمن میں کہتے ہیں کہ

> ''ادھر دنیائے مشرق کے علماء، مغربی علماء اور مستشرقین پر اپنا علمی رعب قائم کرنے سے قاصر رہے ہیں بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مشرق میں مستشرقین اور علمائے مغرب کو اعزاز واستناد حاصل ہے اور اس درجہ حاصل ہے کہ شام، عراق، مصر وغیرہ میں علمی وتحقیقی اداروں کی رکنیت انہیں پیش کی جاتی ہے۔ ان کے مشورے اور آراء کو خاص وقعت دی جاتی ہے اور عربی واسلامی دنیا کے افلاس کا یہ عالم ہے کہ خود مستشرقین کی تحقیقات ومطالعات اور تجزیات پر اندھا اعتبار کیا جاتا ہے اوران کی دریافت کو حرف آخر سمجھا جاتا ہے''۔

② استشراق

2.1 لفظی اور اصطلاحی مفہوم

استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحیں لفظی لحاظ سے بہت زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ انگریزی زبان وادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارہویں صدی کے آواخر میں شروع ہوا۔ چنانچہ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالا دونوں الفاظ Orient سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں ''شرق، یا مشرق یا مشرقی سمت جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے''۔

پھر اس سے Oriental ہے یعنی مشرقی، جو تمام معنوں میں مغربی Occidental کا ضد ہے۔ اس لحاظ سے مستشرق سے مراد وہ شخص ہے جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب وثقافت اور تہذیب وتمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہو۔

عربی میں ''استشراق'' کے لغوی معنی ہیں بہ تکلف مشرقی بننا اور مستشرق کا مطلب ہوگا وہ شخص جس نے بہ تکلف مشرقیت اختیار کی۔ اردو زبان میں بھی مستشرق کا مفہوم یہی ہے یعنی وہ یورپین اور امریکن سکالر، جو مشرقی زبان یا علوم کا ماہر ہو۔ مستشرقین کی اصطلاح اگر چہ زیادہ تر ان غیر مسلم مصنفین کے لیے استعمال ہوتی ہے جن کا تعلق یورپین ممالک سے ہو اور انہوں نے اسلام کے بارے میں کچھ لکھا ہو۔ لیکن زیادہ وسیع مفہوم میں وہ تمام غیر مسلم مصنفین بھی آتے ہیں جنہوں نے اسلام کے بارے میں بالعموم اور حدیث وسیرت کے بارے میں بالخصوص لکھا ہو۔ (ڈاکٹر عفاف صبرہ، المستشرقون ومشکلات الحضارۃ: ص۹)

زبان ولغت کی بحث سے استشراق اور مستشرق کا مفہوم اگر چہ ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے۔

تاہم استشراق کی اصل حقیقت اس وقت سامنے آئی جبکہ استشراق السنۂ شرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم وآداب کے مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا۔ پھر یہی بغض وعناد پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین

مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ گویا اس دوسرے مرحلہ میں استشراق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک کی شکل اختیار کر لی اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری اور بنیادی مباحث کو موضوع سخن بنایا گیا۔ مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہوسکتیں۔ قدیم تہذیبوں، قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شمالی افریقہ، اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا تا کہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے چیلنج بن سکیں۔ عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی دور جدید کی ضروریات وحالات سے مطابقت پیدا نہیں کرسکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہئے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔ پیغمبر اسلام کے اقوال وافعال اور سیرت وکردار کے بارے میں اُن نکات کو اچھالا گیا جن سے عام ذہن کے لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں۔ اور ان کے لائے ہوئے متن کو نا قابل توجہ اور غیر اہم گردانا جائے۔ اسلامی تہذیب وثقافت کی تعمیر وترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تا کہ اسلامی ثقافت مجموعۂ خرافات ٹھہرے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "Islam & Western Orientalists" میں اس موضوع کے بعض اہم نکات کی وضاحت کی ہے۔

2.2 مستشرقین اور پیغمبر اسلام

ان تمام تجزیات ومطالعات کا ہدف بہرحال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکمت عملی تبدیل ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت، علمیت، اور استدلال کے اوزان وپیمانے استعمال کرنے لگے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظر ثانی کی اور بدنیتی کے باوجود مخالفت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے ان کے ہاں علم، تجربہ، اندازِ استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی وانسلاک کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں۔ اور اسی لحاظ سے ان کے فکر وفن اور تحقیق وتالیف

کا معیار بھی جدا جدا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے مصنفین یورپ کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے اور تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''ان میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو عربی زبان اور اصل مآخذ سے واقف نہیں۔ دوسرے وہ مستشرقین ہیں جو عربی زبان اور علم، ادب، تاریخ، فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر مثلاً تفسیر، حدیث اور سیرت واصول کے فن سے ناآشنا ہیں۔ تیسری طرف وہ مستشرقین ہیں جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے لیکن جب حدیث اور سیرت رسول ﷺ پر قلم اٹھایا تو کذب وافترا اور تاویل وتعصب کی بھرمار کر دی''۔
> (سیرۃ النبی ﷺ، ج۱،ص:۹۵-۹۷)

زبان ولغت کی بحث سے استشراق اور مستشرق کی نوعیت وماہیت اگرچہ کسی قدر واضح ہو جاتی ہے تاہم استشراق، السنۂ شرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم وآداب کے یک رخی مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا۔ پھر یہی بغض وعناد، پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اب مستشرقین کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کریں۔ اسلام کی حقانیت اور اسلام کے ساتھ اہل اسلام کی جذباتی لگاؤ کو کم کرنے کے لیے مناسب دلائل تلاش کریں۔ مسیحیت کو عالم اسلام میں ایسی شکل وصورت دے کر پیش کریں کہ اس میں کشش اور جاذبیت ہو۔ مشنری سرگرمیوں کو منظم اور مربوط کریں اور خاص کر عالم اسلام میں مشنریز کا مربوط جال (Network) پھیلانے کے لیے مالی اور مادی وسائل جمع کریں اور انہیں بروئے کار لائیں۔ یوں لگتا ہے کہ اس دوسرے مرحلہ میں استشراق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری مباحث کو موضوع سخن بنایا گیا۔ مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تأثر دینے

ی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم تہذیبوں اور قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شمالی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا۔ تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے چیلنج بن سکیں۔ عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی عہد جدید کی ضروریات وحالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہئے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔ پیغمبر اسلام کی سیرت وکردار کے بارے میں ان نکات کو اچھالا گیا جن سے عام ذہن کے لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں اور ان کے لائے ہوئے مشن کو ناقابل التفات گردانا جائے، اسلامی تہذیب وثقافت کی تعمیر وترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت مجموعۂ خرافات ٹھہرے۔ ان تمام مطالعات کا ہدف بہرحال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکمتِ عملی تبدیل ہوتی رہی اور مرور ایام کے ساتھ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نقل کر عقلیت، عملیت اور استدلال کے اوزان وپیمانے استعمال کرنے لگے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظر ثانی کی اور بدنیتی کے باوجود مخالفت اور مخاصمت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے ان کے ہاں علم، تجربہ، اندازِ استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کے فکر وفن اور تحقیق وتالیف کا معیار بھی جدا جدا ہے۔

2.3 تحریک استشراق کا آغاز

تحریک استشراق کو اگر خلاف اسلام سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو یہ امر واقعہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل پہلی صدی ہجری کے آغاز میں ہی ہو گیا تھا۔ اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی، اہلِ مغرب کی طرف سے، اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام کے خلاف بالخصوص، بغض وعداوت کا اظہار موقع بر موقع تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور وفورِ جذبات سے سرشار، رومی،

بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایات صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ افواہوں کی شکل میں اڑتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر و تصنیف کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی آئندہ نسلوں کا سرمایۂ افتخار قرار پائیں۔ چنانچہ ظہور اسلام کے بعد سے کوئی چار ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور بانی اسلام کے حوالہ سے ان کی مخالفت ومخاصمت کا عام انداز یہی رہا اور اس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی مغربی دنیا اس قابل نہ ہو سکی کہ حقائق وواقعات کا صحیح ادراک کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ وثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔ اس صورت حال کا ایک بظاہر سبب، ان کے دلی جذبات کے علاوہ یہ تھا کہ صحیح معلومات کے لیے اصل مآخذ تک رسائی ممکن نہ تھی، پھر تعصب، سنی سنائی باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انہیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں اور ان کی تعلیمات وارشادات اور ہدایات کو سمجھ سکیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ تصادم وکشمکش کے وہ واقعات تھے جو تاریخ میں بار بار دہرائے گئے۔ اس تصادم کی تفصیلات کا مطالعہ کرنے کے لیے پروفیسر ظفر علی قریشی کا مقالہ بہت مفید ہے جو ماہنامہ ''اسلامک لٹریچر'' (اپریل تا اکتوبر ۱۹۶۸ء) میں طبع ہوا ہے۔ تصادم اور کشمکش کے واقعات کے علاوہ بعد کے دور میں صلیبی جنگوں کا سلسلہ دشمنی اور عداوت کا ایسا نشہ ان پر طاری کر گیا ہے جو آج تک نہیں اترا۔ صلیبی جنگوں کے طویل مہمات میں دنیائے مغرب کی ناکامی سے نہ صرف یہ کہ یورپ کی مشترکہ فوجی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی بلکہ یہی شکست اس بات کا سبب بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسپا ہونے کے بعد ذہنی اور فکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو نقصان پہنچایا جائے۔ (صلیبی جنگوں میں پہل خود مسیحیت کی طرف سے ہوئی اور پوپ اربن ثانی کے خطبۂ جنگ ۱۰۹۵ء کے بعد ہی میدان جنگ گرم ہوا۔ یہ جنگیں ۱۰۹۹ء سے ۱۴۶۴ء تک جاری رہیں۔ اس موضوع پر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے مقالہ کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ یہ مقالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور کی جلد نمبر ۱۲ میں طبع ہوا ہے۔ ص ۲۰۹ تا ۲۲۱)

فکری محاذ پر دنیائے اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیر اس سے بہتر اور کوئی نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقائد، شریعت کے بنیادی مصادر، پیغمبر اسلام اور اسلامی معاشرہ کو ہدف تنقید بنایا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے

جذباتی طوفان پہلے سے موجود تھا۔ پھر لاطینی آبادکار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ علم اور معلومات رکھتے تھے وہ کتنی ہی بے بنیاد اور ناکارہ سہی، بہر حال مفید مطلب تھیں۔ جن کی مدد سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جا سکتا تھا اور سیرت رسول اللہ ﷺ کو افراط وتفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیالی اور قیاسی انداز سے پیش کیا جا سکتا تھا۔

اس پورے عرصہ میں بحیثیت مجموعی، اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں، مغرب کے پاس معلومات انتہائی ناقص اور مبہم تھیں اور اس خلاء کو افسانہ طرازی اور دیومالائی کہانیوں سے پر کیا گیا۔ اس افسانوی اور دیومالائی مواد کے بھی دو حصے تھے ایک حصہ تو وہ تھا جس کے تحت رسول اللہ ﷺ کے واقعات سیرت کو پیکر خیال میں پیش کیا گیا۔ اور دوسرا حصہ وہ تھا جس کی اپنی کوئی اصل اور حقیقت نہ تھی بلکہ وہ مغربی ذہن کی ایجاد اور کذب وافتراء سے عبارت تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا: ج ۱۲، ص ۶۰۵ - ۶۰۹)

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ تو کئی مستشرقین نے کیا۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر جان آف دمشق ہے۔ جان آف دمشق کا زمانہ ۷۰۰ء تا ۷۵۴ء تھا۔ جان بنیادی طور پر ایک مذہبی عالم، مصنف، مشرقی کلیسا کا فارغ التحصیل، راہب اور پادری تھا۔ جان کو بازنطینی روایات کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ پہلے اسی نے بھڑکائی۔ جان آف دمشق اور اس کے پیروکاروں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف انتہائی نامناسب رویہ اپنایا اور آپ ﷺ کے بارے میں ایسے الفاظ وکلمات استعمال کئے جن کے استعمال کی توقع عام طور پر شائستہ، مہذب اور پڑھے لکھے افراد سے نہیں کی جاتی۔ جان ہی وہ پہلا مشنری تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر جنسی الزامات لگائے۔ جان کے بعد آنے والے قرون وسطی کے بیشتر مستشرقین نے بھی جان کا تتبع کرتے ہوئے تصویر رسول ﷺ کو خوب بگاڑا۔ گھسے پٹے الزامات عائد کئے اور چبائے ہوئے نوالوں کو پھر سے چبایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظہور اسلام کے بعد کئی صدیوں تک بھی مسیحی نفرت وعداوت کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی اور اہل مغرب رسول اکرم ﷺ کو بدستور جھوٹا اور مکار قرار دیتے رہے تھے کہ اتنے میں صلیبی جنگوں کے طویل سلسلہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ صلیبی جنگوں

میں صلیب کو شکست ہوئی اور تمام تیاریوں کے باوجود دنیائے اسلام کو نقصان پہنچانے کا منصوبہ ناکام ہوا۔ اور انہوں نے دیکھ لیا کہ میدان جنگ میں رسد، کمک اور سامان جنگ کی فراوانی کے باوجود وہ مسلمانوں کا زیادہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے، تو پھر انہوں نے کمال عیاری سے اسباب، وسائل اور تدبیر و حکمت عملی کو یک سر بدل ڈالا اور گویا یہ فیصلہ کر لیا کہ جنگ جیتنے کے لیے نیا ترکش، نئے تیر استعمال کئے جائیں۔ اور ''گرم جنگ'' نہ سہی، ''سرد جنگ'' میں مسلمانوں کو زیر کیا جائے۔ اور یہ سرد جنگ مادی ہتھیاروں سے نہیں، علم و تحقیق کے معنوی ہتھیاروں سے لڑی جائے۔ شائد اس لیے رائمنڈ لل (Raymond Lull) نے اہل مغرب کو سب سے پہلے مشرقی علوم کی تحصیل پر آمادہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''ایک پر امن صلیبی جنگ جاری رکھی جائے جس کا اسلحہ اور ساز و سامان خالص روحانی ہو''۔

نوٹ: اس بحث کی تفصیل کے لیے بارکر، اینسٹ کی کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ اس کتاب کا ترجمہ مولانا عبدالمجید سالک نے ''حروب صلیبیہ'' کے نام سے کیا ہے۔ یہ کتاب مجلس ترقیٔ ادب، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

2.4 سولہویں صدی عیسوی اور تحریک استشراق

سولہویں صدی عیسوی میں بالآخر وہ مرحلہ آ گیا جبکہ ایک طرف تو عیسائیوں کے مختلف فرقوں کا اتحاد ہوا سب نے مل کر اسلام کو اپنا واحد مشترک دشمن قرار دیا۔ اور ایک متحدہ رومن کیتھولک چرچ کی بنیاد رکھی گئی اور دوسری طرف یہ طے کیا گیا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس محاذ پر پہلے صرف عیسائی، یہودی، راہب، پادری، قصہ گو، مناظر اور شاعر وغیرہ ڈٹے ہوئے تھے اب ان کی جگہ مغربی دنیا کے وہ عقلاء، علماء اور فضلاء لیں گے جو کلاہ علمی سے آراستہ ہوں گے اور درس و تدریس کی مسندوں پر فائز ہو کر دادِ تحقیق دیں گے۔ تا کہ ادھر ان کے ان دیکھے جذبات نفرت و عداوت بھی تسکین پائیں اور ادھر علم و تحقیق کے حوالے سے ان کا رعب و دبدبہ قائم ہو جائے۔ چنانچہ یہی ضرورتیں گیام پوسٹل (Guillaume Postal) کو سامنے لائیں۔ (گیام پوسٹل فرانسیسی

مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۵۱۰ء تا ۱۵۸۱ء ہے۔ پوسٹل کا اصل کام ابجدیات پر ہے یہ اپنے زمانے کا زبردست مسیحی عالم تھا۔ ایڈورڈ سعید نے لکھا ہے کہ پوسٹل اور ارپی نیوس دونوں کا شمار یورپی نشاۃِ ثانیہ کے مستشرقین میں ہوتا ہے۔ پوسٹل اس بات کا مدعی تھا کہ وہ اپنی زبان دانی کے سبب ایشیا سے لے کر چین کی سرحدوں تک بغیر کسی مترجم کے سفر کر سکتا ہے)۔ پوسٹل، جو عام طور پر مستشرقین یورپ کا باوا آدم شمار ہوتا ہے۔ وہ پہلا اصولی مستشرق تھا جس نے تحریک استشراق کو منظم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور بطورِ خاص لغت ولسانیات کے حوالہ سے اہم خدمات انجام دیں۔ پوسٹل ہی کے لیے ۱۵۳۹ء میں کلیۂ فرانس (College de France) قائم کیا گیا۔ اور وہ عربی کی پہلی کرسی ءصدارت پر فائز ہوا۔ گیام پوسٹل کے کام کو لغت ولسانیات کے ہی مکرر حوالے سے اس کے لائق وفائق شاگرد جوزف سکالیجر (Joseph Scaliger) نے آگے بڑھایا۔ بہر حال کم وبیش پینتالیس سال کی تیاری کے بعد ۱۵۸۶ء میں عربی مطبوعات کا سلسلہ یورپ میں شروع ہوا۔ جس کا سہرا بڑی حد تک ڈیوک آف یسکانی (Duke ofyuscany) کے سر ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: العقیقی: ج ۱، ص ۱۶۰)

خود آزمائی ①

۱) مستشرقین سے مراد علماء کی کون سی جماعت ہے؟ اس ضمن میں تفصیل بیان کیجئے۔

۲) مستشرقین سے متعلق عربی مصادر کی نشاندہی کیجئے؟

۳) مستشرقین سے متعلق اردو زبان میں جو کتابیں دستیاب ہیں ان کی فہرست تیار کیجئے۔

۴) استشراق کا لفظی اور اصطلاحی مفہوم کیا ہے؟ وضاحت کیجئے۔

۵) مستشرقین کا پیغمبر اسلام کے بارے میں کیا موقف ہے؟ اس بارے میں تبصرہ کیجئے۔

۶) تحریک استشراق کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ اس موضوع پر اختصار کے ساتھ گفتگو کیجئے۔

③ تحریکِ استشراق کا ارتقاء

تحریک استشراق کے حوالہ سے سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ زمانہ اس تحریک کے ارتقاء اور اس کے پھلنے پھولنے کا عہد ثابت ہوا۔ جہاں تک سترھویں صدی کا تعلق ہے تو یہ یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے اور یورپ کی جدوجہد، سعی وکشش اور حریت وآزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ پھر یہ عروج استعمار کی صدی ہے جس کے پنجۂ استبداد میں رفتہ رفتہ عالم اسلام آتا چلا گیا۔ یورپ کے متمول افراد کی سرپرستی میں اسلامی مطبوعات کے بارے میں معلومات جمع کی جانے لگیں۔ عربی زبان کی ماہیت اور خاصیت کو سمجھنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ارپی نیس (Erpeinuss,1584-1624) نے پہلی عربی کی قواعد شائع کی جو لغوی اصولوں پر مرتب کی گئی تھی۔ پھر اس کی پیروی کرتے ہوئے اس کے شاگرد جیکب جولیس (Jacob Goluis, 1596-1667) نے بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ (روڈنسن: ص ۳۶)

3.1 ایڈورڈ پوکاک (EdwardPocoke)

پھر ۱۶۳۸ء میں ایڈورڈ پوکاک (Edward Pocoke, 1604-1691) پہلا انگریز مستشرق تھا جسے آکسفورڈ میں شعبۂ عربی کا صدر نشین بنایا گیا۔ (پوکاک انگلستان کا ایک مشہور عربی دان مستشرق تھا جو بلادِ مغرب میں سترھویں صدی کے مستشرقین میں ایک بلند مرتبہ رکھتا تھا وہ ایک پادری کا بیٹا تھا جو ۱۶۰۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۴۱ء میں واپس آکسفورڈ آیا اور باقی عمر وہیں صرف کر دی۔ اس نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ پوکاک کے علمی کارناموں نے یورپ میں عربی علوم کی تحقیقات کے لیے ایک نیا باب کھول دیا)۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ج ۵، ص ۷۰۷)

پوکاک کے علاوہ عربی زبان کے قواعد اور لغت کا کام آسٹریا کے میننسکی (Loniuner Franz

(Meurnski) نے بھی ۱۶۸۰ء میں انجام دیا۔ اس کے علاوہ اسلامی علوم اور تہذیب و تمدن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک ادارہ ہربیلوٹ (Herbelot) کی سرکردگی میں قائم کیا گیا۔ اس ادارہ نے ایک اہم کام یہ کیا کہ اس وقت تک جس قدر بھی مشرقی علوم پر کتابیں شائع ہوتی تھیں ان کی ایک باقاعدہ فہرست مرتب کر کے شائع کر دی۔ سترہویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عامیانہ خیالات اور سنی سنائی باتوں کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام اور مصادر شریعت کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔ گو مصادر کے اقتباسات میں اپنے تجزیات اور خیالات کو بھی شامل کیا گیا۔ اس صدی میں مستشرقین کے رویہ اور سلوک میں اس تبدیلی اور فرق کی اصل وجہ گویا ان کے مآخذ بدل جانے میں مضمر تھی۔ ازمنۂ وسطی کی روایتی لاطینی اور بیزنطینی مواد کی سیاہیوں میں اسلامی اور عربی مصادر نے روشنی پیدا کی اور انہوں نے اس تضاد کو بھی سمجھ لیا جو سیاحوں کے سفرناموں کے اندراجات، ان کے تصورات اور اصل حقائق کے مابین پایا جاتا تھا۔ (اسلام اور مستشرقین، مؤلفہ عبیدالحق ندوی: ص ۳۴۶)

3.2 ولیم بیڈول (Bedwell. W)

انگریز مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۵۶۱ء تا ۱۶۳۲ء ہے۔ اس نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک عربی لغت جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اور ۱۶۱۰ء سے پہلے شائع ہوئی۔ دوسری سیرت رسول پر کتاب، جو لندن سے ۱۶۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا مواد گستاخانہ ہے

3.3 واٹیئر (Vattier. P)

فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۶۱۳ء تا ۱۶۶۱ء ہے۔ عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اس نے کئی کتابوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

3.4 ہاٹنجر (Hottinger D.H.)

سوئٹزرلینڈ کا مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۶۲۰ء تا ۱۶۶۷ ہے۔ اس نے مشرقی تصانیف کی ایک فہرست تیار کی جو ہائیڈلبرگ سے ۱۶۵۸ء میں شائع ہوئی۔

3.5 ڈاکٹر ہنری اسٹب (Dr. Henry Stubbe)

سترہویں صدی کا مشہور مستشرق (۱۶۳۱ء تا ۱۶۷۶ء) ہے۔ ڈاکٹر اسٹب پہلا مستشرق ہے جس کے رویہ میں ایک حد تک اعتدال نظر آتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "An account of the rise and progress of Mohammetanism" میں ان مستشرقین کے رویہ اور سلوک پر تنقید کی ہے جو انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق اپنایا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: اسٹب کی کتاب: ص ۱۴۹ اور ص: ۱۹۵)

3.6 جین بررڈ (Genebrard)

جین بررڈ (Genebrard) کا زمانہ اگرچہ ۱۵۳۵ء تا ۱۵۹۷ء تھا۔ لیکن اس کا موقف سترہویں صدی میں عام ہوا۔ وہ ایک مشہور کیتھولک مناظرہ باز تھا۔ اس نے عربی زبان کو وحشیانہ زبان قرار دیا ہے اور قرآن مجید کو زبان کے پہلو سے ہدف تنقید بنایا ہے۔

۱۶۳۵ء میں الیگزینڈر روس (Alexender Ross) نے اپنی کتاب "Pandeblis" شائع کی۔ اس کتاب کا تعلق اگرچہ تقابل ادیان سے ہے۔ تاہم اس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں کچھ مواد پایا جاتا ہے۔

3.7 لینسلوٹ ایڈیسن (Lancelot Addison)

لینسلوٹ ایڈیسن (Lancelot Addison) نے ۱۶۷۹ء میں اپنی کتاب "The life and death of Muhammad" شائع کی۔ اس کتاب کے مصادر مستشرقین کے خیالات اور خرافات تھے۔

3.8 ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Pridcaux)

ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Pridcaux) نے رسول اللہ ﷺ کی سوانح لکھی۔ لیکن اپنے دامن کو وہ بھی خرافات سے نہ بچا سکا اور دوسرے مستشرقین کی طرح اس نے بھی آپ ﷺ کی ذات پر بے بنیاد الزامات لگائے۔ اس کتاب کو یورپ میں بڑی مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ ایک ہی سال ۱۶۹۷ء میں اس کے دو ایڈیشن چھپ گئے تھے اور فرانسیسی ترجمہ بھی ۱۶۹۸ء میں ہو گیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: نجیب العقیقی کی کتاب: ج ۲، ص ۴۶۴)

④ تحریک استشراق اور اٹھارہویں صدی عیسوی

اٹھارہویں صدی عیسوی کے دوران بھی تحریک استشراق منازلِ ارتقاء طے کرتی رہی۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کو اپنے مال واسباب کی قیمت اور ساز وسامان کی حقیقت معلوم ہوتی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تمام تر مذہبی، مشنری، سیاسی اور استعماری عزائم کے باوجود مستشرقین کے رویہ میں کچھ لچک اور نرمی پیدا ہوگئی۔ اس نرمی اور لچک کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان میں سے چند کا رویہ، اسلوب اور اندازِ بیان بدلا اور نسبتاً انصاف پسندی سے کام لیا۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ولندیزی مستشرق ریلان (H. Reland) ہے۔ جس نے ۱۷۰۴ء میں اپنی کتاب (Pe Religone Mohammdica) کے نام سے لکھی۔ اپنی تالیف میں ریلان نے اپنے ہم مشربوں سے مطالبہ کیا کہ "ہم مشرق کو اس کے اپنے اصل ماخذ کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہیں"۔ اور یہ بھی کہا کہ: ہمیں اسلام کو بھی "تاریخی انصاف" کی ترازو میں تولنا چاہئے۔

پیر بائل (Pierie Bayle) اور بولین ولیرز (Baulonillars) نے بھی ریلان کی آواز میں آواز ملائی۔ بولین ولیرز کی کتاب فرانسیسی زبان میں Vie dé Mohamet کے نام سے ۱۷۳۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اندازِ بیان بہت معذرت خواہانہ ہے۔ بقول مولانا عبیدالحق ندوی، یہ کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی جانب پہلی دوستانہ کاوش تھی جو مسیحی یورپ میں ظاہر ہوئی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں مستشرقین کی ذاتی اور انفرادی کاوشوں کے علاوہ، سرکاری اور اجتماعی سطح پر بھی سرگرمیاں منظم کی گئیں۔ خاص کر اس صدی کے اواخر میں ان رجحانات نے زیادہ زور پکڑا۔ مولانا شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوت سیاسی اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہوگئی۔ جس نے "اورینٹلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کر دی۔ جنہوں نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ شرقیہ کے مدارس کھولے۔ مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں۔ ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں۔ مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کے سامان پیدا کئے۔ اورینٹل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔ اور آخر کار ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درس گاہیں اور انجمنیں جاری ہوگئیں۔ عام یونیورسٹیوں میں عربی

زبان کے پروفیسرز اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔ (سیرۃ النبی ﷺ: ج ا،ص ۹۰)

السنۂ شرقیہ کے علاوہ مسلمانوں کے سائنسی علوم پر علمی و تحقیقی کام کی غرض سے پیرس میں ۱۷۹۵ء میں ایک ادارہ "Eco le des Langues Orientals Vivanless" قائم کیا گیا۔ اس کے تحت اضافی طور پر مشرقی زبانوں کے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کی گئیں۔

اٹھارہویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ استشراق (Orientalism) اور مستشرق (orientalist) کی اصطلاحوں کا رواج اسی زمانے میں شروع ہوا۔ چنانچہ انگلستان میں ۱۷۷۹ء کے لگ بھگ اور فرانس میں ۱۷۹۹ء کے قریب ''مستشرق'' کی اصطلاح رائج ہوئی۔ اور پھر جلد ہی ''استشراق'' نے بھی رواج پایا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد ۱۸۳۸ء میں فرانس سے شائع ہونے والی اس لغت میں بھی یہ اصطلاح درج کی گئی جس کا نام تھا Dictionnairo del Academic Francaise (فرانسیسی کی لغت علمی) اور اس میں مندرج ہوا: Orientalism۔ (روڈنسن: ص ۴۷)

اس اصطلاح کے استعمال اور رائج ہونے کے ساتھ ایک مخصوص تصور اور مخصوص سلوک اور رویہ (Discipline) نے بھی جنم لیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے مشہور مستشرقین میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

4.1 سائمن اوکلے (Oklay S.)

اوکلے انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ ۱۶۷۸ء تا ۱۷۲۰ء ہے۔ اس کی کتاب مسلمانوں کی تاریخ پر "History of the Saracens" کے نام سے ۱۷۰۸ء تا ۱۷۱۸ء شائع ہوئی۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جبکہ مستشرقین کے نتائجِ تحقیق کو عام لوگوں کی رسائی کے قابل بنایا گیا۔

4.2 ایڈورڈ پوکاک (Pococke, E.)

انگریز مستشرق تھا جس کا دور ۱۶۴۸ء سے ۱۷۲۷ء تک ہے۔ اس کا ایک ہم نام مستشرق سترہویں صدی میں بھی رہا۔ جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

4.3 جارج سیل (Sale G.)

انگریز مستشرق، جس کا زمانہ ۱۶۹۷ء تا ۱۷۳۶ء تھا۔ اس نے ۱۷۳۴ء میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کیا۔ اسلام کے بارے میں بہت متعصب تھا۔ اس نے اسلام کو فاسد مذہب قرار دیا۔

4.4 جین گیجنیئر (Gagnier, J.)

گیجنیئر انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ ۱۶۷۰ء سے ۱۷۴۰ء تک تھا۔ اس نے دو کتابیں شائع کیں۔ ان دونوں کتابوں کا مقصد بولین ولیر کی اس تنقید کو رد کرنا تھا جو اس نے مستشرقین پر کی تھی۔ بولین ولیئر چونکہ معتدل مزاج اور انصاف پسند مستشرق تھا اس لیے گیجنیئر اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔

4.5 رسک (Reiske, J. J.)

رسک جرمن مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۷۱۶ء سے ۱۷۷۴ء تک تھا۔ وہ جرمنی کا کلاسیکی لغوی اور عربی سکالر تھا۔ اور یونانی زبان وادب پر سند مانا جاتا تھا۔

4.6 ایڈورڈ گبن (Gibbern, E)

انگریز مؤرخ تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۴ء تھا۔ اپنی کتاب تاریخ زوال رومہ کے لیے خاص شہرت کا حامل ہے۔ گبن جدید انگریزی تاریخ نگاری کا معمار ہے۔ اس نے ۱۷۵۰ء میں کتاب مذکور کے پچاسویں باب میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں نہایت دل سوز رائے کا اظہار کیا ہے۔ اور رواداری کے دعویٰ کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بہت ہی نامناسب الفاظ اور زبان استعمال کی ہے۔

4.7 والٹیئر (Voltaire Fr.)

والٹیئر فرانسیسی مصنف تھا اس کا دور ۱۶۹۴ء سے ۱۷۸۷ء تک تھا۔ اس نے پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنا مشہور ڈرامہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا: "Le Famatisme on Mohammaticv Prophete" یہ ڈرامہ اگرچہ تاریخی لحاظ سے بے بنیاد تھا تاہم یہ امر ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ اس وقت تک مستشرقین

شریعت اسلامی کی باریکیوں سے واقف نہ ہوئے تھے۔ یہ ڈرامہ ۱۷۴۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس نے نہ صرف اسلام کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کیا بلکہ یورپ کے ان تمام مستشرقین کی شدت کے ساتھ مذمت کی جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی جانب نرمی اور لچک کا رویہ اختیار کیا۔ یا انصاف کا مطالبہ کیا۔ والٹیر نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف انتہائی ناشائستہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی۔ اور اسلام کو وحشی اور فاسد مذہب سے موسوم کیا۔ اس نے اس ڈرامہ کو پوپ (چہاردہم) کے نام سے منسوب کیا۔ اور اس کے مقدمہ میں اسلام کے خلاف خوب زہر اگلا اور دل کی بھڑاس نکالی۔ پھر اپنے مقالات کے مجموعے میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا۔ یہ مجموعہ ۱۷۵۶ھ میں شائع ہوا۔

والٹیر کی شخصیت اور تالیفات کا اثر دوسرے مستشرقین پر بھی پڑا۔ چنانچہ ڈیڈی روٹ نے اسلام کے خلاف اپنی تحریروں میں وہ انداز اختیار کیا کہ والٹیر کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔

خود آزمائی ②

۱) تحریک استشراق کا ارتقاء کس صدی عیسوی میں ہوا؟ اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔
۲) ایڈورڈ پوکاک، ولیم بیڈول اور والٹیر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بتادیجئے۔
۳) ڈاکٹر ہنری اسٹب، ایڈیسن اور ہمفرے کا تعارف کیجئے۔
۴) سائمن اوکلے، پوکاک اور جارج سیل نے تحریک استشراق کو کیا رخ دیا؟ بحث کیجئے۔
۵) گیجنیئر، رسک اور گبن کی تحریک استشراق کے لیے کیا خدمات ہیں؟ تبصرہ کیجئے۔



یونٹ نمبر⑮

تاریخ استشراق ومستشرقین ❷

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات! اس وقت جو یونٹ آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع ''تحریک استشراق و مستشرقین'' سے ہے۔ جس طرح علمائے حدیث نے حدیث اور علم حدیث کے مصادر وماً خذ کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کے لیے کام کیا۔ اسی طرح مستشرقین نے بھی حدیث اور علم حدیث کے بہت سارے مصادر پر تدوین اور ترتیب کے پہلو سے کام کیا۔ ان دونوں گروہوں میں فرق یہ ہے کہ علمائے حدیث نے حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے ارادت، عقیدت، محبت اور عبادت کے طور پر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ ان حضرات نے رسول کریم ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حدیث رسول ﷺ کی خدمت کو اپنا مشغلہ بنایا اور اس خدمت میں دن رات مگن رہے۔ جبکہ مستشرقین حضرات کا ہدف محض یہ رہا کہ ان مصادر کی محتویات میں کسی طرح مین میکھ نکالا جائے اور ان لوگوں کے سامنے جو حدیث کے علوم وفنون سے ناواقف ہیں حدیث کا لٹریچر ایسی شکل میں پیش کیا جائے کہ وہ اس کے بارے میں مذبذب اور متردد ہو جائیں۔ مستشرقین نے اس مقصد کے لیے حدیث کے مصادر پر بھی تنقید کی۔ حدیث کے رواۃ کو بھی نشانہ بنایا اور حدیث کے متون کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کر دیا۔ تحریک استشراق کا آغاز کیسے ہوا۔ اس تحریک کے اہداف کیا تھے؟ اس تحریک کے اہم عناصر کون کون سے رہے۔ اس یونٹ میں ان سوالوں کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

تحریک استشراق سے متعلق زیادہ تر مواد عربی اور انگریزی میں ہے اس لیے ہمارے ہاں زیادہ تر طلبہ اس تحریک کے خدوخال سے ناواقف رہتے ہیں۔ آپ اس یونٹ کو توجہ اور انہماک کے ساتھ پڑھیں۔ امید ہے متعلقہ موضوع پر بنیادی نکات آپ کے سامنے آ جائیں گے۔ اگر آپ اس پر تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں تو یونٹ میں دیئے گئے مراجع اور مصادر کی طرف رجوع کیجئے۔ امید ہے کہ آپ اس یونٹ کو مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇦ انیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی میں تحریک استشراق کے ارتقاء اور عروج کے اسباب پر بحث کر سکیں۔
- ⇦ معتدل مزاج مستشرقین کے سلوک اور رویہ کا جائزہ لے سکیں۔
- ⇦ انیسویں صدی عیسوی کے اہم مستشرقین کی فہرست تیار کر سکیں۔
- ⇦ بیسویں صدی عیسوی میں تحریک استشراق کی ماہیت پر گفتگو کر سکیں۔
- ⇦ بیسویں صدی عیسوی کے اہم مستشرقین کی فہرست تیار کر سکیں اور ان کی علمی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔

① تاریخ مستشرقین

1.1 مسلم ممالک کا سقوط و انحطاط

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین کے لیے متعدد اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالمِ اسلام کو دنیا کے مختلف حصوں میں سقوط و انحطاط کی جن منزلوں سے گزرنا پڑا تھا اس ضمن میں زکریا ہاشم لکھتے ہیں:

''سقوط و انحطاط کی یہ داستان تو بہت طویل ہے لیکن بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا آغاز گیارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ مثلاً اگر ایک طرف اندلس (سپین) میں بنو امیہ کے بعد مسلم سپین روبہ زوال ہوا اور رفتہ رفتہ عملاً عیسائیوں کا باجگزار بن گیا اور سقوط غرناطہ (۱۴۹۲ء) کے بعد تو گویا مسلمان وہاں سے نکل کر بکھر بکھر کر رہ گئے تو دوسری طرف صقلیہ کی باری آئی اور نارمنوں نے ۱۰۷۱ء میں اس کے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر ۱۰۸۱ء تک پورا سسلی چھین لیا گیا۔ پھر بارہویں صدی میں نارمن حملے افریقہ پر ہونے لگے۔ بحر روم میں طاقت کا توازن درہم برہم ہو گیا اور اسی صدی کے اواخر تک بحر روم پر نارمنوں اور اطالیوں کی برتری قائم ہو گئی۔ یہ گہرے اور گیرے زخم اسی طرح پہنچتے رہے یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی کا زمانہ مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت کا آخری دور ثابت ہوا اور اہل یورپ کے اعزاز کا یہی اوّلین دور ہے۔ عالمِ اسلام اس کے بعد بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوا اور یہی وہ زمانہ ہے جبکہ تحریک استشراق کا بھی باقاعدہ آغاز ہوا''۔ (المستشرقون فی الاسلام : ص ۱۹۸)

1.2 انحطاط کے اثرات:

سقوط و انحطاط کی یہ منازل طے کرنے کے سبب ایک تو مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت ختم ہوئی، اس پر مستزاد یہ کہ ان کے پرانے حریف ''مغرب'' کو زمانہ بیداری کے بعد سے سیاسی، عسکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مسلسل تفوق و بالادستی حاصل ہوتی چلی جا رہی تھی اور اس کے سامراجی گرفت عہد بہ عہد مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے ادھر عالمِ اسلام کمزور اور بے زور ہوا اور ادھر مغرب کا پرچم استعمار اور بلند ہوا۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے کیسی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو، اقوام مغرب کے لیے بہر حال خوش آئند تھی اور اس سے برابر کا فائدہ مستشرقین نے بھی اٹھایا۔ چنانچہ یہ دور (۱۹۰۰ء تا ۱۹۲۵ء) تحریک استشراق کے عروج و کمال سے عبارت ہے اس عہد میں تحریکِ استشراق کو بھرپور فروغ حاصل ہوا۔ مستشرقین کے انداز و اطوار اگرچہ بدل گئے تاہم کیفیت اور کمیّت دونوں اعتبار سے ان کے اخلاف اپنے اسلاف پر بازی لے گئے۔ چنانچہ:

۱) کمیّت (Quantity) کا اندازہ تو اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس دور میں مستشرقین کی ایک بہت بڑی تعداد سامنے آئی۔ اس میں ہر قسم کے مستشرقین شامل تھے جو خاموش صلیبی جنگ کے اس محاذ پر یورپ کے تقریباً تمام علاقوں کی نمائندگی کرنے والے تھے۔ مثلاً: فرانس، اٹلی، انگلستان، سپین، پرتگال، آسٹریا، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، ہنگری، روس، بیلجیئم، چیکوسلواکیہ، فن لینڈ وغیرہ۔ اس فہرست میں امریکہ والے بھی شریک ہو گئے۔ (استاد نجیب العقیقی نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان تمام علاقوں کے زیرِ عنوان، مستشرقین کی فہرست، ان کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات پر بحث کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المستشرقون: ج۱،۲،۳)

۲) کیفیت کے اعتبار سے مستشرقین نے تصنیف و تالیف کے ڈھیر لگا دیئے۔ ان کے مطالعہ اور تحقیق و تدقیق کا دائرہ بھی محدود نہ رہا بلکہ عقائد اسلام، قرآن، حدیث، سنت، فقہ، اجتہاد، عرب اور اہل عرب و احوال عرب، ترکوں عربوں کے تعلقات، اسلام کی اصلیت، اسلام تہذیب و تمدن اور پیغمبر اسلام کی سیرت

وسوانح پر کثرت سے لکھا گیا ہے۔اس دور میں مستشرقین کا معیار تحقیق واستدلال بھی بلند ہوا۔اور تحقیق وجستجو اور تلاش وطلب میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا جو باعث حیرت ہے۔قدیم عربی مآخذ کی تلاش، مخطوطات اور قلمی نسخوں کی دریافت، آثار واکتشافات قدیمہ کا مطالعہ، کتابوں کی تصحیح واشاعت، اسلامی تاریخ کے مآخذ کی ترتیب وتدوین، فہارس، اشاریوں اور تبویب وغیرہ کی تیاری اور اسی طرح کی دوسری سرگرمیاں، ان کی محنت وریاضت، علم شناسی اور مشرق نوازی کی روشن دلیل ہیں۔اس ضمن میں کچھ تفصیل علامہ شبلی نے بھی دی ہے اور بطورِ خاص ان مستشرقین کا تذکرہ کیا ہے جن کی محنت وریاضت کے نتیجہ میں قدیم مآخذ ومصادر سامنے آئے۔(سیرۃ النبی ﷺ: ج۱،ص۹۱،۹۲)

۳) مستشرقین کے گروہ میں حسب سابق دونوں قسم کے افراد نے تصنیف وتالیف میں حصہ لیا۔ایک طرف اگر روایتی قسم کے متشدد اور متعصب علمائے استشراق تھے مثلاً: اسپرنگر (۱۸۱۳ء تا ۱۸۹۳ء)، سر ولیم میور (۱۸۱۹ء تا ۱۹۰۵ء)، ڈوزی (۱۸۲۰ء تا ۱۸۸۳ء)، ڈی گوجے (۱۸۳۶ء تا ۱۹۰۹ء) تو دوسری طرف حقیقت بین، انصاف پسند، معتدل مزاج اور نرم رو قسم کے مصنفین بھی تھے مثلاً:

② معتدل مزاج مستشرقین

2.1 گاڈفرے ہگنز

اس کا زمانہ ۱۷۷۳ء تا ۱۸۳۳ء تھا۔ اس کی کتاب "Apology for Muhammad" کے زیرِعنوان لندن سے ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ پریمیئر بک ہاؤس لاہور نے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں مؤلف کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ سرسید احمد خان بھی اس سے متاثر تھے اور انہوں نے اس کتاب کے ترجمہ کا انتظام بھی کیا تھا۔

2.2 کاسن دی پرسیوال

کاسن فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۷۹۵ء سے ۱۸۷۱ء تک تھا۔ اس کے آثار میں ایک تاریخ العرب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری کتاب کا تعلق قبل از اسلام اور عہد رسالت سے متعلق ہے۔ سید امیر علی نے اپنی کتاب "A Critical Examination of the life of teachings of Muahammad" کے مقدمہ میں کاسن کے کام کو عالمانہ اور بے لاگ قرار دیا ہے۔

2.3 ویل

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۸ء سے ۱۸۸۹ء تک زندہ رہا۔ ان سے متعدد کتابیں یادگار ہیں۔ عہدِ رسالت پر جو کتاب لکھی اس کی تین جلدیں ہیں۔ ''سیرت ابن ہشام'' کا جرمنی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس پر حواشی لکھے اور فٹ نوٹس بھی لکھے۔ ''لیالی العرب'' کا بھی ترجمہ کیا۔ تاریخ الخلفاء اور مسلمانوں کی تاریخ پر پانچ جلدوں میں کتاب مرتب کی۔ (المستشرقون: ج۲،ص۷۰۷)

2.4 نیان

فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۸۲۳ء سے ۱۸۹۲ء تک حیات رہا۔ اس نے مختلف تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مثلاً ''تاریخ الادیان'' مطبوعہ ۱۸۵۷ء، ''کتاب الرسل'' مطبوعہ ۱۸۶۶ء، ''کتاب تقدم الآداب الشرقیہ'' مطبوعہ ۱۸۶۶ء۔ نیان کا تعلق فلسفہ، لغت اور تاریخ سے تھا۔

2.5 گوئٹے

بنیادی طور پر جرمن شاعر تھا۔ ۱۷۴۹ء سے ۱۸۳۲ء تک بقید حیات رہا۔ اس کی اصل شہرت اس کی مشہور نظم "Le Mohamet's Gesan" کے سبب ہوئی۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۰۶)

ان کے علاوہ شول، کارلائل اور درمنگھم وغیرہ نے بھی عموماً افراط وتفریط سے گریز کیا۔

۴) اٹھارہویں صدی عیسوی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دوران میں مستشرقین کے سلوک اور رویہ میں نکھار پیدا ہوا۔ اور بحیثیت مجموعی اس دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ ان کا رویہ پہلے جیسا نہ رہا، بلکہ مختلف عوامل کے نتیجہ میں نرم، حقیقت پسندانہ اور معقول ہوتا چلا گیا۔ اس کی بظاہر ایک وجہ تو مشرقی مصادر تک ان کی رسائی، عربی اور دوسری مشرقی زبانوں سے واقفیت تھی کہ جس کے نتیجہ میں محض تخمین وظن کے بجائے وہ عقل واستدلال اور علم کی روشنی میں بات کرنے لگے۔ مشرقی ممالک کے مشاہدات واسفار نے ان کے اپنے اسلاف کی لاعلمی اور افکار وخیالات کی بے بنیادی ثابت کردی اور بیان واقع کا تضاد ثابت ہو گیا۔ دوسری بڑی وجہ خود یورپ کی بدلتی ہوئی فضا تھی۔ نیز جدت پسندی، سائنسی ایجادات، تعصب کے خلاف عام بے چینی، رومانی تحریک، کلاسیکی نظریات کے خلاف بغاوت، تاریخ تنقید کی تحریک وغیرہ بھی مؤثر عوامل ثابت ہوئے۔ ان باتوں کی روشنی میں گویا یہ کہنا درست ہوگا کہ مستشرقین اس فکری تبدیلی کی تہ میں نہ تو اخلاص جلوہ گر تھا اور نہ کدورت ونفرت پر محبت کے جذبات غالب آ گئے تھے۔ بلکہ درحقیقت حالات کی ستم ظریفی نے انہیں نقطۂ نظر بدلنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ ان کے اصل مقاصد میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بہر حال اصل وجہ کسی کو قرار دیا جائے، واقعہ عملاً یہ پیش آیا کہ:

اس دور میں مستشرقین کے ہاں فضول اور بے بنیاد روایات کم ہوگئیں۔ الزامات کا دائرہ سمٹ کر محدود ہو گیا اور صورتحال نے کلیسا کا طلسم توڑ کر ایسے مستشرقین بھی پیدا کر دیئے جنہوں نے جرأت سے کام لے کر اپنے پیش رو مصنفین کے خیالات اور تجزیات کو غلط قرار دیا اور ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کیا۔

۵) اپنی سرگرمیوں کو منظم و مرتب کرنے کے ضمن میں مستشرقین نے اس دور میں متعدد تحقیقی و علمی ادارے قائم کئے۔ مثلاً سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس ۱۸۲۲ء، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ بریٹن اینڈ آئرلینڈ ۱۸۲۳ء اور امریکن اورینٹل سوسائٹی ۱۸۴۲ء وغیرہ۔ ...... ان تمام اداروں نے جلد ہی اپنے اپنے جریدے نکالنا شروع کر دیئے۔ جن سے ان کی تحریک کو بے پناہ تقویت حاصل ہوئی۔ لوگوں کے دل و دماغ کو متاثر کرنے میں رسائل و جرائد کو چونکہ ہمیشہ سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے اس لیے محض ان اداروں کے مجلّات کی اشاعت کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اپنی حکمتِ عملی کا مستقل حصہ بناتے ہوئے مستشرقین نے دوسرے متعدد رسائل و جرائد کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ چنانچہ ہندوستان سے "The Muslim World" کا اجراء، پیرس سے ۱۸۹۵ء میں "Revaed-el-Isalm" کا اجراء۔ روس سے ۱۹۱۲ء میں "Mis Islam" کا اجراء وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: آکسفورڈ انگلش ڈکشنری: ج ۷، ص ۲۰۰)

رسائل اور مجلّات کی ان اشاعتی سرگرمیوں کا مقصد بظاہر تو یہ تھا کہ مستشرقین اپنی تحقیقات اور تجزیات سے دوسروں کو آگاہ کرا سکیں۔ لیکن اصل ہدف اور مقصد اپنے پرانے استشراقی مقاصد کی تکمیل ہی تھا۔ رفتہ رفتہ وہ مرحلہ بھی آیا کہ مستشرقین نے اپنی پہلی عالمی کانگریس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور ۱۸۷۳ء میں اسے پہلی بار عملی جامہ پہنا دیا گیا۔ عالمی کانگریسوں کا انعقاد بھی مستشرقین کے لیے بڑا مفید مطلب تھا۔ مختلف اداروں کی سرگرمیاں، کارکردگی، نتائج، اطلاعات کا تبادلہ، بڑے بڑے علماء و فضلاء کی شرکت، مقالات، خطبات، صلاح مشورے اور قراردادیں وغیرہ۔ یہ سب باتیں تحریک استشراق کو

فعال اور سرگرم بنانے کے لیے بہرحال ضروری تھیں اور مستشرقین نے اس پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا اور انیسویں صدی کے اواخر سے ہی سالانہ اجتماعات کو ایک روایت کے طور پر جاری کر دیا۔
(المستشرقون والاسلام:ص ۱٦۸)

③ انیسویں صدی عیسوی اور مستشرقین

استاد نجیب العقیقی نے اس دور کے مستشرقین پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہاں چند مشہور ومعروف مستشرقین کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ طلبہ کے ذہن میں تسلسل قائم رہے۔ اور تفصیلی مطالعہ کرتے وقت تاریخی ترتیب ان کے ذہن میں رہے:

3.1 جان جاک سیدیلو (Sedillo, J.J.)

مشہور فرانسیسی مستشرق جس کا زمانہ ۱۷۷۷ء تا ۱۸۳۲ء تھا۔ اس نے متعدد کتابیں لکھیں۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ تاریخ عرب پر انہوں نے مستقل کتاب لکھی۔

3.2 دیور جے (Desvergers)

فرانسیسی مستشرق ۱۸۰۵ء سے ۱۸۶۷ء تک رہا۔ اس کے آثار میں متعدد تصانیف شامل ہیں۔ ''البدایہ والنہایہ'' سے سیرۃ النبی ﷺ کے حصہ کا خلاصہ متن وترجمہ کے ساتھ ۱۸۳۷ء میں شائع کیا۔ بلادِ عرب پر کتاب لکھی جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ خلافت پر بھی لکھا۔

3.3 ڈاکٹر پیرون (Dr. Perron A.)

پیرون فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۶ء کو انتقال ہوا۔ انہوں نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک ''نساء العرب قبل الاسلام وبعد''، مطبوعہ ۱۸۵۸ء اور دوسری کتاب ''الطب النبوی'' کا ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء۔ اس کتاب کے مؤلف جلال الدین ابوسلیمان ہیں۔

3.4 گارسن دی تاسی (Tassy, Garsin, de)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۷۹۴ء سے ۱۸۸۷ء تک حیات رہا۔ گارسن نے دین اسلام، قرآن، مذہبی

تعلیمات وفرائض کو اپنی کتابوں کا موضوع بنایا۔

3.5 جوزف وہائیٹ (White, J.)

انگریز مستشرق تھا۔ ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۱۴ء تک بقیدِ حیات رہا۔ جوزف وہائیٹ نے اسلام اور نصرانیت کے تقابلی مطالعہ پر مقالات لکھے اور لیکچرز تیار کئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے موضوع پر مقالات اور خطبات مرتب کئے۔

3.6 ولیم رائیٹ (Wright, W.)

برطانوی مستشرق اور مصنف تھا۔ ۱۸۳۰ء میں پیدائش ہوئی۔ ۱۸۸۹ء تک زندہ رہا۔

3.7 ایڈورڈ ہنری پامر (Palmer, E. H.)

برطانوی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۳ء تھا۔ پامر نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا جو ۱۸۸۰ء میں آکسفورڈ سے طبع ہوا۔

3.8 ڈی جونگ (Jong, P. de)

ہالینڈ کا مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۹۰ء تک تھا۔ اپنے ہم وطن اور ہم عصر مستشرق ڈی جوجے (Goeje, M.d. D.) کے ساتھ مل کر ''سیرت ابن ہشام'' پر کام کیا۔ متن اور لاطینی زبان میں ترجمہ لیدن سے ۱۸۸۱ء میں شائع کرایا۔

3.9 ڈی جوجے (Goeje, M.d. D.)

ڈی جوجے، ڈی جونگ کا ہم عصر مستشرق تھا۔ اس کی پیدائش ۱۸۳۶ء میں ہوئی اور انتقال ۱۹۰۹ء میں ہوا۔ جوجے نے ''وفیات الاعیان'' مؤلفہ ابن خلکان پر کام کیا۔

3.10 فلایشر (Fleischer H. C.)

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۱ء سے ۱۸۸۸ء تک بقید حیات رہا۔ فلایشر نے کئی کتابیں لکھیں۔ انہوں نے ''البدایہ والنہایہ'' کو متن وترجمہ کے ساتھ تعلیقات وحواشی سے آراستہ کر کے لیپزگ سے ۱۸۳۱ء میں شائع کرایا۔ ایک اور کتاب تاریخ عرب قبل از اسلام کے موضوع پر لکھی جو ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئی۔

3.11 وسٹنفیلڈ (Wustenfild, F.)

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۹۹ء تک بقید حیات رہا۔ وسٹنفیلڈ نے بہت کچھ لکھا۔ تاریخ مکہ مکرمہ، سیرت ابن ہشام مع تعلیقات وحواشی (تین جلدیں)، اراضی مدینہ منورہ اور تاریخ اشراف مکہ آپ کی تالیفات ہیں۔

3.12 بیریزین (Beresin, N.)

مشہور روسی مستشرق تھا۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۹۶ء تک بقید حیات رہا۔ بیریزین روسی مستشرقین کے زمرۂ اساتذہ میں شامل ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مصادر اسلامی، تہذیب وتمدن اور اسلام کے درمیان تعلق پر کئی کتابیں لکھیں۔ روسی دائرۃ المعارف میں مشرق اور مشرقی علوم وآداب پر متعدد مقالات اسی مستشرق کے قلم سے ہیں۔

3.13 بلانکو (White Joseph Blanco)

مشہور برطانوی مستشرق تھا۔ بلانکو مذہبی مصنف اور پادری تھا۔ ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۱ء میں وفات پائی۔ بلانکو نے سپین کی تاریخ اور معاشرت وثقافت کا مطالعہ کیا اور اس موضوع میں تالیفات کیں۔

3.14 ایڈورڈ سخاؤ (Sachau Edward)

ایڈورڈ سخاؤ معروف ومشہور جرمن مستشرق تھا۔ برلن میں مشرقی زبانوں کی فیکلٹی کا سربراہ، خود بڑا اسکالر

اور زبان دان تھا۔ مولانا شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ:

''پروفیسر سخاؤ کی ہی خاص کوششوں اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود ''طبقات'' جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی ﷺ میں کوئی تصنیف نہیں شائع ہوئی''۔ (سیرۃ النبی: ج ۱، ص ۹۲)

3.15 سلیم نوفل (Salim Nofel)

روسی استشراق کی تاریخ میں اہم اور معروف نام، استادوں کا استاد، مستشرقین روس کا سرخیل تھا۔ ۱۸۲۸ء کی پیدائش ہے اور ۱۹۰۲ء میں انتقال کر گیا۔ بنیادی طور پر لبنانی تھا۔ کام فرانسیسی میں کیا۔ اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر قلم اٹھایا اور سیرت نبوی ﷺ کو بھی موضوع بحث بنایا۔

3.16 فان کریمر (Van Kremer)

آسٹریا کا مشہور مستشرق تھا۔ ولادت ویانا میں ہوئی اور تعلیم بھی وہیں پائی۔ وزارت خارجہ اور دوسری وزارتوں میں خدمات انجام دیتا رہا۔ خود بھی وزیر رہا۔ کریمر نے اسلامی مصادر کی تقریباً بیس عربی کتابوں کو تلاش کر کے شائع کیا۔ ان میں سے واقدی کی ''المغازی''، ماوردی کی ''الاحکام السلطانیہ''، نشوان کا ''قصیدۃ الحمیریہ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ فان کریمر نے اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ یہ ساری کتابیں جرمن زبان میں ہیں۔

3.17 سر ولیم میور (Sir Villiam Meur)

ولیم میور مشہور انگریزی مستشرق، عربی کا عالم، انگریز سرکار کا نمائندہ، منتظم سیاسی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں شعبۂ جاسوسی کا سربراہ اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کا بھائی جان میور بھی مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ ولیم میور نے "The life of Muhammad" کے نام سے کتاب لکھی۔ جو چار جلدوں میں پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بہت دل آزار ہے۔ سرسید احمد خان نے اس کے

جواب میں خطبات احمدیہ کے نام سے کتاب لکھی۔

3.18 مینارڈ (Meynard, Barbieide)

فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۸۲۷ء سے ۱۹۰۸ء تک تھا۔ مینارڈ نے استشراق پر پہلا رسالہ لکھا اور شائع کروایا۔ جغرافیائی، تاریخی ادبی لغت مرتب کی۔ مسعودی کی تاریخ "مروج الذہب" کا متن و ترجمہ شائع کیا۔

3.19 رینی باسے (BassetRene)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۸۵۵ء سے ۱۹۲۴ء تک تھا۔ بے شمار کتابوں کا مصنف ہے۔ مثلاً: "الشعر العربی قبل الاسلام" مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔ امام بوصیری کے "قصیدہ بردہ" کی شرح وغیرہ۔

3.20 ڈاکٹر لیبان (Labon Dr. G.)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ مشہور عالم، طبیب اور مشرقی روایات و ثقافت کا ماہر تھا۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ تمدن مصر، تمدن عرب اور چین میں عربی تمدن کے حوالے سے ان کا کام قابل ذکر ہے۔ لیبان کا تعلق مستشرقین کے اس گروہ سے ہے جو انصاف پسند، معتدل مزاج اور اسلامی خوبیوں کے معترف تھے۔

3.21 گولڈ زیہر (Goldziher, Y.)

ہنگری کا مشہور و معروف مستشرق تھا۔ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۱ء تک بقید حیات رہا۔ گولڈ زیہر نے بہت کچھ لکھا اور کئی موضوعات پر لکھا۔ قرآن، تفسیر، حدیث اور سیرت پر بے شمار مقالات شائع کیے۔ گولڈ زیہر کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے نالدیکے کے نقد حدیث سے آگے بڑھ کر انکار حدیث کے مکتب فکر کی داغ بیل ڈالی اور پھر رفتہ رفتہ مستشرقین کا ایک گروہ انکار حدیث میں اس کا ہمنوا بن گیا۔ انکار حدیث کے بعد گولڈ زیہر نے سیرت کے دوسرے مصادر کو بھی نشانہ بنایا۔ (گولڈ زیہر پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا ایک مقالہ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۲ء کے ایڈیشن میں موجود ہے، بہت مفید اور معلوماتی ہے۔)

3.22 ولہازن (Wellhausen, J.)

ولہازن جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۴۴ء میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۱۹۱۸ء تک حیات رہا۔ ولہازن نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مختلف موضوعات پر لکھا اور بہت لکھا۔ تاریخ یہود، محمد ﷺ مدینہ میں، دین اسلام کے مطالعات، عہدِ نبوی ﷺ میں دستور مدینہ، مکاتیب نبوی اور وفود پر ان کی تالیفات قابل ذکر ہیں۔

3.23 واشنگٹن ارونگ (Irving Washington)

معروف امریکی سکالر اور مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۸۳ء تا ۱۸۵۹ء تھا۔ کئی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ خلفاء راشدین اور سیرت پر اس کی کتاب قابلِ ذکر ہے جو ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی۔

3.24 یوجین یونج (Eugene Young)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس نے کئی ضخیم کتابیں لکھیں۔ ایک رسالہ ''نور اسلام کی خاص کرن'' اور دوسرا ''مشرق، مغرب کی نظر میں'' شائع ہوا۔ ان کا انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا۔

مستشرقین کی مذکورہ فہرست ان طلبہ کے لیے ممد ومعاون ثابت ہوسکتی ہے جو ان کے بارے میں تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس موضوع پر علمی اور تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں۔

خود آزمائی ①

۱) مسلم ممالک کے سقوط وانحطاط کے اثرات ونتائج پر بحث کیجیے۔
۲) تحریک استشراق کے دورِ عروج پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے عروج کے اسباب کی نشاندہی کیجئے۔
۳) معتدل مزاج مستشرقین سے کیا مراد ہے؟ ان کی فہرست تیار کیجئے۔
۴) انیسویں صدی عیسوی میں مستشرقین نے اپنی حکمتِ عملی کو کیا رخ دیا؟ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
۵) انیسویں صدی عیسوی کے اہم اور مشہور مستشرقین کی فہرست تیار کیجئے اور ان کی تالیفات کا جائزہ لیجئے۔

④ مستشرقین بیسویں صدی عیسوی میں

تحریک استشراق کا دورِ عروج وکمال بیسویں صدی کے اوائل تک رہا۔ اس دور میں ہر پہلو سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ بیسویں صدی کے ربع اول سے تحریکِ استشراق ایک نئے دور میں داخل ہوئی اس دور کو اصطلاح میں 'عہدِ جدید' کہا جاتا ہے۔

عہدِ جدید آیا تو اپنے ساتھ نت نئے رجحانات لے کر آیا۔ اور سیاسی، فوجی، معاشی اور معاشرتی سطح پر پچھلی بہت سے باتوں کو درہم برہم کر گیا۔ چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجہ میں مشرقی ومغربی معاشروں پر ہمہ گیر اثرات، نو آبادیاتی علاقوں کی بیداری، ظلم واستحصال کی تاریکیوں کے خلاف حریت وآزادی کی روشنی، استعماری قوتوں کی شکست وریخت، ایجادات واختراعات کے ظہور، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کی نشوونما اور تہذیب وتمدن کے تنوع نے حالات ومسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا۔ ادھر استشراق کے حوالہ سے یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ تحریکِ استشراق پچھلے دور میں جس نقطۂ کمال تک پہنچ چکی تھی اب اس کے لیے مزید پیش قدمی ممکن نہ رہی۔ اس لیے یہ سوال خود بخود پیدا ہوا کہ کیا تحریک استشراق روبہ زوال ہوگئی ہے؟......
بہر حال واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کی کوششوں کا ایک رخ تو یہ ٹھہرا کہ جو کچھ حاصل کر لیا گیا تھا اسے بہر طور باقی رکھا جائے۔ دوسری طرف اسلام، مصادرِ شریعت، اور عالمِ اسلام کے اعمال واحوال کے مطالعہ میں زیادہ انہماک، توجہ اور امعانِ نظر برتا جانے لگا۔ جز وقتی علماء کے بجائے کل وقتی علماء نے جگہ حاصل کی اور آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری یونیورسٹیوں میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور دوسرے اسلامی ومشرقی مباحث کے لیے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں۔ (الاسلام والمستشرقون:۱۶۹۲)

اسلام اور ادب اسلامی کے حوالہ سے کسی حد تک اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت جسے ویل، گوئٹے، اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا تھا اس عہدِ جدید میں بھی جاری وساری ہے۔ اور الفانسو، آرچر، ٹائن بی،

بلاشیر اور واٹ وغیرہ کے یہاں روایتی انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ معقولیت کے نمونے بھی نظر آ جاتے ہیں۔ اسلامی مصادر کی تحقیق ودریافت، ان کی تبویب، اور اشاریہ سازی (Indexing) کا کام نہ صرف آگے بڑھا بلکہ ایک طرف تو مستشرقین نے اس معاملے میں اپنی محنت وریاضت سے ایک طرح کی اجارہ داری حاصل کر لی اور دوسری طرف اسلامی مشرقی مصادر پر نقد وجرح کے کام کو بھی وسیع پیمانے پر انجام دیا جانے لگا۔ یہ غالباً تحریک استشراق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر ومآخذ کا اعتبار اسی طریقے سے اٹھ سکتا تھا اور مشرقی اذہان وقلوب میں تردد وتذبذب کے بیج بوئے جا سکتے تھے۔ اسی ضمن میں قرآن، حدیث اور دوسرے مصادر کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔

اس دور میں قرآن اور حدیث کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن کے متن اور نزول وترتیب کو زیر بحث لاکر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہم عصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن سیرتِ رسول ﷺ کا مستند ومعتبر ذریعۂ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلہ میں انکار کے لیے حدیث کے کذب وافتراء اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا۔ نالدیکے، گولڈ زیہر وغیرہ نے تو انکار حدیث کے مکتبِ فکر کو بطورِ خاص فروغ دیا۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۱۵)

اس عہد میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے ان میں سے چند قابل ذکر ہیں۔ بعض مستشرقین نے سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ طبی نقطہ نظر سے کیا، کچھ نے اس عہد کے معاشی اور معاشرتی عوامل سے متاثر ہو کر رسول اللہ ﷺ کو محض ایک معاشی اور معاشرتی مصلح کی حیثیت سے اہمیت دی اور کچھ نے ان سب سے مرکب ومرتب شدہ نظریہ قائم کیا۔ یہ تمام نقطہ ہائے نظر دراصل مخصوص ذہنی اور فکری پسِ منظر کی پیداوار تھے۔

عہدِ جدید کے مستشرق گولڈ زیہر نے علم حدیث اور اسناد کو موضوع بحث بنایا اور اس نے اس میدان میں مختلف مقالے تحریر کئے اور ایک ضخیم کتاب ''دراساتِ اسلامیہ'' "Muhammadenish Studies 1889-1890" کے عنوان سے ترتیب دی۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے اواخر میں سامنے آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ گولڈ زیہر نے اپنے جرمن پیشرو سپرنگر کی پیروی کی ہے اور اس کے نتائج پر ایک گمراہ کن عمارت کھڑی کر

دی ہے جس کی ظاہری چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے۔

گولڈ زیہر نے اپنی بحث کا آغاز تو یہ کہہ کر کیا ہے کہ سپرنگر نے اس باطل نظریے پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا ہے کہ کتبِ حدیث کا انحصار زبانی ذرائع پر تھا۔ تاہم گولڈ زیہر کے خیال میں دینی احتیاط پسندی نیز اسلامی فرقوں کی پابندئ مسلک کے سبب بعد کے زمانے میں تدوینِ حدیث کو ناپسندیدہ سمجھا جانے لگا۔ گولڈ زیہر کے اس قول سے وہی باطل نظریہ دوبارہ نمودار ہو گیا۔ سپرنگر نے مستند مصادر سے جو معلومات فراہم کی تھیں ان کی بنیاد پر تو گولڈ زیہر نے یہ رائے قائم کی کہ صحیفوں اور اجزاء میں احادیث کو قلمبند کرنے کا کام عملاً اسلام کے دور اول میں انجام پا گیا تھا۔ تاہم ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں اس کے ہاں اس موضوع پر جس خیال نے شکل پکڑی وہ کچھ یوں تھا:

> ''یہ تصور کرنے سے کوئی شے مانع نہیں کہ صحابہ وتابعین نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور آپ سے مروی روایات کی حفاظت کرنی چاہی۔ لہذا ضائع ہو جانے کے خوف سے انہیں قلم بند کیا۔ بھلا یہ ممکن ہوسکتا تھا کہ اقوالِ رسول کو ایک ایسے معاشرہ میں، محض سینہ بسینہ حفظ رہنے کے اتفاقات کے حوالے کر دیا جائے۔ جس میں عام لوگوں کے اقوال بھی ضبطِ تحریر میں لانے کا دستور تھا؟''۔

گولڈ زیہر مزید کہتا ہے:

> ''بہر حال اسلام کے دور اول تک کے حوالے سے یہ رائے درست ہے''۔

تاہم اس کے بعد جو مفروضہ سامنے آتا ہے وہ کچھ زیادہ صحیح نہیں، وہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاں حدیث کو ضبطِ تحریر میں لا کر محفوظ کرنے کے بارے میں ایک طرح کا تامل پیدا ہو گیا۔ گولڈ زیہر نے جو رائے قائم کی اس کی بناء پر اس نے بعد میں لکھے جانے والے مجموعہ ہائے حدیث سے متعلق روایات کو رد کر دیا اور اسی تصور پر اکتفا کر لیا کہ حدیث کی جمع وتدوین کی کوششوں کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔، اس اعتبار سے گولڈ زیہر کی رائے کے مطابق صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتب حدیث کی ترتیب بھی ناقدانہ علمی طریق کار یا ایسے دقیق اور باقاعدہ طریق تصنیف کے مطابق نہیں

اور زبان دان تھا۔ مولانا شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ:

''پروفیسر سخاؤ کی ہی خاص کوششوں اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود ''طبقات'' جس سے زیادہ مبسوط سیرتِ نبوی ﷺ میں کوئی تصنیف نہیں شائع ہوئی''۔ (سیرۃ النبی: ج ۱، ص ۹۲)

3.15 سلیم نوفل (Salim Nofel)

روسی استشراق کی تاریخ میں اہم اور معروف نام، استادوں کا استاد، مستشرقین روس کا سرخیل تھا۔ ۱۸۲۸ء کی پیدائش ہے اور ۱۹۰۲ء میں انتقال کر گیا۔ بنیادی طور پر لبنانی تھا۔ کام فرانسیسی میں کیا۔ اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر قلم اٹھایا اور سیرتِ نبوی ﷺ کو بھی موضوع بحث بنایا۔

3.16 فان کریمر (Van Kremer)

آسٹریا کا مشہور مستشرق تھا۔ ولادت ویانا میں ہوئی اور تعلیم بھی وہیں پائی۔ وزارت خارجہ اور دوسری وزارتوں میں خدمات انجام دیتا رہا۔ خود بھی وزیر رہا۔ کریمر نے اسلامی مصادر کی تقریباً بیس عربی کتابوں کو تلاش کر کے شائع کیا۔ ان میں سے واقدی کی ''المغازی''، ماوردی کی ''الاحکام السلطانیہ''، نشوان کا ''قصیدۃ الحمیریہ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ فان کریمر نے اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت کے بارے میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ یہ ساری کتابیں جرمن زبان میں ہیں۔

3.17 سر ولیم میور (Sir Villiam Meur)

ولیم میور مشہور انگریزی مستشرق، عربی کا عالم، انگریز سرکار کا نمائندہ، منتظم سیاسی، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں شعبۂ جاسوسی کا سربراہ اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کا بھائی جان میور بھی مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ ولیم میور نے "The life of Muhammad" کے نام سے کتاب لکھی۔ جو چار جلدوں میں پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بہت دل آزار ہے۔ سر سید احمد خان نے اس کے

جواب میں خطبات احمدیہ کے نام سے کتاب لکھی۔

3.18 مینارڈ (Meynard, Barbieidė)

فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۸۲۷ء سے ۱۹۰۸ء تک تھا۔ مینارڈ نے استشراق پر پہلا رسالہ لکھا اور شائع کروایا۔ جغرافیائی، تاریخی ادبی لغت مرتب کی۔ مسعودی کی تاریخ ''مروج الذہب'' کا متن وترجمہ شائع کیا۔

3.19 رینی باسے (BassetRene)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۸۵۵ء سے ۱۹۲۴ء تک تھا۔ بے شمار کتابوں کا مصنف ہے۔ مثلاً: ''الشعر العربی قبل الاسلام''، مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔ امام بوصیری کے ''قصیدۂ بردہ'' کی شرح وغیرہ۔

3.20 ڈاکٹر لیبان (Labon Dr. G.)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ مشہور عالم، طبیب اور مشرقی روایات وثقافت کا ماہر تھا۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ تمدّن مصر، تمدّن عرب اور سپین میں عربی تمدن کے حوالہ سے ان کا کام قابل ذکر ہے۔ لیبان کا تعلق مستشرقین کے اس گروہ سے ہے جو انصاف پسند، معتدل مزاج اور اسلامی خوبیوں کے معترف تھے۔

3.21 گولڈزیہر (Goldziher, Y.)

ہنگری کا مشہور ومعروف مستشرق تھا۔ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۱ء تک بقید حیات رہا۔ گولڈزیہر نے بہت کچھ لکھا اور کئی موضوعات پر لکھا۔ قرآن، تفسیر، حدیث اور سیرت پر بے شمار مقالات شائع کئے۔ گولڈزیہر کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے نالدیکے کے نقدِ حدیث سے آگے بڑھ کر انکارِ حدیث کے مکتب فکر کی داغ بیل ڈالی اور پھر رفتہ رفتہ مستشرقین کا ایک گروہ انکارِ حدیث میں اس کا ہمنوا بن گیا۔ انکار حدیث کے بعد گولڈزیہر نے سیرت کے دوسرے مصادر کو بھی نشانہ بنایا۔ (گولڈزیہر پر مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا ایک مقالہ ماہنامہ ''معارف''، اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۲ء کے ایڈیشن میں موجود ہے، بہت مفید اور معلوماتی ہے۔)

3.22 ولہازن (Wellhausen, J.)

ولہازن جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۴۴ء میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۱۹۱۸ء تک حیات رہا۔ ولہازن نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مختلف موضوعات پر لکھا اور بہت لکھا۔ تاریخ یہود، محمد ﷺ مدینہ میں، دین اسلام کے مطالعات، عہدِ نبوی ﷺ میں دستورِ مدینہ، مکاتیب نبوی اور وفود پر ان کی تالیفات قابل ذکر ہیں۔

3.23 واشنگٹن ارونگ (Irving Washington)

معروف امریکی سکالر اور مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۸۳ء تا ۱۸۵۹ء تھا۔ کئی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ خلفاء راشدین اور سیرت پر اس کی کتاب قابلِ ذکر ہے جو ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی۔

3.24 یوجین یونج (Eugene Young)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس نے کئی ضخیم کتابیں لکھیں۔ ایک رسالہ ''نور اسلام کی خاص کرن'' اور دوسرا ''مشرق، مغرب کی نظر میں'' شائع ہوا۔ ان کا انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا۔

مستشرقین کی مذکورہ فہرست ان طلبہ کے لیے مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے جو ان کے بارے میں تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس موضوع پر علمی اور تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں۔

خود آزمائی ①

۱) مسلم ممالک کے سقوط و انحطاط کے اثرات و نتائج پر بحث کیجئے۔
۲) تحریک استشراق کے دورِ عروج پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے عروج کے اسباب کی نشاندہی کیجئے۔
۳) معتدل مزاج مستشرقین سے کیا مراد ہے؟ ان کی فہرست تیار کیجئے۔
۴) انیسویں صدی عیسوی میں مستشرقین نے اپنی حکمتِ عملی کو کیا رخ دیا؟ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
۵) انیسویں صدی عیسوی کے اہم اور مشہور مستشرقین کی فہرست تیار کیجئے اور ان کی تالیفات کا جائزہ لیجئے۔

④ مستشرقین بیسویں صدی عیسوی میں

تحریک استشراق کا دورِ عروج وکمال بیسویں صدی کے اوائل تک رہا۔ اس دور میں ہر پہلو سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ بیسویں صدی کے ربع اول سے تحریکِ استشراق ایک نئے دور میں داخل ہوئی اُس دور کو اصطلاح میں ''عہدِ جدید'' کہا جاتا ہے۔

عہدِ جدید آیا تو اپنے ساتھ نت نئے رجحانات لے کر آیا۔ اور سیاسی، فوجی، معاشی اور معاشرتی سطح پر پچھلی بہت سے باتوں کو درہم برہم کر گیا۔ چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجہ میں مشرقی ومغربی معاشروں پر ہمہ گیر اثرات، نوآبادیاتی علاقوں کی بیداری، ظلم واستحصال کی تاریکیوں کے خلاف حریت وآزادی کی روشنی، استعماری قوتوں کی شکست وریخت، ایجادات واختراعات کے ظہور، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کی نشوونما اور تہذیب وتمدن کے تنوع نے حالات ومسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا۔ ادھر استشراق کے حوالہ سے یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ تحریکِ استشراق پچھلے دور میں جس نقطۂ کمال تک پہنچ چکی تھی اب اس کے لیے مزید پیش قدمی ممکن نہ رہی۔ اس لیے یہ سوال خود بخود پیدا ہوا کہ کیا تحریک استشراق روبہ زوال ہوگئی ہے؟......
بہر حال واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کی کوششوں کا ایک رخ تو یہ ٹھہرا کہ جو کچھ حاصل کر لیا گیا تھا اسے بہرطور باقی رکھا جائے۔ دوسری طرف اسلام، مصادرِ شریعت، اور عالمِ اسلام کے اعمال واحوال کے مطالعہ میں زیادہ انہماک، توجہ اور امعانِ نظر برتا جانے لگا۔ جز وقتی علماء کے بجائے کل وقتی علماء نے جگہ حاصل کی اور آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری یونیورسٹیوں میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور دوسرے اسلامی ومشرقی مباحث کے لیے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں۔ (الاسلام والمستشرقون: ۱۶۹۲)

اسلام اور ادب اسلامی کے حوالہ سے کسی حد تک اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت جسے ویل، گوئٹے، اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا تھا اس عہدِ جدید میں بھی جاری وساری ہے۔ اور الفانسو، آرچر، ٹائن بی،

بلاشیر اور واٹ وغیرہ کے یہاں روایتی انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ معقولیت کے نمونے بھی نظر آ جاتے ہیں۔
اسلامی مصادر کی تحقیق ودریافت، ان کی تبویب، اور اشاریہ سازی (Indexing) کا کام نہ صرف آگے بڑھا بلکہ ایک طرف تو مستشرقین نے اس معاملے میں اپنی محنت وریاضت سے ایک طرح کی اجارہ داری حاصل کر لی اور دوسری طرف اسلامی مشرقی مصادر پر نقد وجرح کے کام کو بھی وسیع پیانے پر انجام دیا جانے لگا۔ یہ غالباً تحریک استشراق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر وماٰخذ کا اعتبار اسی طریقے سے اٹھ سکتا تھا اور مشرقی اذہان وقلوب میں تردد وتذبذب کے بیج بوئے جا سکتے تھے۔ اسی ضمن میں قرآن، حدیث اور دوسرے مصادر کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔

اس دور میں قرآن اور حدیث کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن کے متن اور نزول وترتیب کو زیر بحث لا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہم عصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن سیرتِ رسول ﷺ کا مستند ومعتبر ذریعۂ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلہ میں انکار کے لیے حدیث کے کذب وافتراء اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا۔ نالدیکے، گولڈزیہر وغیرہ نے تو انکار حدیث کے مکتبِ فکر کو بطورِ خاص فروغ دیا۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۱۵)

اس عہد میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے ان میں سے چند قابل ذکر ہیں۔ بعض مستشرقین نے سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ طبی نقطہ نظر سے کیا، کچھ نے اس عہد کے معاشی اور معاشرتی عوامل سے متاثر ہو کر رسول اللہ ﷺ کو محض ایک معاشی اور معاشرتی مصلح کی حیثیت سے اہمیت دی اور کچھ نے ان سب سے مرکب ومرتب شدہ نظریہ قائم کیا۔ یہ تمام نقطہ ہائے نظر دراصل مخصوص ذہنی اور فکری پسِ منظر کی پیداوار تھے۔

عہدِ جدید کے مستشرق گولڈزیہر نے علم حدیث اور اسناد کو موضوع بحث بنایا اور اس نے اس میدان میں مختلف مقالے تحریر کئے اور ایک ضخیم کتاب ''دراسات اسلامیہ'' "Muhammadenish Studies 1889-1890" کے عنوان سے ترتیب دی۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے اواخر میں سامنے آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ گولڈزیہر نے اپنے جرمن پیشرو سپرنگر کی پیروی کی ہے اور اس کے نتائج پر ایک گمراہ کن عمارت کھڑی کر

دی ہے جس کی ظاہری چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے۔

گولڈ زیہر نے اپنی بحث کا آغاز تو یہ کہہ کر کیا ہے کہ سپرنگر نے اس باطل نظریئے پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا ہے کہ کتبِ حدیث کا انحصار زبانی ذرائع پر تھا۔ تاہم گولڈ زیہر کے خیال میں دینی احتیاط پسندی نیز اسلامی فرقوں کی پابندیٔ مسلک کے سبب بعد کے زمانے میں تدوینِ حدیث کو ناپسندیدہ سمجھا جانے لگا۔ گولڈ زیہر کے اس قول سے وہی باطل نظریہ دوبارہ نمودار ہو گیا۔ سپرنگر نے مستند مصادر سے جو معلومات فراہم کی تھیں ان کی بنیاد پر تو گولڈ زیہر نے یہ رائے قائم کی کہ صحیفوں اور اجزاء میں احادیث کو قلمبند کرنے کا کام عملاً اسلام کے دور اول میں انجام پا گیا تھا۔ تاہم ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں اس کے ہاں اس موضوع پر جس خیال نے شکل پکڑی وہ کچھ یوں تھا:

> ''یہ تصور کرنے سے کوئی شے مانع نہیں کہ صحابہ وتابعین نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور آپ سے مروی روایات کی حفاظت کرنی چاہی۔ لہذا ضائع ہو جانے کے خوف سے انہیں قلم بند کیا۔ بھلا یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ اقوالِ رسول کو ایک ایسے معاشرہ میں، محض سینہ بسینہ حفظ رہنے کے اتفاقات کے حوالے کر دیا جائے۔ جس میں عام لوگوں کے اقوال بھی ضبطِ تحریر میں لانے کا دستور تھا؟''۔

گولڈ زیہر مزید کہتا ہے:

> ''بہر حال اسلام کے دور اول تک کے حوالے سے یہ رائے درست ہے''۔

تاہم اس کے بعد جو مفروضہ سامنے آتا ہے وہ کچھ زیادہ صحیح نہیں، وہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاں حدیث کو ضبطِ تحریر میں لا کر محفوظ کرنے کے بارے میں ایک طرح کا تامل پیدا ہو گیا۔ گولڈ زیہر نے جو رائے قائم کی اس کی بناء پر اس نے بعد میں لکھے جانے والے مجموعہ ہائے حدیث سے متعلق روایات کو رد کر دیا اور اسی تصور پر اکتفا کر لیا کہ حدیث کی جمع وتدوین کی کوششوں کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔ اس اعتبار سے گولڈ زیہر کی رائے کے مطابق صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتب حدیث کی ترتیب بھی ناقدانہ علمی طریق کار یا ایسے دقیق اور باقاعدہ طریق تصنیف کے مطابق نہیں

ہوئی جس کی بنیاد مرتبین نے اسلاف کی ان تحریروں کے انتخاب پر رکھی ہو، جو ان تک پہنچیں۔ گولڈ زیہر کا خیال ہے کہ اس صورتِ حال نے ان لوگوں کو اپنے طویل سفروں میں، زبانی احادیث جمع کرنے اور انہیں روایت کے مقابل روایت کی صورت میں رکھتے چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ اور یہی حال کتب فقہ کا بھی ہے۔

اس ساری بحث سے گولڈ زیہر کا مقصود یہ سوال پیش کرنا تھا کہ محض زبانی روایات کی بنا پر مدّون کیے جانے والے ان مجموعوں کی تاریخی قدر و قیمت کیا ہے نیز ان کی صحت کو کہاں تک تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے نزدیک ان روایات کی کوئی تاریخی قدر و قیمت نہیں اور ان کی حیثیت ان ہنگامی اور عصری رجحانات کی بازگشت سے زیادہ کچھ نہیں جن میں ان کا مرتب کرنے والا محصور تھا۔ گولڈ زیہر نے یہ بھی کہا کہ ہم ہالینڈ کے عالم ڈوزی (R. Dozy) کی اس رجائیت میں شریک نہیں ہو سکتے جس کی رو سے اس نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ طویل زبانی روایت سے گذر کر ہم تک پہنچنے کے باوجود بہت سی احادیث نبویہ کی صحت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ (تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام: ص ۱۷۴)

عہدِ جدید میں جن نئے رجحانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا ان میں اشتراکی نقطۂ نظر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مارکس اور اینجلز کے خیالات اور تاریخ کی مادی تعبیر نے اپنا حلقۂ اثر پیدا کیا اور ایسے مستشرقین آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت اور فروغ دراصل سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمائیوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں جرمن مستشرق ہیوبرٹ کرائم (Hubret Crimme) کا نام معاشی نظریہ کے ارتقاء کی علامت بنا۔ اس کی تحقیقات کا نچوڑ یہ تھا کہ اسلام کو ایک مذہبی دینی نظام کی بہ نسبت ایک سماجی اشتراکی نظام کی حیثیت سے سمجھنا چاہئے۔ سیاسی، سماجی اور معاشی نقطہ ہائے نظر کا رنگ مارگولیتھ (Margoliouth) نے اور گہرا کیا۔ مارگولیتھ نے اپنے مقالات اور تالیفات میں انتہائی نامناسب زبان اور غیر شائستہ رویہ اختیار کیا۔ اطالوی مستشرق پرنس لیون کتانی (Prince Leone Cactain) نے اپنے ضخیم تحقیقی کام کا ماحصل یہ قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ بس ایک سیاست دان تھے اور انہوں نے معاشی و سیاسی مفادات کی خاطر مذہبی داعیات کو قربان کر دیا تھا۔

مستشرق کیتانی کا زمانہ ۱۸۶۹ء تا ۱۹۳۶ء ہے۔ اس کے آثار میں اسلام کی اشاعت اور تمدن، اور تاریخ اسلام از ۱ھ تا ۹۲۲ھ بہت مشہور ہیں۔ (کیتانی پر ایک مفصل مقالہ ڈاکٹر ریاض الحسن کے قلم سے مجلّہ ''ہمدرد اسلامیکس''، ج:۵، ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ہے، مفید اور معلوماتی ہے) عہدِ جدید سے تعلق رکھنے والے ان مستشرقین کی یہ انتہا پسندی خلافِ حقیقت بھی تھی اور خود گروہ مستشرقین میں سے بھی بعض نے اسے بالکل پسند نہیں کیا۔ مثلاً باسورتھ اسمتھ نے اپنی کتاب "Muhammad and Muahmmansm" میں اپنے مخصوص طرزِ تحریر میں اعتذاری رویہ اختیار کیا۔ اسی انداز کا کام الفانسو اٹینی ڈینٹ اور سلیمان بن ابراہیم کے قلم سے ''حیاتِ محمد'' کے عنوان سے سامنے آیا۔ اسی طرح جے۔ سی آر چرنے اسپرنگر کے طبی و مرضیاتی نقطۂ نظر کی تردید کی۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۲۱) تاہم بعض مستشرقین نے ایک بین بین رویہ اختیار کیا۔ مثلاً عہد جدید کا مشہور مؤرخ ٹائن بی اپنی تصنیف ''مطالعہ تاریخ'' میں دنیا جہان کی تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے اور واقعات سے اصولوں کو اخذ کرتا ہے پھر اسلام کے بارے میں بھی عمومی طور پر معقول رویہ کا اظہار کرتا ہے۔ ایک اور جدید مصنف بلاشیر (Blachere) اپنی کتاب "Le Proleme Mohamet" میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے زیادہ آپ کی حیاتِ طیبہ کے مصادر سے بحث کرتا ہے اور غلو سے بچتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ احادیث وسیر کے ذخیرہ میں بہرحال ایک حصہ ایسا ہے جسے جدید تکنیکی طریقوں سے جانچ پرکھ کر مستند تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۲۳)

اسی قسم کا نقطۂ نظر ولیم منٹگمری واٹ کا بھی ہے۔ واٹ کی تصنیفات کو بہرحال آخری جدید ترین کوششوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک مصادر نے جہاں تک اجازت دی اپنی دانست میں ایک مکمل تصور پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ واٹ کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال کے دوران ''علمیت'' نے جو ترقی کی ہے اس کا مظاہرہ اس کی تصانیف میں نظر آتا ہے۔ اور اس کی تصانیف اسلامی مآخذ کی جدید ترین دریافت اور جرح وتنقید کے جدید اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ واٹ کا مؤقف ٹائن بی سے زیادہ مختلف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کو مکہ اور مدینہ میں مختلف سمجھتا ہے۔ (واٹ اور اس کی تصانیف پر ڈاکٹر سید عبداللہ نے

بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے جو"فکر ونظر" اسلام آباد کی اشاعت اپریل ۱۹۷۶ء میں چھپا ہے)۔

عہدِ جدید کا یہ عمومی جائزہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ عہدِ جدید کے مستشرقین اگر چہ اپنے اندازِ تحریر، اپنی علمیت اور طرز ہائے تحقیق میں اپنے اسلاف سے بہت مختلف ہو گئے ہیں اور بہت سے معاملات میں انہوں نے بالکلیہ رجوع کر لیا ہے تاہم یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تمام تر جدیدیت کے باوجود تحریکِ استشراق کا اصل محرک جذبہ اب بھی کارفرما حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ عہدِ جدید کا ایک مصنف، اطالوی مستشرق فرانسسکو جبرئیلی (Gabrieli Francesco) اپنی زبانِ قلم سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ

"پرانی دشمنی عہدِ جدید میں بھی جاری وساری ہے"۔
(Muhammad and the Conques of Islam, New York, 1968, P.15)

اس صورتحال میں ایڈورڈ ڈبلیو سعید (Edward W. Saeed) کا یہ تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ استشراق (Orientalism) اور اس کی تحریک کا اہتمام وانضباط بنیادی طور پر اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں ایک سیاسی ضرورت کے تحت ہوا اور استشراق کو جہانِ مشرق پر اس وقت مسلط کیا گیا جبکہ مشرق مغرب کے مقابلہ میں مغلوب تھا اور پھر "قوت وضعف" کے اسی تفاوت نے بعض لازمی نتائج کو پیدا کیا۔ استشراق کے درحقیقت دو چہرے، دو رخ ہیں۔ ایک اس کا داخلی اور پوشیدہ پہلو (Latent) اور دوسرا ظاہری، خارجی رخ (Manifist)۔ پہلا داخلی، پوشیدہ رخ تو ہمیشہ سے ایک ہے جسے کبھی کسی زمانہ میں نہیں چھوا گیا۔ جبکہ دوسرا ظاہری پہلو (Manifest orientalism) متغیر ہوتا رہا۔ یعنی مشرقی معاشرہ وتہذیب، زبان، ادب، تاریخ، معاشرت وغیرہ کے بارے میں خیالات وافکار بدلتے رہے۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کے خیالات میں تبدیلی اسی ظاہری استشراق کے حوالہ سے آتی رہی لیکن داخلی جذبۂ استشراق، ہمیشہ سے لے کر آج تک یکساں محکم و مستحکم رہا اور کسی واضح تبدیلی سے آشنا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ مؤثر علمی روایت ہے۔
(Orientalism, P 203-6)

ذیل میں عہدِ جدید سے تعلق رکھنے والے چند معروف ومشہور مستشرقین کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ جو طلبہ عہدِ جدید سے متعلق تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں انہیں رہنمائی مل سکے۔ یہ فہرست استاذ نجیب العقیقی کی

کتاب سے ماخوذ ہے۔

4.1 مونٹے (Monfit,ed.)

فرانسیسی مستشرق، ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۷ء میں انتقال کر گیا۔ علمی آثار میں اسلام، حال و مستقبل (مطبوعہ پیرس ۱۹۰۱ء)، الاسلام (مطبوعہ ۱۹۲۱ء)، تاریخ اسلام (مطبوعہ ۱۹۱۳ء) اور فرانسیسی میں ترجمۂ قرآن (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) شامل ہیں۔

4.2 گاڈ فرے ڈی ممبائن (Goudefroy Demombyne)

فرانسیسی مستشرق ۱۸۶۲ء سے ۱۹۵۷ء تک بقیدِ حیات رہا۔ پیرس میں ''السنہ شرقیہ'' کے شعبہ میں عربی کا استاذ رہا۔ متعدد کتابیں مرتب کیں۔ مثلاً اسلام میں نظم (مطبوعہ ۱۹۳۱ء)، مکہ و مدینہ (مطبوعہ ۱۹۱۸ء)، عالم اسلامی اور بازنطینی صلیبیوں تک (مطبوعہ ۱۹۳۱ء) وغیرہ۔

4.3 کارلو الفانسو نلینو (Nallino, Carlo Alfanso)

اطالوی مستشرق، ولادت: ۱۸۷۲ء، انتقال: ۱۹۳۸ء بے شمار تالیفات و مطبوعات اس سے منسوب ہیں۔ مثلاً: منتخبات القرآن (مطبوعہ لیپزگ ۱۸۹۳ء)، اسلام سے پہلے قبائل عرب کی تکوین و ترتیب (۱۸۹۳ء)، تاریخ یمن قبل از اسلام (۱۹۲۷ء)، ممالک عرب کی اسلام کے بعد عصر حاضر تک تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، عادات، اسماء، قبائل و تراجم رجال، فہرستِ مخطوطات اور شخصیات کی تحقیق، رواۃ، روایت اور مصادر کی تحلیل وغیرہ، اور حیاتِ محمد جو اس کے انتقال کے بعد رومن سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔

4.4 سر تھامس آرنلڈ (Arneld, Sir Thomas) 1864ء تا 1930ء

برطانوی مستشرق، اس کی مشہور ترین کتاب دعوتِ اسلام "The preaching of Islam" ہے۔ یہ کتاب لندن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی۔

4.5 رابرٹ بریفالٹ (Briffault, Robert Staphen)

برطانوی مستشرق، بنیادی تعلق ناول سے تھا۔ مشہور ترین کتاب "The making of humanity" ہے۔

4.6 مارماڈیوک پکتھال (Pickthall, M.W.) 1875ء تا 1936ء

مشہور برطانوی شخصیت پکتھال نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور اسلامی تہذیب پر مقالات مرتب کئے اور خطبات دیئے۔

4.7 اسٹینلے لین پول (Stanlay Lane Poole) 1854ء تا 1931ء

مشہور برطانوی مستشرق، مؤرخ، ماہر آثاریات، تاریخ مسلمانانِ اندلس پر آپ کا کام قابل ذکر ہے۔

4.8 نکلسن (Nicholson, R.A.) 1868ء تا 1945ء

مشہور برطانوی مستشرق، نکلسن نے کئی کتابیں لکھیں لیکن خاص الخاص کتابیں عرب کی ادبی تاریخ مطبوعہ لندن ۱۹۰۷ء اور اس کا مضمون ''محمد اور قرآن''۔ اس کے علاوہ ''محمد کی ایک نامعلوم سوانح'' ہیں۔

4.9 نولدیکے (Noldeke, Th.) 1836ء تا 1930ء

مشہور جرمن مستشرق، نولدیکے نے کئی کتابیں مرتب کیں۔ لیکن جس کام کی وجہ سے اس کو شہرت ملی وہ نقد حدیث کے مکتبِ فکر کا قیام ہے۔ نولدیکے نے قرآن کی سورتوں کی اصل اور ترکیب پر بحث کی۔ سامی زبانوں پر کام کیا اور تاریخ اسلام پر مقالات لکھے۔

4.10 ہرگرونج (Snouck Hergrenje) 1857ء تا 1936ء

ہالینڈ کا مستشرق تھا۔ اس کے آثار میں ''مکہ کا حج، فقہ اسلامی اور سیاستِ نبوی شامل ہے۔ مذہبا عیسائی تھا۔ زیادہ تر کام ولندیزی زبان میں کیا۔ ماہر اسلامیات سمجھا جاتا تھا اس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنی ابتداء سے

ہی سیاسی مذہب تھا۔ بہرحال اسلام کے بارے میں اسے بہت سی غلط فہمیاں تھیں اور اس نے نجی اسلام اور سرکاری اسلام کے درمیان فرق متصور کیا۔

4.11 ونسنک (Wensink, A.J.) 1881ء تا 1939ء

ولندیزی مستشرق تھا۔ اس کی علمی یادگاروں میں "یہود مدینہ کے بارے میں رسول اللہ کا موقف" جو اس کے پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا۔ اور لیدن سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ اس کی کتاب "محمد اور یہود" اور الاسلام (مطبوعہ ۱۹۱۱ء) بھی قابل ذکر ہیں۔

4.12 پروفیسر زخاؤ (Sahau, E) (1845ء تا 1930ء

جرمن مستشرق تھا۔ کئی تالیفات اور مقالات مرتب کئے۔ زخاؤ کا اہم ترین کام طبقات ابن سعد پر ہے۔

4.13 جوزف ہورووز (Horovitz, J) 1874ء تا 1931ء

جرمن مستشرق تھا۔ اس کا اہم کام واقدی کی مغازی پر ہے۔ واقدی کی مغازی پر اس نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

4.14 جوزف ہیل (Hell, Joseph) 1875ء تا 1950ء

جرمن مستشرق تھا۔ عربی تہذیب پر کام کیا۔ کتاب لکھی اور مقالات مرتب کئے۔

4.15 کارل بروکلمان (Brockelman, C.) 1868ء تا 1956ء

بروکلمان مشہور مستشرق ہے۔ تاریخ علوم پر ضخیم کام کیا۔ اس کی مشہور ترین تصنیف "تاریخ اقوام مسلم" ہے۔

4.16 بارتھولڈ (Barthold, V.V.) 1869ء تا 1930ء

روسی مستشرق تھا۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ بارتھولڈ نے بہت کچھ لکھا۔ مثلاً: اسلامی تہذیب، تاریخ

ترکستان، عالم اسلام، خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہ۔

4.17 سموئیل زویمر (Wells, Herbert Gorg)

امریکی مستشرق ہے اس کی تصانیف بہت ہیں۔ خاص طور پر مسیحیت اور اسلام کے تعلقات پر، اس کی کتابوں میں اسلام سے پہلے بلادِ عرب، دنیا میں اسلام، حیاتِ محمد، اسلام صحرائے عرب میں اور ورثۂ نبوی قابل ذکر ہیں۔

4.18 ایچ جی ویلز (Wells, Herbert Grogs) 1886 تا 1946ء

ویلز، انگریز مستشرق تھا۔ افسانہ نگار، ماہر عمرانیات اور مؤرخ تھا۔ اس کی کتابوں میں Outline of History قابل ذکر ہے۔

4.19 گب (Gibb. Sir Hamilton A.R.)

مشہور ترین برطانوی مستشرق ہے۔ گب کی تصانیف اگرچہ بہت سی ہیں۔ تاہم اصل شہرت کتاب Muhammadanism سے ہوئی۔ جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے نام کے سلسلہ میں گب نے خود توجیہات پیش کیں۔ لیکن یہ نام وتوجیہات خود اس کے شاگرد اسمتھ کو پسند نہیں آئیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ گب کے یہاں مختلف نظریات، تصورات اور خیالات میں ارتقاء واقع ہوا اور وقت وحالات کے تحت بہت سے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ جس کا ثبوت اس کی مختلف تحریروں سے ملتا ہے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں بہرحال اس نے اسلام کے بارے میں اعتدال کا مظاہرہ کیا۔

4.20 ولفریڈ کینٹول اسمتھ (Smith, W.C.)

اسمتھ گب کا شاگرد رہا۔ اس نے پی ایچ ڈی کا مقالہ مشہور مستشرق فلپ کے حطی کی نگرانی میں لکھا۔ مقالہ کا عنوان تھا: ''مجلۃ الازہر، تجزیہ وتنقید''۔ ڈلہوزی یونیورسٹی کینیڈا میں religion کا پروفیسر رہا۔

4.21 جوزف شاخت (Schacht, J)

مشہور جرمنی مستشرق خالص یہودی، اسلام اور علوم اسلامی پر متعدد کتابیں لکھیں۔ لیکن اصل کام قانون اور اصول فقہ اسلامی پر کیا۔ (جوزف شاخت پر محمد طفیل کا مقالہ ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ اپریل ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں طبع ہوا ہے مفید اور معلوماتی ہے)۔

4.22 برنارڈ لویس (Levis, Bernord)

عہدِ جدید کا مشہور انگریز مستشرق بہت سی کتابیں لکھیں۔ لیکن مشہور کتابیں Islam in History اور Arabs in History ہیں۔ کیمبرج ہسٹری آف اسلام اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا ایڈیٹر رہا۔ اسلام دشمنی کے لیے مشہور و معروف ہے۔

عہدِ جدید کے مشہور و معروف مستشرقین کا مندرجہ بالا تعارف اگرچہ مختصر ہے لیکن تحریکِ استشراق کے کم وکیف کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔ اور بطورِ ماحصل یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحریک استشراق، اپنے آغاز اور عروج وارتقاء کی مختلف منزلیں طے کرنے کے بعد آج کے عہد انتشار (Crisis) سے دوچار ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مصنفین اپنی اصل تحریک کو اب بھی سینہ سے لگائے ہوئے ہیں لیکن رویہ اور سلوک کی وہ یکسانیت بہرحال نظر نہیں آتی۔ جو پہلے ان کا خاصہ تھا۔ جانسن نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب برطانیہ اور فرانس مسلمان ممالک کے قابو میں تھے اور اسلامی مخالفت کا سامنا کر رہے تھے تو برطانوی اور فرانسیسی Islamists ان ممالک کے مخالف اور غیر ہمدرد تھے جبکہ امریکی مصنفین عام طور پر ہمدرد تھے۔ لیکن حالیہ برسوں میں امریکی مصنفین اسلام کے بارے میں کم ہمدرد ہو گئے ہیں۔ یورپی مستشرقین اب غیر متعلق اور بے پروا نظر آتے ہیں۔ کرداروں کا یہ تفاوت غالباً ۱۹۵۵ء کے لگ بھگ اختیار کیا گیا۔

(Militant Islam, PanBook, London, 1979, P-85)

مستشرقین کی نوجوان نسل، زمانے کے حالات و مسائل کے پیش نظر ذہن وفکر کی نئی تبدیلیوں سے دوچار ہو رہی ہے۔ ادھر اسلامی دنیا میں سوچ کی نئی لہریں پیدا ہو رہی ہیں۔ اور بعض جدید مفکرین و مصنفین مشرق کی

تحریروں نے خود مغربی دنیا میں مدوجزر پیدا کر دیا ہے۔ پھر یہ بات بھی صاف ہے کہ اب طاقت وقوت کے سارے اوزان اور پیمانے بدل گئے ہیں۔ استعمار اور استحصال کی لغات الٹ ہوگئی ہیں۔ علمی وذہنی مرعوبیت کا عالم پہلے جیسا نہیں رہا اور اب مشرق بھی آنکھیں کھول کر فلک، فضا اور زمین دیکھ رہا ہے۔ اس لیے کیا عجب کہ آنے والا زمانہ تحریک استشراق کے کوچ کا بگل بجادے اس لیے بقول جانسن، وقت آ گیا ہے کہ اسلامی مفکرین وعلماء اپنے حریفوں کے مدمقابل آئیں اور مخالفین اسلام کے خلاف، علمی محاذ پر حقیقی معرکہ کے لیے صف آراء ہو جائیں البتہ معروضیت (Objectivity) کا خواہ مخواہ دعویٰ نہ کریں کہ علمی معروضیت تو درحقیقت فریب نظر (Myth) ہے۔

(Militant Islam, P-85)

خود آزمائی ②

۱- بیسویں صدی عیسوی میں تحریک استشراق نے کیا کروٹ اختیار کی؟ اس موضوع پر اجمالی تبصرہ کیجئے۔

۲- مونٹے، گاڈفرے ممبائن اور کارلونل لینو کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجئے۔

۳- سر تھامس آرنلڈ، مارما ڈیوک پکھتال اور لین پول نے کس کس موضوع پر کام کیا؟ ان کی تالیفات کی نشاندہی کیجئے۔

۴- نکلسن، نولدیکے اور ونشک کی شہرت کس وجہ سے ہوئی؟ ان کے علمی آثار پر بحث کیجئے۔

۵- پروفیسر زخاؤ، جوزف ہورووز، کارل بروکلمان اور جوزف شاخت پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔



یونٹ نمبر⑯

فتنۂ انکارِ حدیث

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ایک بہت اہم موضوع ''فتنہ انکار حدیث'' سے ہے۔ انکار حدیث کے فتنہ کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ اس لئے علماء حدیث نے اس فتنہ کے خلاف اس کے آغاز کے ساتھ ہی قلمی جہاد شروع کر دیا۔ اور اس طرح اس ضمن میں ایک بہت وقیع لٹریچر وجود میں آیا۔ اس لٹریچر کا اثر یہ ہوا کہ انکار حدیث کا فتنہ بڑی حد تک دب گیا۔ اور جو لوگ حدیث کی حجیت کا انکار کرنے پر مصر تھے، وقت کے ساتھ ساتھ ان کی آواز بیٹھ گئی۔ بدقسمتی سے انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں کچھ علماء ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے اس موضوع کو از سر نو زندہ کیا۔ اور وہ اعتراضات جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اٹھائے گئے تھے۔ انہیں نئی زبان دے کر پھر اچھالا گیا۔ اور یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ حدیث کے ذخائر نا قابل استدلال اور نا قابل اعتماد ہیں۔ اس پروپیگنڈہ میں جہاں مستشرقین پیش پیش تھے، وہاں ایسے علماء بھی شامل تھے جو ان کی فکر سے متاثر تھے یا ان کے کچھ اور اہداف ومقاصد تھے۔ اس یونٹ میں متعلقہ موضوع پر بنیادی اور اساسی مواد جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کریں اور ساتھ ساتھ ان کتابوں کو بھی دیکھنے کی کوشش کریں جن کے حوالہ جات یونٹ میں دیئے گئے ہیں۔ امید ہے آپ اس یونٹ کو دلچسپ اور مفید پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ فتنہ انکارِ حدیث کے آغاز اور اسباب وعوامل پر بحث کر سکیں۔
⇦ مولانا اسلم جیراج پوری اور حدیث کے بارے میں ان کے موقف پر گفتگو کر سکیں۔
⇦ غلام احمد پرویز اور اطاعت رسول کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر پر بات کر سکیں۔
⇦ روایت حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کے اعتراضات کی نشاندہی کر سکیں۔
⇦ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی امتناع روایت کے بارے میں تبصرہ کر سکیں۔
⇦ صحابۂ کرام اور حدیث رسول کے موضوع پر منکرین حدیث کے موقف کا تجزیہ کر سکیں۔

① فتنۂ انکار حدیث

اسلام میں تقریباً پہلی صدی ہجری تک صحیح احادیث کو بلاتفصیل متفقہ طور پر حجت سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ معتزلہ ظاہر ہوئے۔ ان کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا۔ انہوں نے حشر ونشر، رؤیۃ باری تعالیٰ، صراط ومیزان، جنت وجہنم اور اس قسم کی اور احادیث کو قابل تسلیم نہ سمجھا۔ اور اپنے مخصوص مزاج اور رویہ کی وجہ سے اخبار متواترہ کے علاوہ بقیہ احادیث کا سرے سے انکار کر دیا۔ اور بہت سی قرآنی آیات میں جو اپنے ذوق ومذاق کے خلاف دیکھیں، تاویلیں کر ڈالیں۔ حافظ ابن حزم اندلسی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ اور دیگر تمام فرقے رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر قابل حجت سمجھتے رہے، یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا''۔ (الاحکام فی اصول الأحکام- ج ۱-ص ۱۱۴)

علامہ طاہر بن صالح الجزائری لکھتے ہیں کہ

> ''اگرچہ علماء کے ہاں یہ بات بہت مشہور ہے کہ معتزلہ کا مذہب علم فلسفہ میں توغل کی وجہ سے پیدا ہوا۔ مگر یہ خیال بے اصل ہے کیونکہ ان کا مذہب صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں ظاہر ہو چکا تھا۔ حالانکہ اس وقت تک فلسفہ کی کسی کتاب کا بھی ترجمہ ہونے نہ پایا تھا۔ علامہ جزائری کا یہ دعویٰ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے جب بھی فلسفی اثرات کے لئے کتابی توغل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے عقائد، طرز استدلال، انداز شبہات سب اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ خارجی یا داخلی کسی نہ کسی طور پر ان کے دماغوں پر فلسفہ کا تسلط ضرور ہو چکا تھا''۔

انکارِ حدیث کی فکر جب عام ہونے لگی تو سب سے پہلے امام شافعی نے اپنی کتاب "الرسالۃ" اور "کتاب الأم" کی ساتویں جلد میں اس کی تردید کی۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اطاعت رسول ﷺ کے اثبات میں مستقل ایک جزء تصنیف کیا۔ اور آیات اور روایات سے اپنے مخالفین کی تردید کی۔ جس کا ایک حصہ حافظ ابن قیم نے "اعلام الموقعین" میں نقل کیا ہے۔ اس کے بعد امام غزالی نے اپنی کتاب "المستصفیٰ" میں، امام ابن حزم نے "الاحکام فی اصول الأحکام" میں اور حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے "الروض الباسم" میں اس کے خلاف مقالات لکھے۔ یہاں تک کہ پھر اصول حدیث اور اصول فقہ کا یہ ایک مستقل موضوع بن گیا۔ متأخرین میں حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی ایک مستقل جزء اس پر تألیف کیا۔

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا، اس لئے انکارِ حدیث میں انھیں بہت کچھ پس وپیش کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ان میں ایک گروہ نے یہ تصریح کر دی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے (اس کے راوی اول سے آخر تک ہر طبقہ میں دو دو رہیں) تو چونکہ وہ مفید یقین ہو جاتی ہے، اس لئے ایسی روایت قابل استدلال ہوگی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابو علی جبائی معتزلی سے نقل کیا ہے کہ حدیث کی صحت کے لئے اس کا عزیز ہونا شرط ہے۔ ابوالحسین بصری معتزلی نے اپنی کتاب "المعتمد" میں مراسیل کو قابل استدلال بتایا ہے۔ اور اس اصول میں جمہور فقہاء کے موقف کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکارِ حدیث سے ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط بنیاد پر قائم ہو گئی تھی۔ لیکن موجودہ دور میں انکارِ حدیث کا جو فتنہ پایا جاتا ہے، اس فتنہ کی بنیاد علم وفہم پر نہیں بلکہ جہل وعناد پر ہے۔ اس کا مقصد مذہب کی گرفت ڈھیلی کرنا اور اس کو ایسی صورت میں پیش کرنا ہے جو ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہو جائے۔ اس لئے اب انکارِ حدیث کے لئے کسی بڑی دلیل کی ضرورت بھی نہیں رہی بلکہ صرف چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کر کے بقیہ تمام احادیث کو بے دلیل رد کر دیا گیا۔

قرآن نے تو شریعت موسویہ کے صرف چند احکام ہی کو اصر واغلال سے تعبیر فرمایا تھا، مگر یہاں بعض منکرین حدیث نے آپ ﷺ کی تمام احادیث، احکام وہدایات کو اصر واغلال کہہ ڈالا۔ اس جماعت کا عقیدہ یہ

ہے کہ اطاعت صرف کتاب اللہ کی واجب ہے۔ رسول کی اطاعت منصب رسالت کے لحاظ سے کوئی ضروری امر نہیں۔ اس کا فریضہ صرف تبلیغ قرآن سے ادا ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ تمام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوتا ہے، گویا اس کے کسی قول و فعل کو تشریعی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے تو ایسے ہی جیسے اپنے زمانے کے ہر امیر اور حاکم کی لازم ہوا کرتی ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد درحقیقت مقام نبوت اور حقوق نبوت سے تمام تر ناواقفیت کی بنیاد پر ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ باطل ہے اور اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے اس خیال کی اصلاح کر کے انکار حدیث کی ایک تیسری صورت پیدا کی گئی، اور وہ یہ کہ دین میں کتاب اللہ کے سوا ''اسوۂ رسول'' کا اتباع اور پیروی لازم ہے۔ ''اسوۂ رسول ﷺ'' رسول ﷺ کا وہ عمل ہے جو اس نے امت کو کتاب اللہ کے مطابق کر کے دکھایا ہے، اس کے علاوہ دوسرے امور میں اس کی حیثیت پھر وہی امیر کی حیثیت رہ جاتی ہے، جس کی اطاعت صرف اس کے زمانۂ حیات سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس خیال و فکر کے حامل جناب اسلم جیراج پوری اور ان کی جماعت ہے۔ مولانا جیراج پوری کے نزدیک حدیث کو کوئی تشریعی حیثیت حاصل نہیں، زیادہ سے زیادہ صرف تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

1.1 مولانا اسلم جیراج پوری

مولانا جیراج پوری ۱۳۹۹ھ میں جیراج پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں بطور لیکچرر کام شروع کیا۔ بعد میں جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ کی قابل ذکر تصانیف میں سے تاریخ القرآن، تاریخ امت (آٹھ جلدوں میں) اور الوراثة فی الاسلام قابل ذکر ہیں۔ منکرین حدیث کی جماعت میں آپ کی حیثیت اس پہلو سے زیادہ مسلمہ ہے کہ اس فکر کو تقویت دینے اور غذا فراہم کرنے میں آپ کی خدمات سب سے زیادہ ہیں۔ غلام احمد پرویز نے آپ ہی کی افکار سے فیض حاصل کیا ہے۔ مولانا جیراج پوری کی نظر میں حدیث کی اہمیت تاریخ سے کچھ زیادہ نہیں۔ بالفاظ دیگر، اگر کوئی شخص بھی موجودہ مجموعہ ہائے حدیث میں سے اگر کوئی حدیث قبول کرنا چاہے تو وہ محض اس کی مرضی اور پسند پر منحصر ہے، اور اگر رد کر دیتا ہے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ

دِيْنَكُمْ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے آپ احادیث پر ان الفاظ کے ساتھ تبصرہ کرتے ہیں:

''اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی جو روایات سے پوری کی جائے، اس لئے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین وضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال اور احوال بیان کیے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بے شک قرآن کے احکام مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کر کے دکھایا اور امت کو سکھایا اور جو سلسلہ بہ سلسلہ متواتر چلا آ رہا ہے۔ وہ یقینی اور دینی ہے، کیونکہ تواتر یقینیات کی اقسام میں داخل ہے اور اس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ ﴿وَلَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (طلوع اسلام-ستمبر ۱۹۵۵ء)

اشتراکیت اور روس میں مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں سوویت روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوئے ہیں۔ لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ رکھتے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب وضرب، شورش وانقلاب اور تغیر وتبدل ہو رہا ہے وہ سب تکمیل دین اور اتمام نور کے لئے ہو رہا ہے۔ اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جا رہی ہے، کیونکہ انسانیت کو ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے''۔ (نوادرات-ص ۱۱۴)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی تاریخ

میں سوائے تفرقہ اندازی، سفک دم (خون بہانا) اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں۔ اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے، اور یہی روسیوں نے کیا ہے۔ یہی نفی لا ہے''۔ (نوادرات-ص۱۱۴)

آپ کی اس فکر کو بنیاد بنا کر غلام احمد پرویز صاحب نے ''قرآنی نظام ربوبیت'' ایجاد کیا۔ اور تمام منکرین حدیث پر آپ کا احسان یہ ہے کہ آپ نے مرکز ملت کا تصور اختراع کر کے ان حضرات کو ایک بہت بڑی پریشانی سے نجات دلائی۔

1.2 مرکز ملت کے تصور کا پس منظر

مرکز ملت کے تصور کا پس منظر یہ ہے کہ منکرین حدیث نے حدیث سے انکار تو کر دیا مگر اب قرآن کے احکام کی تعمیل کا طریقۂ کار کا مسئلہ ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ انکار سنت تک تو ان سب کی راہ ایک تھی مگر آگے چل کر اس سے کئی راہیں پیدا ہو گئیں اور یہ لوگ کسی ایک مسئلہ میں بھی متحد نہ رہ سکے، اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ بالآخر حافظ اسلم جیراج پوری نے اس ''امت'' کے سامنے مرکز ملت کا نظریہ پیش کیا، اس پر عملدرآمد کی تو کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ تاہم آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کی اور نظریہ پیش کر دیا۔ آپ نے یہ تصور جن الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ذیل میں ہو بہو اسے نقل کیا جاتا ہے۔

1.3 نظریۂ مرکز ملت

''چوتھی دلیل جو بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کی جاتی ہے، یہ ہے کہ بیسیوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا ہے۔ اگر حدیثیں دینی حجت نہ ہوں تو یہ اطاعت کس طرح ہو گی؟ دراصل یہی سب سے بڑی غلط فہمی ہے جو حدیثوں کو دین بنانے کا موجب ہوتی ہے۔ میں نے اس مبحث پر ایک مفصل مقالہ ''اسلامی نظام'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہاں مختصراً صرف اس

قدر لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں:

۱) پیغمبری، یعنی پیغامات کو بلا کم و کاست لوگوں تک پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے آپ ﷺ کی تصدیق کرنا اور آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض کیا گیا۔ یہ پیغمبری آپ ﷺ کی ذات پر ختم ہو گئی۔

۲) امامت، یعنی امت کا انتظام۔ اس کو قرآن کے مطابق چلانا، اس کی شیرازہ بندی، ان کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات اور جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ۔ اس حیثیت سے آپ کی اطاعت اور فرماں برداری لازم قرار دی گئی۔

1.4 مرکز ملت کی وضاحت

یہ امامت کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لئے قائم ہوئی، قیامت تک کے لئے مستمر (جاری و ساری) ہے، جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ ہمیشہ رہنی چاہئے۔ قرآن میں اطاعت رسول ﷺ کے جو احکام ہیں، آپ ﷺ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ منصب امامت کے لئے ہیں۔ جس میں آنے والے تمام خلفاء داخل ہیں۔ ان کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ قرآن میں جہاں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے، اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک رسول اللہ ﷺ امت میں موجود تھے، ان کی اطاعت اللہ اور رسول ؐ کی اطاعت تھی۔ (اور یہ امت ہمیشہ آپ کی ہی امت رہے گی کیونکہ آپؐ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہو گی۔

اطاعت رسول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے جو کچھ کہہ دے ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں گے۔ دین کی ضروریات، قرآن کی اتباع اور امامت وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں۔ امام کے ساتھ منتخب افراد ہوں گے، جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب اقتضاء زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا اور اس میں وحدت مرکز قائم رکھے گا، اور متفرق نہ ہونے دے گا''۔ (مقام حدیث ص ۱۳۰)

مولانا جیراج پوری کے پیش کردہ تصور کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱) رسول اللہ ﷺ کی صرف دو حیثیتیں تھیں، ایک بحیثیت رسول ﷺ، دوسرے بحیثیت حاکم۔ حالانکہ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی کئی حیثیتیں بیان کی ہیں۔

۲) پیغمبری والی حیثیت ختم ہوگئی ہے، حاکمیت والی باقی ہے۔ بعد میں آنے والا ہر حاکم چونکہ رسول کا قائم مقام ہے، لہٰذا اس کی اطاعت، رسول کی اطاعت، اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ گویا بعد میں آنے والے حاکم یا مرکز ملت کی اطاعت، اللہ اور رسولؐ دونوں کی اطاعت ہے۔

۳) یہ کہ مرکز ملت قرآن کو سامنے رکھ کر حسب اقتضائے زمانہ شریعت سازی کرے گا۔

۴) اس مرکز ملت کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ وحدت مرکزی کو بھی قائم رکھے گا۔

1.5 کیا مرکز ملت کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے؟

مولانا جیراج پوری کا یہ کہنا کہ مرکز ملت کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے، درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر غلط ہے:

۱) رسول مامور من اللہ ہوتا ہے، جبکہ دوسرے کسی کو یہ مقام حاصل نہیں۔ مرکز ملت یا تو منتخب شدہ ہو گا، یا بزور بازو برسر اقتدار آئے گا اور ان دونوں صورتوں میں غلطی کا امکان ہے۔

۲) رسول تمام امت کے لئے اسوہ ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کی سیرت وکردار میں کوئی جھول رہ جائے تو بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ مگر مرکز ملت کے لئے اصلاح کی یہ صورت ممکن نہیں۔

۳) قرآن اور نبی کی سیرت وکردار یہ دو چیزیں مل کر شریعت بنتی ہے۔ اور یہ دوسری چیز بھی یا تو منزل من اللہ ہوتی ہے یا منشائے الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا﴾ (۵/۴۰)

''تم میں سے ہر امت کے لئے ہم نے شریعت اور طریقہ مقرر کیا''۔

اور رسول اللہ کے لئے خاص کر فرمایا:

﴿ثم جعلناک علی شريعة من الأمر فاتبعها﴾ (۴۵/۱۸)

''پھر ہم نے آپ کو امر (اقامت دینی) میں ایک شریعت پر قائم کیا، سو اسی کی پیروی کرو۔

نوٹ: مولانا جیراج پوری کا یہ کہنا کہ اگر مرکز ملت قائم ہو جائے تو امت میں اختلاف ختم ہو جائیں گے اور مرکز ملت کے ساتھ مرکزی وحدت بھی قائم ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسی ''خیالی جنت'' ہے جس کا عملی دنیا میں وقوع پذیر ہونا ناممکنات میں سے ہے، اس لئے کہ:

۱) آج کے دور میں بھی مسلمانوں کی پچانوے فیصد آبادی سنت کی شرعی حیثیت اور اسے شرعی قانون کا ماخذ تسلیم کرتی ہے۔ ان حالات میں نہ ایسا مرکز ملت قائم ہو سکتا ہے اور نہ اس خیالی مرکزی وحدت کا امکان ہے۔

۲) اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ سارے مسلمان سنت کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت پچاس پچپن ممالک میں مسلمان حکمران ہیں وہ ایک مرکز ملت قائم کرنے پر کیسے رضامند ہو جائیں گے۔ بصورت دیگر وہ اپنے اپنے ممالک میں الگ الگ مراکز ملت قائم کریں گے اور قرآن کو سامنے رکھ کر اپنے اپنے ملک کے لئے الگ الگ شریعتیں تیار کریں

گے۔ اور پھر یہ سلسلہ صرف ایک دور تک محدود نہیں تا قیامت جاری رہے گا۔ تو اندازہ کیجئے کہ اس طرح تیار شدہ شریعتوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ پھر چونکہ ہر ملک شریعت سازی کے وقت اپنے ملک کے حالات اور تقاضوں کو بھی مدنظر رکھے گا، اس لئے ان شریعتوں میں اختلاف ناگزیر ہوں گے اور بحث وجدال وانتشار کے کئی نئے میدان کھل جائیں گے۔

۳) مسلمانوں کی پچانوے فیصد آبادی سنت کو شرعی حجت تسلیم کرتی ہے اور سنت نے ہر فریضہ کی بجا آوری کے لئے ایک متعین شکل سامنے رکھ دی ہے، لیکن اس کے باوجود قرآن کریم کی آیات کی تفسیر وتاویل میں جو کچھ اختلافات ہیں وہ معلوم ومشہور ہیں۔ اب اگر سنت کو چھوڑ کر محض لغت کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر وتاویل کی جائے گی تو اس میں جس قدر اختلافات ممکن ہیں، اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ پھر اگر لغوی تفسیر میں حالات وزمانے کے تقاضوں کا بھی اضافہ کرلیا جائے تو قرآن بچوں کا کھیل بن جائے گا۔ یہ سنت کو شرعی حجت ماننے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے اربوں افراد اصولی احکام ومسائل میں ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع نظر آتے ہیں۔

1.6 عبداللہ چکڑالوی

حدیث وسنت کو حجت نہ ماننے والوں میں ایک اہم نام عبداللہ چکڑالوی کا بھی ہے۔ عبداللہ چکڑالوی، ضلع گورداسپور کی ایک بستی چکڑالہ میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔ آپ کا تعلق ابتداء میں اہل حدیث مکتب فکر سے رہا، لیکن بعد میں حجیت حدیث سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے شرک فی الکتاب قرار دینے لگے۔ آپ کہتے ہیں کہ:

> ''پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے، اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ رسل وانبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو۔

جس طرح شرک موجبِ عذاب ہے، اسی طرح مطابق ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ اور ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ اور ﴿لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖ اَحَدًا﴾ کے شرک فی الحکم یعنی دین میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا کسی اور کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کر دینے والا باعث ابدی ودائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں"۔ (ترجمۃ القرآن۔ص ۹۸)

نوٹ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چکڑالوی صاحب نے جن تین آیات کا حوالہ دیا ہے ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ ہی بیسیوں مرتبہ اپنی کتاب (قرآن) میں اپنے رسول کی اطاعت اور اتباع کا حکم دے تو یہ شرک فی الحکم یا شرک فی الکتاب کیسے بن گیا؟

انکارِ حدیث کی بناء پر چکڑالوی صاحب دوسرے منکرین حدیث کی طرح معجزات، شفاعت، عذابِ قبر، ایصالِ ثواب اور تعددِ ازواج کے بھی قائل نہ تھے البتہ ایک بات ایسی ہے۔جس میں چکڑالوی صاحب دوسرے منکرین حدیث سے ممتاز نظر آتے ہیں وہ یہ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سید الانبیاء ہونے کے قائل بھی نہ تھے۔ آپ ایک سائل کو جواب یا فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"آپ نے اپنے مسلمہ قرآن اور بخاری اور صحاح ستہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو نبیوں کا سردار لکھا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں متبع اور مقتدی کل انبیاء کا عموماً اور ابراہیمؑ کا خصوصاً، لقب مرحمت فرمایا ہے۔ اور پھر آپ نے ان کو نبیوں کا سردار بنا کر دوسرے انبیاء اور رسل کی تحقیر وتذلیل کر کے "لانفرق بین احد من رسلہ" کا کفر کیا یا نہیں؟" (اشاعۃ القرآن۔ مئی ۱۹۲۲ء۔ص ۱۳)

نوٹ: چکڑالوی صاحب کو ﴿لَا نُفَرِّقُ﴾ والی آیت کو قرآن میں نظر آ گئی مگر ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ کہیں نظر نہیں آیا۔ پہلی آیت میں مقام رسالت کا ذکر ہے، رسول ہونے کی حیثیت سے تمام انبیاء برابر ہیں۔ دوسری آیت میں انبیاء کے درجات کا بیان ہے، اس پہلو سے انبیاء میں فرق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سابقہ انبیاء کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کی ہدایت کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ ﴿فبهداهم اقتده﴾ اور یہ ہدایت منزل من اللہ اور سب انبیاء پر ایک جیسی ہی نازل ہوئی ہے اور ابراہیم کی ملت کی اتباع کا ذکر فرمایا ہے اور ملت سے مراد وہ نظام دین ہے۔ جو ابراہیم نے تو قائم فرمایا تھا۔ نظام دین کے قیام میں پیش آمدہ مشکلات میں اگر سابقہ انبیاء کی ایسی ہی مشکلات اور صبر وثبات کا حوالہ دے کر آپ ﷺ کو بھی ان کے طریق کار کی اتباع کی ہدایت کی گئی ہے تو اس سے آپ ﷺ کا درجہ کیسے کم ہو گیا؟ درجہ کی فضیلت تو یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس نظام دین کو قائم کرنے میں کون سا رسول سب سے زیادہ کامیاب رہا ہے؟ اور قرآن وحدیث اور تاریخ شاہد ہے کہ اس پہلو سے آپ ﷺ سب سے بلند درجہ پر ہیں۔

چکڑالوی صاحب کو صحیح بخاری اور صحاح کی دیگر کتابوں میں یہ حدیث ((انا سید ولد آدم ولا فخر)) بھی کہیں نظر نہ آئی، اس حدیث کی رو سے آپ ﷺ تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں۔ جن میں یہ تمام انبیاء اور رسل بھی شامل ہیں۔ نہ ہی چکڑالوی صاحب کو کہیں یہ حدیث نظر آئی کہ اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

1.7 حافظ عنایت اللہ اثری (م ۱۹۸۰ء)

حافظ عنایت اللہ اثری کا تعلق مکتب اہل حدیث سے تھا لیکن بعد میں انہوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔ آپ بھی تمام منکرین حدیث کی طرح معجزات انبیاء کے منکر تھے۔ حافظ اثری صاحب نے تمام امت مسلمہ کے مسلمہ عقیدہ کے برعکس "عیون زمزم فی ولادۃ عیسیٰ بن مریم" نامی کتاب لکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدائش کی تردید کی۔ علاوہ ازیں دو کتابیں "بیان المختار" اور "قول المختار" لکھ کر تمام انبیاء کے معجزات کا انکار کیا ہے۔ حافظ صاحب اور دوسرے منکرین حدیث میں ما بہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ تمام منکرین حدیث کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ پہلے احادیث کا انکار کرتے ہیں، پھر بعد میں قرآن مجید کی من مانی تاویلات کرتے ہیں۔ جبکہ حافظ صاحب نے پہلے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کیں، اور پھر احادیث کا انکار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کی من مانی اور من گھڑت تاویلات میں حافظ اثری نے باقی تمام منکرین

حدیث کو مات دی ہے۔ حافظ اثری نے جب واقعہ اسراء کی تاویل کرتے ہوئے مسجد اقصیٰ سے مراد ''دور کی مسجد'' اور مدینہ منورہ نیز واقعہ اسراء سے مراد ہجرت نبوی کا تصور پیش کیا، تو غلام احمد پرویز صاحب نے انھیں درج ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

> ''اگلے دنوں ایک صاحب کی وساطت سے مجھے عنایت اللہ اثری (وزیر آبادی ثم گجراتی) کی کتاب ''حصول تیسیر البیان علی اصول تفسیر القرآن'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ انہوں نے بھی مسجدِ اقصیٰ کا وہی مفہوم لیا ہے جسے میں نے ''مفہوم القرآن'' میں لکھا تھا۔ ایک اہل حدیث عالم کی طرف سے اس آیت کا وہ مفہوم جو روایاتی مفہوم سے ہٹا ہوا ہو، واقعی باعث تعجب ہے۔ (اور چونکہ وہ مفہوم میرے نزدیک قرآن کی منشاء کے مطابق ہے، اس لئے وجہ حیرت ہے) مولانا صاحب اگر بقید حیات ہوں (خدا کرے ایسا ہی ہو اور خدا ان کی عمر دراز کرے) تو وہ میری طرف سے اس تحقیق اور حق گوئی کی جرات پر ہدیۂ تبریک قبول فرمائیں''۔ (طلوع اسلام، جنوری ۱۹۷۵ھ)

خود آزمائی ①

۱) فتنہ انکار حدیث کا آغاز کب ہوا؟ اس فتنہ کے اسباب وعوامل پر بحث کیجئے۔

۲) مولانا اسلم جیراج پوری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ان کے موقف کو اختصار کے ساتھ پیش کیجئے۔

۳) مرکز ملت کی اطاعت اور رسول کی اطاعت میں کیا فرق ہے؟ اس بارے میں وضاحت کیجئے۔

۴) عبداللہ چکڑالوی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تفصیلا بیان کیجئے۔

۵) حافظ عنایت اللہ اثری کون تھے؟ منکرین حدیث کے ہاں انھیں کس پہلو سے اہمیت حاصل ہے؟

1.8 غلام احمد پرویز (م ۱۹۸۵ھ)

غلام احمد پرویز، حافظ اسلم جیراج پوری کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ نے عمر کا بیشتر حصہ سرکاری ملازمت میں گزارا۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ آپ علامہ اقبال کے شیدائیوں میں سے تھے اور علامہ کے کلام کا بیشتر حصہ آپ کو ازبر تھا۔ ۱۹۳۸ء میں علامہ اقبال نے وفات پائی تو ان کی یادگار کے طور پر سیّد نذیر نیازی صاحب نے ایک ماہنامہ بنام طلوع اسلام جاری کیا۔ تھوڑی مدت کے بعد غلام احمد پرویز اس ماہنامہ کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ اور پھر اس کی سرپرستی سنبھال لی۔ شروع میں علامہ اقبال کی تعلیمات اور افکار کے حوالہ سے لکھتے رہے لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے اس پرچہ کو اپنے افکار ونظریات کی نشرواشاعت کا ذریعہ بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو آپ دہلی سے کراچی منتقل ہوئے۔ کراچی آکر آپ نے اس ماہنامہ کو اب محض اپنے افکار کی اشاعت کے لئے مختص کر لیا۔ اس ماہنامہ کا جلد نمبر بھی ۱۹۴۷ء سے ہی شروع کیا گیا۔ ماہنامہ طلوع اسلام پرویز صاحب، ان کی پارٹی اور دوسرے منکرین حدیث کا ترجمان بن کر سامنے آیا۔ ۱۹۵۵ء میں غلام احمد پرویز نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ اس کے بعد لاہور منتقل ہو گئے اور گلبرگ میں رہنے لگے۔ فروری ۱۹۸۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ غلام احمد پرویز مغربی مفکرین کے افکار ونظریات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کی تشریح کے لئے بکثرت ان کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ بعد میں قرآنی آیات لکھ کر ان افکار پر فٹ کر دیتے ہیں۔ آپ نے اپنے افکار ونظریات کی مکمل وضاحت کے لئے طلوع اسلام کو ادارہ کی شکل دی جس کے مدیر آپ خود رہے اس ادارہ نے آپ کی بہت سی تصانیف کو بھی شائع کیا۔ اور آپ کے افکار ونظریات کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ غلام احمد پرویز نے اپنے افکار ونظریات کو پھیلانے کے لئے وسیع لٹریچر تخلیق کیا۔ ذیل میں آپ کے افکار کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

1.9 اطاعت رسول

امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت فرض اور واجب ولازم ہے۔ لیکن غلام احمد پرویز اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''مقلد ائمہ ہوں یا مقلد روایات، تقلید کی تائید میں ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ یا صحابۂ کبار یا ائمہ فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں وقت اتنا نہیں سوچتے کہ رسول اللہ ﷺ وصحابہ کبار یا ائمہ فقہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔ وہ مسائل زندگی کا حل خود سوچتے تھے۔ آپ بھی اپنے مسائل زندگی کا حل خود تلاش کیجئے''۔ (اسباب زوال امت۔ص ۱۰۱)

اس اقتباس میں غلام احمد پرویز صاحب نے تقلید کا لفظ ائمہ اجتہاد وفقہاء کے ساتھ صحابۂ کبار اور اس سے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ کی اطاعت پر بھی استعمال کر کے، مسلمانوں کو اطاعت رسول سے برگشتہ کرنے کی جسارت کی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا خود سوچنے میں سارے مسائل کا حل موجود ہے؟ اگر خود سوچنے کی بات تھی تو رسول اکرم ﷺ نے ''افک'' کے معاملہ میں مہینہ بھر کیوں سوچا؟ اور اتنی پریشانی برداشت کی؟ جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والوں پر پورے پچاس دن کیوں سختی کی جاتی رہی۔ آپ نے خود سوچ کر اس کا حل کیوں نہ پیش فرما دیا۔

غلام احمد پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے کروڑوں افراد قرآن اور لغت کے ماہر ہیں اور ان میں سے ہر شخص اتنا ذی استعداد اور باصلاحیت ہے کہ خود سوچ کر اپنے مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے سب لوگوں کو ایک جیسی صلاحیت نہیں دی ہے۔ جہاں تک قرآن وحدیث کی آیات وروایات کے فہم صحیح کا تعلق ہے تو اس کا انحصار لغت کی مہارت اور مطالعہ کی وسعت پر نہیں بلکہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کے ساتھ تعلق اور ارادت وعقیدت پر ہے۔ اگر ہر شخص اپنی سوچ اور فکر سے اپنے مسائل حل کر سکتا تو اللہ جل شانہ ہدایت ورہنمائی کا یہ سارا نظام کیوں قائم فرماتا؟...... کتاب کیوں نازل فرماتا؟...... اور انبیاء کیوں مبعوث فرماتا؟...... جہاں تک ائمہ اجتہاد کا تعلق ہے تو یہ حضرات بھی ہر معاملہ میں کتاب وسنت کو اپنے اجتہاد کا ماخذ قرار دیتے تھے۔ اگر کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ کو بھی ماخذ قانون بنانے کو ''تقلید'' کا نام دیا جائے تو بلاشبہ یہ سارے حضرات مقلد تھے۔ اور سنت کی تقلید واتباع ظاہر ہے کہ لازمی اور ضروری ہے۔

② مقامِ رسالت

سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد غلام احمد پرویز صاحب مقامِ رسالت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''توحید کے بعد رسالت حضور ختم المرسلین پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن رسول پر ایمان لانے سے مفہوم اس کی ذات پر ایمان نہیں کیونکہ اس کی ذات تو مکان وزمان کے حدود کی پابند ہوتی ہے اور ملتِ اسلامیہ جیسا کہ ابھی ابھی کہا جا چکا ہے، ابدیت سے ہمکنار ہے۔ رسالت محمدیہ پر ایمان سے مقصود اس کتاب پر ایمان ہے جو حضور ﷺ کی وساطت سے امت کو ملی''۔ (فردوس گم گشتہ: ص ۳۸۳)

جمہور علماء امت کے نزدیک نبی اور رسول میں فرق ہوتا ہے لیکن غلام احمد پرویز صاحب کی تعلیمات کے مطابق نبی اور رسول میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ جو نبی ہے وہ رسول بھی ہے اور جو رسول ہے وہ نبی بھی۔ اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں:

''نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ ایک قوت ہے، دوسری اس کی عملی تفسیر، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ایک ہی شخصیت کو کہیں نبی کہا گیا ہے اور کہیں رسول''۔ (سلیم کے نام سولہواں خط: ص ۲۶۴)

2.1 رسالت بدستور جاری ہے۔

ایک طرف تو غلام احمد پرویز صاحب یہ کہتے ہیں کہ نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں لیکن دوسری طرف آپ اس ''ایک ہی حقیقت'' کے دونوں رخوں کو جدا جدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی نبوت کو تو حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں اور رسالت کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں آپ

لکھتے ہیں:

''نبوت شخصیت کی مظہر ہوتی ہے اور رسالت آئیڈیالوجی کی نقیب۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت ختم ہوگئی مگر رسالت باقی رہ گئی۔ اس لیے کہ اب انقلاب کا مدار رسالت پر تھا نہ کہ شخصیتوں پر۔ آئیڈیالوجی حروف ونقوش کی شکل میں محض مجرد تصور ہوتی ہے۔ اس کی عملی صورت نظام کہلاتی ہے۔ لہذا یوں سمجھئے کہ ختم نبوت کے بعد اشخاص کی جگہ نظام نے لی۔ مگر رسالت محمدیہ قیامت تک کے لیے باقی ہے۔ لیکن مسلمان اس سے دور ہی نہیں بلکہ اس کی راہ میں روک بنا کھڑا ہے۔ ختم نبوت کی لمبی مدت ہوئی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ اس لیے اس نے رسالت کو ایک عرصہ سے پسِ پشت ڈال رکھا ہے''۔ (سلیم کے نام چودھواں خط: ص ۲۳۱)

2.2 اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے مراد

غلام احمد پرویز صاحب اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بارے میں اپنا موقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چونکہ نظامِ دین میں اللہ کے احکام مرکز سے نافذ ہوتے تھے اور یہ مرکزی قوت نافذہ رسول کی مخصوص شخصیت میں تھی اس لیے ان مرکزی احکام کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت قرار دیا گیا۔ لہذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزی نظام دین (Central Authority) ہے جہاں سے احکام قرآنی نافذ ہوں''۔ (معراج انسانیت: ص ۶۱۶)

اب ظاہر ہے کہ یہ مرکز ملت بھی کوئی شخص یا اشخاص کا گروہ ہوگا جن کو اللہ اور رسول دونوں کے جملہ حقوق تفویض کئے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں ادارۂ طلوع اسلام کے ایک اہم رکن ڈاکٹر عبدالودود صاحب کہتے ہیں:

''عملی انتظام کی سہولت کے لیے امت اپنے میں سے بہترین افراد کو نمائندہ بنا کر ((فیکم رسول)) کے سلسلہ کو قائم رکھتی ہے اور یہ کہ رسول کی زندگی کے بعد ((فیکم رسول)) سے مراد ملت کی مرکزی اتھارٹی ہے۔ جو رسول کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرتی ہے۔ اور یہ کہ رسول کے بعد صرف مرکزِ ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے''۔ (طلوع اسلام: جون ۱۹۵۹ء)

2.3 الگ الگ اطاعت کا تصور

غلام احمد پرویز نے یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مراد قرآن کی اطاعت لیتے ہیں اور رسول کی اطاعت سے مراد احادیث کی اتباع ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو سراسر بے بنیاد ہے۔ مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی الگ الگ اطاعت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ اور رسول ﷺ کی اطاعت عبارت ہے قرآن اور اسوۂ حسنہ سے۔ اس طریق اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کوئی تصور مسلمانوں میں موجود نہیں۔ غلام احمد پرویز صاحب ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت مقدسہ میں عام طور پر اولی الامر سے مراد لیے جاتے ہیں ارباب حکومت (مرکزی اور ماتحت سب کے سب) اور اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ اگر قوم کی حکومت سے اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھ کر مناظرہ کیا جائے اور جو ہار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے۔ ذرا غور فرمایئے کہ دنیا میں نظام حکومت اس طرح سے قائم رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے، اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور قرآن

وحدیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج دے دے۔ اس آیت مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے جس میں اللہ اور رسول سے مراد ہی مرکز ملت ہے اور اولی الامر سے مفہوم افسرانِ ماتحت۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقامی افسر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہیں مناقشات شروع کر دو امر متنازع فیہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دو، اسے مرکزی حکومت کی طرف refer کر دو۔ مرکز کا فیصلہ سب کے لیے واجب التسلیم ہوگا۔ یعنی اس نظام میں مقامی افسروں کے فیصلوں کے خلاف عدالت عالیہ میں مرافعہ (اپیل) کی گنجائش باقی رکھی گئی ہے''۔ (معراج انسانیت: ص ۲۲۵)

③ نظام ربوبیت

غلام احمد پرویز نے اپنے لٹریچر میں نظام ربوبیت کی اصطلاح کا بہت کثرت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ جس طرح مولانا اسلم جیراج پوری نے مرکزِ ملت کی خیالی جنت کا تصور پیش کیا ہے اسی طرح پرویز صاحب نے نظام ربوبیت کو بنیاد بنایا ہے۔ اس ضمن میں آپ کہتے ہیں:

''میں نے جو گزشتہ صفحات میں لکھا ہے (اور جو کچھ بعد میں آئے گا) اسی میں آپ نے ایک چیز کو نمایاں طور پر محسوس کیا ہوگا اور وہ یہ کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی سند میں صرف قرآن کی آیات پیش کی ہیں۔ تاریخ اور روایات سے کچھ نہیں لکھا۔ حتی کہ میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ نبی اکرم نے جس نظامِ ربوبیت کو متشکل فرمایا ہے اس کے خدوخال کیا تھے؟...... اور وہ کب تک علی حالہ قائم رہا؟...... ایک بات بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ کو یہ تسلیم ہے کہ جو کچھ ان صفحات میں لکھا گیا ہے وہ قرآن کی رو سے صحیح ہے تو اس کے بعد ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے مطابق معاشرہ کی تشکیل فرمائی ہوگی''۔ (نظامِ ربوبیت: ص۲۲۳)

3.1 دورِ نبوی ﷺ اور نظامِ ربوبیت

غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ دورِ نبوی ﷺ میں نظام ربوبیت کے قیام کے لیے حالات سازگار نہ تھے۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ جس زمانہ (چھٹی صدی عیسوی) میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ذہن انسان اپنی پختگی تک نہیں پہنچ چکا تھا۔

اس نے فقط اپنے عہدِ طفولیت کو چھوا تھا۔ اب اسے رفتہ رفتہ پختگی تک پہنچنا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی فقید المثال تعلیم اور سیرت سے قرآنی اصولوں کو معاشرہ میں نافذ العمل کر کے دکھایا تھا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ اصول ناممکن نہیں۔ لیکن اس زمانہ کی دنیا ہنوز ذہنی طور پر اس سطح پر نہیں آ چکی تھی کہ وہ ان اصولوں کو یا ان کی بنیادوں پر قائم کردہ معاشرہ کو شعوری طور پر اپنا سکے۔ یہ چیز ابھی ان کے شعور میں سما ہی نہیں سکتی تھیں۔ اگر مسلمان اسے اسی ''ایمان بالغیب'' کے انداز سے جس سے یہ معاشرہ قائم ہوا تھا آگے چلاتے رہتے تو یہ آگے بڑھتا رہتا لیکن انہوں نے اس طریق کو چھوڑ دیا اور شعوری طور پر دنیا ہنوز اس قابل نہ تھی کہ اسے اختیار کر سکتی۔ لہذا یہ نظام ختم ہو گیا''۔ (نظامِ ربوبیت: ص ۲۳۴)

④ روایتِ حدیث

روایت حدیث کے عنوان کے تحت مولانا اسلم جیراج پوری صاحب لکھتے ہیں:

''روایت کا آغاز عہدِ نبوی ﷺ میں ہی ہو چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ جن اوقات میں صحبتِ مبارک میں موجود نہیں رہتے تھے۔ ان اوقات کے احوال واقوال نبوی ﷺ کو دوسرے صحابہؓ سے جو حاضر رہتے تھے، سنتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس غرض کے لیے اپنے ایک پڑوسی انصاری نوجوان سے باری مقرر کر رکھی تھی اور یہ حضرات سنتے اسی سے تھے جس پر انہیں اعتماد ہوتا تھا۔ کیونکہ اس عہد میں منافقین بھی موجود تھے۔ علاوہ بریں رسول اللہ ﷺ نے تاکید کی تھی کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے سے بچو (ابن ماجہ) اس لیے عہدِ رسالت میں روایتیں بہت تھوڑی تھیں اور وہ بھی اخباری حیثیت رکھتی تھیں''۔ (مقام حدیث: ص ۷۵)

نوٹ: اس اقتباس میں مولانا جیراج پوری صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو کثرتِ روایت سے منع فرمایا تھا۔ اور آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ آپ ﷺ کی طرف منسوب اقوال وافعال کا تذکرہ کریں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو احتیاط کے ساتھ روایت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اصل حدیث یوں ہے:

((إیاکم و کثرۃ الحدیث عنی، فمن قال علیّ ما لم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار))۔ (سنن ابن ماجہ: التغلیظ فی تعمد الکذب)

''کثرتِ حدیث سے بچو اور جو کوئی میرے متعلق کوئی بات کہے تو اسے چاہیے کہ سچ اور حق بات کہے اور جس شخص نے میرے متعلق ایسی بات بتائی جو میں نے نہ کہی ہو تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے''۔

4.1 روایات سے جی بہلانا

عہدِ نبوی ﷺ میں روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے غلام احمد پرویز کے استاد مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ چونکہ اپنی محبوب ترین شخصیت سے محروم ہو گئے تھے اس لیے فرصت کے اوقات میں دو چار جب مل کر بیٹھتے تو آپ کے زمانے کے تذکرے درمیان میں لا کر آپ کی یاد تازہ کرتے تھے''۔

(مقامِ حدیث: ص ۷۵)

4.2 حضرت ابوبکرؓ اور امتناع روایت

مولانا جیراج پوری صاحب لکھتے ہیں:

''مگر ان بیانات میں اختلاف ہونے لگا اس وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے روایت کی یک قلم ممانعت کر دی اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: ''تم جب آج اختلاف کرتے ہو تو آئندہ نسلیں اور بھی اختلاف کریں گی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کرو اور اگر کوئی پوچھے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے جو اس نے جائز کیا ہے اس کو جائز اور جو اس نے ناجائز کیا ہے اس کو ناجائز سمجھو''۔ مگر باوجود اس ممانعت کے بھی روایت کا سلسلہ جاری رہا''۔

(مقامِ حدیث: ص ۷۶)

نوٹ: اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روایات بیان کرنے کی ''یک قلم ممانعت'' کر دی تھی تو روایات کا سلسلہ کیسے جاری رہا؟...... کیا صحابہ کی جماعت جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت سمع واطاعت پر کی تھی ایسی ہی نافرمان ہوگئی کہ آپ کی ''یک قلم ممانعت'' کے باوجود بھی وہ روایات کا سلسلہ قائم رکھنے پر مصر رہی؟!

مولانا جیراج پوری یہ روایت اس خلیفہ کے متعلق بیان کر رہے ہیں جس کی خلافت کا فیصلہ ایک حدیث ''الائمۃ من قریش'' کی بنیاد پر طے ہوا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ حدیث بھی اس نے خود پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں دادی کی میراث کا فیصلہ آپ نے حدیث ہی کی بنا پر کیا اور یہ حدیث حافظ اسلم صاحب بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔

4.3 حضرت عمرؓ اور امتناعِ روایت

حضرت عمرؓ کے بارے میں مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

> ''خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بھی اپنے زمانے میں روایات کو روکتے رہے۔ قرظہ بن کعب کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ عراق کو روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ مقام صرار تک ہم کو رخصت کرنے کیساتھ آئے وہاں پہنچ کر فرمایا: ''تم جانتے ہو میں کیوں آیا ہوں؟...... ہم نے کہا: ہماری مشایعت اور تکریم کی غرض سے۔ فرمایا: ہاں اور اس لیے بھی کہ تم سے کہوں کہ تم وہاں جا رہے ہو جہاں لوگوں کی تلاوت قرآن کی آواز شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح گونجتی رہتی ہے۔ لہٰذا ان کو حدیثوں میں پھنسا کر قرآن سے نہ روکنا اور روایتیں نہ سنانا'' قرظہؓ کہتے ہیں اس دن کے بعد سے پھر میں نے کبھی حدیث بیان نہیں کی''۔ (مقام حدیث: ص ۷۶)

نوٹ: یہ روایت حافظ ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم سے لی گئی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس نوعیت کی تین روایات نقل کی ہیں۔ اس کے بعد ان تینوں روایتوں پر اپنا تبصرہ پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ ان روایات سے بعض جاہل اہل بدعت نے احادیث سے بے نیاز کا مطلب نکالا ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کی ہدایت محض اس لیے تھی کہ جن لوگوں کے پاس قرظہؓ اور ان کی جماعت جا رہی تھی وہ نئے مسلمان ہوئے تھے اور ابھی قرآن کی تعلیم سے نابلد تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس ضمن میں اور واقعات بھی پیش کئے ہیں اور آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول درج کیا ہے:

"سيأتي قوم يجادلونكم بشبهات القرآن، فخذوهم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله عز وجل". (جامع بيان العلم: ج ۲، ص ۱۲۳)

''عنقریب ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو تم سے قرآن کی متشابہ آیات کے ساتھ جھگڑا کرے گی۔ تم ان پر سنن (احادیث) کے ذریعہ گرفت کرنا۔ کیونکہ اہل سنن ہی اللہ عز وجل کی کتاب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں''۔

4.4 صحابہ کرام اور حدیثِ رسول ﷺ

مولانا اسلم جیراجپوری صحابہ کرام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''چنانچہ اکثر صحابہؓ سے بہت سی روایتوں کے قبول کرنے میں توقف ثابت ہے جس سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو حدیثوں کو دینی حجت نہیں مانتے''۔ (مقام حدیث: ص ۲۹)

مولانا جیراجپوری نے یہ اقتباس شیخ طاہر بن صالح الجزائری کی کتاب توجیہ النظر سے نقل کیا ہے۔ لیکن پوری عبات پیش نہیں کی ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے:

وقد استدل بذلک من يقول بعدم الاعتماد في أمر الدين، وقد رد عليهم الجمهور. (توجيهه النظر: ص ۱۵)

''ان باتوں سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو حدیث کو دینی حجت نہیں مانتے اور جمہور علماء نے ان کے اس نظریے کو مردود قرار دیا ہے''۔

مولانا جیراج پوری مزید لکھتے ہیں:

''وجوہات مذکورہ کے باعث عہدِ صحابہؓ میں روایات کا ذخیرہ بہت قلیل تھا۔ علاوہ یں وہ عملی زندگی میں منہمک تھے اور اعلائے کلمۃ الحق اور حروب و فتوحات کی

مشغولیت سے ان کے لیے موقع بھی کم تھا کہ بیٹھ کر روایتیں کرتے۔ اس لیے یہ بالکل قرینِ قیاس ہے کہ ان کے ناموں سے جو بے شمار روایتیں منسوب کی گئی ہیں وہ زمانۂ مابعد کے رواۃ کا کارنامہ ہوں جبکہ حدیثوں نے فن کی صورت اختیار کر لی اور ہر روایت کے ساتھ سلسلہ سند کی ضرورت پڑی جو بلا کسی صحابی کے آنحضرت ﷺ تک منتہی نہیں ہوسکتا تھا''۔ (مقام حدیث: ص ۸۱)

نوٹ: عہدِ صحابہ میں روایات کا ذخیرہ اتنا قلیل نہ تھا جتنا کہ مولانا جیراج پوری بتا رہے ہیں۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے وقت مخاطب صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر تھی جنہیں یہ ترغیب دی گئی تھی کہ وہ حضور ﷺ کے ارشادات کو ان تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ حافظ ابن الجوزی کی تحقیق یہ ہے کہ موجودہ کتب احادیث میں دس ہزار کے قریب صحیح روایات موجود ہیں۔ روایات کی یہ تعداد متون کے حوالہ سے ہے۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں روایات کی تعداد جو لاکھوں میں بتائی جاتی ہے تو وہ اسناد کے لحاظ سے ہے۔ یہ درست ہے کہ صحابہ کرام جہادی سرگرمیوں میں مشغول تھے۔ لیکن جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ مجاہد اپنا کام کر رہے تھے اور معلم و مبلغ اپنا کام کر رہے تھے۔ جہاد کی وجہ سے وہ درسگاہیں بند نہیں ہوگئی تھیں جو دورِ رسالت میں اور عہدِ صحابہ میں قائم ہوگئی تھیں۔ ان درسگاہوں میں کتاب وسنت کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ انہی مراکز سے حدیث کی روایات پھیلیں اور دوسرے مراکز تک پہنچیں۔

4.5 حضرت ابو ہریرہؓ اور ان کی مرویات

مولانا جیراج پوری سیدنا ابو ہریرہؓ کی مرویات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ابن مخلد کا بیان ہے کہ ان (حضرت ابو ہریرہؓ) کی مرویات کی تعداد ۵،۳۷۴ حالانکہ وہ عامِ خیبر میں اسلام لائے اور صرف تین سال رسول اللہ ﷺ کی حضوری کا شرف پایا۔ پھر یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ ان کی روایتیں اس قدر ہو سکتی ہیں جن میں سے بہت سی ایسی ہیں جن پر عقل وعلم کی رو سے گرفت کی گئی

ہے، اور کی جاسکتی ہے اس لیے ہمارا ضمیر قبول نہیں کر سکتا کہ اس قسم کی روایتیں انہوں نے بیان کی ہوں گی''۔ (مقام حدیث: ص ۸۲)

نوٹ: مرویات کی یہ تعداد وہ ہے جس کو تمام محدثین نے مختلف طرق اسناد سے ذکر کیا ہے۔ اگر صرف متونِ احادیث کا لحاظ رکھا جائے تو وہ اس کا تیسرا حصہ بھی نہیں رہتا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ حضرت عمرؓ کی مرویات کی تعداد ۵۳۷ ہے۔ اور یہ مختلف طرق کے لحاظ سے ہے۔ لیکن جب متون کا شمار کیا گیا تو یہ تعداد دوسو تک بھی نہیں پہنچی۔ اس لحاظ سے بھی اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کو تصور کیا جائے تو یہ تعداد دو ہزار تک بھی نہ پہنچے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ وہ ہیں جو آپ ﷺ کے وصال کے بعد سینتالیس سال تک حیات رہے اور مختلف مراکزِ حدیث میں درس دیتے رہے۔ آپ نے اس دوان میں دیگر صحابہ کرام سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سوا چار سال مسلسل آپ ﷺ کی خدمت میں رہے۔ سوا چار سال کے عرصہ میں ۵،۳۷۴ روایات زبانی یاد کر لینا کون سی ایسی بات جسے ناممکن کہا جائے۔ دو اڑھائی سال میں تو لوگ پورا قرآن یاد کر لیتے ہیں۔

⑤ قرآن اور فقہ

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

''ضحاک بن مزاحم (م ۱۰۵ھ) نے فرمایا کہ زمانہ آنے والا ہے جب قرآن لٹکا دیا جائے گا اور اس کے اوپر مکڑیاں جالا تنیں گی۔ کوئی کام اس سے نہیں لیا جائے گا اور لوگوں کا عمل حدیث و روایت پر ہو گا۔ سلیمان بن حیان ازدی (م ۱۹۶ھ) نے بھی جن کی کنیت ابو خالد الاحمر ہے کہا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مصاحف کو بے کار چھوڑ دیں گے اور صرف حدیث وفقہ ان کا مشغلہ ہو گا''۔ (مقام حدیث: ص۸۴)

نوٹ: مولانا جیراج پوری نے اپنی کتاب مقام حدیث کے ص ۲۴۹ سے لے کر ۲۶۴ تک امام ابوحنیفہ کی تدوین فقہ پر بحث کرتے ہوئے یہ تاثر پیش کیا ہے کہ امام موصوف نے تدوین فقہ کے دوران حدیث کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور صرف قرآن کو مدنظر رکھا کر فقہ کو مرتب کیا۔ اگر اس بیان میں کچھ صداقت ہے تو مولانا جیراج پوری کی پیش کردہ روایت غلط قرار پاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فقہ کی تدوین کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ اسے کتاب وسنت دونوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے۔

5.1 امام داؤد طائی اور روایتِ حدیث

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

''امام داؤد طائی نے روایت ترک کر دی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ حدیث کی تعلیم چھوڑ کر کب تک گھر میں بیٹھے رہو گے۔ جواب دیا: میں پسند نہیں کرتا کہ ایسے راستے میں ایک قدم بھی رکھوں جو حق کے خلاف ہے''۔ (مقام حدیث: ص۸۴)

نوٹ: یہ روایت مولانا جیراج پوری نے جامع بیان العلم سے نقل کی ہے۔اس کی وضاحت جس عبارت سے ہوئی ہے اُسے مولانا نے جان بوجھ کر نقل نہیں کیا۔اصل روایت یوں ہے:

''داؤد طائی سے پوچھا گیا: آپ حدیث بیان نہیں کرتے؟...... کہنے لگے: ایسے کام میں مجھے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے کہ میں بچوں کو املاء کرواؤں اور وہ پھر صرف میری لغزشوں پر نظر رکھیں۔ پھر جب وہ میرے ہاں سے چلے جاتے ہیں تو ایک کہتا ہے کہ اس نے فلاں جگہ خطا کی۔ دوسرا کہتا ہے کہ اس نے فلاں جگہ غلط بات کہی۔ دیکھو آخر میرے پاس وہ کون سی چیز ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے''۔

5.2 امام ابن قتیبہ اور تاویل مختلف الحدیث

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

''اسی قسم کی باہم متعارض روایات کو دیکھ کر جو ہر بات اور ہر شعبہ میں ہیں معتزلہ نے محدّثین پر سخت حملے کئے کہ تم نے مکذوب روایات سے دین کو فاسد کر ڈالا اور علماء میں اختلاف پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی مخالفت بلکہ تکفیر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ امت فرقوں میں بٹ گئی۔ امام ابن قتیبہ نے کتاب مختلف الحدیث لکھ کر ان اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی۔ مگر ان میں سوائے محدّثانہ تاویلات اور توجیہات کے اور کیا ہے؟''۔ (مقام حدیث: ص۸۹)

نوٹ: امام ابن قتیبہ کی کتاب مختلف الحدیث معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ امام موصوف نے ایسی تمام حدیثوں کی تطبیق کر کے ان تمام احادیث کا حل پیش کر دیا ہے جن کو معتزلہ متعارض قرار دیتے ہیں۔ البتہ ایک اور کام آپ نے ایسا کیا ہے جو منکرین حدیث کو پسند نہ آیا اور وہ یہ کہ امام موصوف نے گھر کا بھیدی بن کر لنکا ڈھائی ہے۔ امام ابن قتیبہ پہلے خود معتزلہ سے متاثر اور ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ پھر جب

انہیں معتزلہ کی جسارت اور احادیث صحیحہ کو بھی رد کرنے کا علم ہوا اور دیکھا کہ وہ قرآن کی تفسیر دوسری قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر کے اپنے عقائدِ باطلہ کے ہم آہنگ بنا لینے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ ان سے الگ ہو گئے۔ اس کتاب میں ابن قتیبہ نے معتزلہ کے پوشیدہ عیوب و نقائص کو طشت از بام کیا ہے۔ سب سے پہلے نظام معتزلی کا ذکر کیا ہے جس نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ پھر ان اعتراضات کا ازالہ کیا ہے۔ اس کے بعد مشہور معتزلین ابو ہذیل علاف، عبیداللہ بن حسن اور ہشام بن حکم کا ذکر کر کے ان کی یادہ گوئی اور تناقضات پر تبصرہ کیا ہے۔ بعد ازاں معتزلین کے خطیب جاحظ کا ذکر کیا ہے کہ جھوٹا آدمی تھا۔ خود حدیثیں وضع کرتا تھا اور صحیح حدیثوں کا مذاق اڑاتا تھا۔ پھر اس کے بعد معتزلہ کے دیگر مزعوماتِ باطلہ اور عجیب و غریب اقوال درج کئے ہیں۔

امام ابن قتیبہ کی یہ کتاب مستشرقین کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ وہ اس کتاب سے حدیث پر اعتراضات تو بعینہٖ نقل کر دیتے ہیں مگر ان کے جو جوابات ابن قتیبہ نے دیئے ہیں یا ان پر جو جرح یا تبصرہ کیا ہے اسے مطلقاً نظر انداز کر جاتے ہیں اور اعتراضات بھی اس انداز سے پیش کرتے ہیں گویا یہ صحابہ اور علماء حدیث کے بارے میں ابن قتیبہ کے ذاتی افکار اور آراء ہیں۔ بالکل اسی انداز پر مولانا جیراجپوری اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات نے کام کیا ہے۔ انہیں حافظ ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم کے ۱۸۳ ابواب میں مندرجہ ذیل چار باب بہت پسند ہیں:

۱- کراهية كتابة العلم وتخليده في المصحف: اجزاء اور صحائف کی مشکل میں معلومات و روایات کو لکھ کر محفوظ کرنا پسندیدہ نہیں۔

۲- اختلاف العلماء في بعض الفروع: بعض فروعی مسائل میں علماء کا اختلاف

۳- من ذم الاكثار من الحديث بغير تفهيم وتفقه: ان علماء کے اقوال جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے روایات بیان کرنے کی مذمت کی ہے۔

۴- لا يقبل قول بعض العلماء في بعض إلا ببينة: ایک عالم کے بارے میں دوسرے عالم کی بلا دلیل جرح ناقابلِ قبول ہے۔

منکرین حدیث کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث اور علوم الحدیث کے مصادر میں سے توڑ مروڑ کر اقتباسات اور روایات پیش کرتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو روایت کی اصل حقیقت کا پتہ نہ چل سکے۔ ہمارے ہاں عام پڑھے لکھے لوگ چونکہ علوم اسلامیہ سے عام طور پر اور حدیث اور علوم الحدیث سے خاص طور پر ناواقف ہوتے ہیں اس لیے منکرین حدیث کی گفتگو سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ منکرین حدیث زیادہ تر ان لوگوں کا شکار کرتے ہیں جو سیدھے سادھے اور خالی الذہن ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو علوم اسلامیہ کے ساتھ تھوڑی بہت مناسبت ہوتی ہے اور وہ رسول اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ منکرین حدیث کے جھانسہ میں نہیں آتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ ترویج دی جائے۔ اور معاشرہ کے افراد کو بتایا جائے کہ رسول کی حیثیت محض ایک پیغام لانے والے کی نہیں بلکہ نبی اور رسول کی ہے جس کی پیروی اور اطاعت لازمی ہے جس کے ساتھ تعلق رکھنا ضروری ہے اور جس کی تعلیمات پر عمل کئے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

خود آزمائی ②

۱) غلام احمد پرویز کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اطاعتِ رسول کے بارے میں ان کے موقف کی وضاحت کیجئے۔

۲) غلام احمد پرویز کے ہاں نظام ربوبیت سے کیا مراد ہے؟ اس اصطلاح کا استعمال وہ کس ضمن میں کرتے ہیں۔

۳) روایتِ حدیث کے بارے میں منکرین حدیث نے کون کون سے بنیادی اعتراضات پیش کئے ہیں؟ بیان کیجئے۔

۴) کیا ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے صحابہ کرام کو روایت حدیث سے منع کیا تھا؟ اس بارے میں منکرین حدیث کا کیا تبصرہ ہے؟ وضاحت کیجئے۔

۵) صحابہ کرام اور روایتِ حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کا نقطۂ نظر تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔



یونٹ نمبر (17)

منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ و تحلیل

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت جو یونٹ آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ''منکرین حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ و تحلیل'' سے ہے۔ اس سے پہلے آپ فتنۂ انکار حدیث کے موضوع پر اجمالی مطالعہ کر چکے ہیں۔ منکرین حدیث نے حدیث وسنت کی حجیت سے انکار کے لیے جن دلائل کا سہارا لیا ہے وہ چند گنے چنے دلائل ہیں۔ انہی کو وہ نئے الفاظ اور نئے انداز کے ساتھ دُہراتے رہتے ہیں۔ پورے ذخیرۂ حدیث میں انہوں نے چند روایات کا انتخاب کیا ہے ان روایات میں وہ مختلف پہلوؤں سے اعتراض کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حدیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتماد ہے۔ اگر کوئی شخص حافظ شیرازی کے دیوان سے پانچ چھ اشعار ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال لے اور کہے کہ یہ پانچ اشعار چونکہ غیر معیاری ہیں اس لیے حافظ شیرازی کا سارا دیوان غیر معیاری ہے تو ایسے شخص کی بات کون سنے گا اور کون اسے معقول قرار دے گا۔ منکرین حدیث کا ہو بہو یہی حال ہے۔ یہ لوگ ہزاروں روایات میں سے چند روایات لے کر ان پر کلام کرتے ہیں اور پھر فوراً فیصلہ کرتے ہیں کہ حدیث حجت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس کے ذخائر میں یہ مٹھی بھر روایات ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس یونٹ میں منکرین حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کے اعتراضات بے بنیاد اور کم علمی اور کٹ حجتی پر مبنی ہیں۔ آپ اس یونٹ کا مطالعہ کریں اور پوری توجہ کے ساتھ کریں۔ امید ہے کہ آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇦ منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لے سکیں۔

⇦ موضوع احادیث کی بنیاد پر منکرین حدیث کے موقف کا جواب دے سکیں۔

⇦ رواۃ حدیث کی جانچ پڑتال کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر منکرین حدیث کے نقطۂ نظر کی تردید کر سکیں۔

⇦ متن حدیث کو پرکھنے کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔

⇦ ازواج مطہرات سے مروی روایات پر منکرین حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ پیش کر سکیں۔

⇦ خلاف علم و تجربہ روایات کے بارے میں منکرین حدیث کی غلط فہمی کا ازالہ کر سکیں۔

① منکرینِ حدیث کے اعتراضات اور ان کا تجزیہ

علم حدیث سے متعلق منکرین حدیث کے موقف اور نقطۂ نظر کے بارے میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس یونٹ میں ان اعتراضات پر بحث کی جائے گی جنہیں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ذیل میں ترتیب کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱- احادیث نبوی ﷺ کا موجودہ ذخیرہ ناقابل اعتبار ہے اس لیے کہ اس ذخیرے میں موضوع احادیث بہت کثرت سے شامل ہیں اور صحیح وغیر صحیح اس طرح مخلوط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔ جھوٹی احادیث کا سلسلہ عہد رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا جعلی اور جھوٹی حدیثوں کا انبار لگتا چلا گیا۔ موضوع احادیث کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانے میں چھ لاکھ حدیثیں رائج تھیں جن میں سے امام صاحب نے صرف نو ہزار کو صحیح احادیث کی حیثیت سے منتخب کیا۔

۲- بعض احادیث خلاف عقل ودرایت ہیں لیکن اس کے باوجود محدّثین کے یہاں انہیں صحت کا درجہ حاصل ہے۔

۳- بعض صحیح احادیث عریاں مضامین پر مشتمل ہیں۔

۴- بعض صحیح احادیث علم اور تجربہ کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔

۵- اکثر احادیث باہم متعارض ہیں۔ اور متعارض اشیاء ساقط الاعتبار ہوتی ہیں لہذا احادیث بھی تعارض کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہوئیں۔

۶- اکثر احادیث کی روایۃ بالمعنی ہے۔ یعنی راوی نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مفہوم کو اپنے

الفاظ میں ادا کیا ہے جب نبی کریم ﷺ کے الفاظ ہی محفوظ نہیں تو مفہوم کے بارے میں کیسے یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ محفوظ ہے۔

۷۔ سب سے زیادہ احادیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں اور ابو ہریرہؓ کا حال یہ ہے کہ خود صحابہ کے درمیان ان کو ناقابلِ اعتماد تصور کیا جاتا تھا۔

۸۔ امام ابوحنیفہ نے فقہی مسائل کے استنباط کے لیے صرف سترہ حدیثوں پر اعتماد کیا ہے ورنہ جتنے احکام و مسائل کا بھی انہوں نے استنباط کیا ہے ان سب کی بنیاد قرآن کی مکتوب ہدایات پر رکھی ہے۔ اگر امام ابوحنیفہ یہ حق رکھتے تھے کہ حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کی تعبیر اس وقت کے حالات کی روشنی میں کریں تو بعد میں آنے والوں کو یہ حق کیوں نہیں کہ وہ قرآن کی تعبیر اپنے وقت کے حالات کو مدنظر رکھ کر حدیث کی مدد کے بغیر کر سکیں۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حدیث کی اہمیت کو کم کرنے اور حدیث پر عام مسلمانوں کا اعتماد مجروح کرنے کی خاطر منکرینِ حدیث کی جانب سے بار بار مختلف انداز میں بدل بدل کر بڑے شد و مد سے اچھالے جاتے ہیں۔ اب ہم اجمال کے ساتھ ان تمام اعتراضات کا تجزیہ کریں گے۔

1.1 موضوع احادیث

منکرین حدیث کا پہلا اعتراض وضع حدیث سے متعلق ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ موضوع احادیث بہت کثرت سے ہیں اس لیے احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابلِ اعتماد ہو گیا ہے۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ موضوع احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں مگر منکرینِ حدیث کی یہ منطق کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں کہ ان کی موجودگی احادیث کے تمام ذخیرے کو ساقط الاعتبار بنا دیتی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ دنیا میں جھوٹ کی موجودگی سچ کو ناقابلِ اعتبار بنا دینے کی موجب ہے۔ کیا کسی معاشرہ میں جھوٹ بولنے والوں کا وجود اس معاشرہ کے سچے لوگوں کو بھی جھوٹا بنا دیتا ہے۔ دنیا میں کون سا ملک یا کون سا شہر ایسا ہے جہاں جھوٹے افراد نہیں بستے تو کیا ان جھوٹوں کی وجہ سے یہ حکم لگا دینا صحیح ہے کہ اس ملک یا اس شہر کے تمام باشندے جھوٹے ہیں۔

ہر زمانے میں سچ کے ساتھ ساتھ جھوٹ کا سلسلہ برابر لگا چلا آ رہا ہے مگر آج تک جھوٹ کی وجہ سے سچ کو کسی نے نہیں چھوڑا۔ منکرینِ حدیث کی یہ نرالی منطق ہے کہ چونکہ جھوٹی احادیث کا وجود پایا جاتا ہے اس لیے سچی اور صحیح احادیث پر بھی اعتماد نہ کیا جائے۔ بعض احادیث کے موضوع اور مبنی بر کذب ہونے سے یہ کہاں لازم آیا کہ کُل ذخیرۂ حدیث موضوع اور ناقابلِ اعتبار بن گیا۔ یہ بعض کا حکم کل پر لگانا کون سا اصول ہے؟

دراصل منکرین حدیث کی اس منطق کی بنیاد اس غلط مفروضے پر ہے کہ احادیث کے ذخیروں میں صحیح وغیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔ یہ بات بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت سے جعلی اور موضوع احادیث کا سلسلہ شروع ہوا اسی وقت سے علماء حدیث اور ائمہ مجتہدین نے اپنی تمام کوششیں اس بات پر مرکوز رکھیں کہ موضوعات کا یہ ذخیرہ کسی راہ سے بھی احادیث کے معتبر اور قابلِ اعتماد ذخیروں میں نفوذ نہ کر پائے۔ حضرات محدّثین نے صحیح اور غیر صحیح کو ایک دوسرے سے ممیز اور الگ تھلگ کرنے کے لیے باقاعدہ قواعد وضوابط بنائے، جھوٹے اور سچے راویوں کی پہچان کے لیے علم ''اسماء الرجال'' ایجاد کیا۔ کھرے کھوٹے میں تمیز کے لیے علم ''جرح وتعدیل'' مدوّن کیا۔ پھر ایک ایک حدیث کو جانچا اور ایک ایک راوی کو پرکھا۔ موضوعات کو الگ کر دیا اور معتبر روایات کو علیحدہ کر دیا۔ ہر روایت کی سند متعین کی اور ہر راوی کا نام ونسب اور زندگی کا بنیادی خاکہ منضبط کر دیا۔

علماء حدیث نے حدیث کی صحت اور تنقید کا معیار بھی بتلایا اور موضوعات پر باقاعدہ کتابیں بھی لکھیں۔ انہوں نے ایک ایک واضع حدیث کا پتہ لگا کر اس کا نام رجال کی کتابوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا۔ ایک ایک جھوٹی اور موضوع حدیث کا کھوج لگا کر احادیث موضوعہ کے مجموعے مرتب کر دیئے۔ جن میں خوب واضح طور پر یہ بتایا کہ یہ حدیثیں جعلی ہیں ان کو کوئی اصل حدیث نہ سمجھے۔ جس حدیث پر بھی کلام کیا پہلے اس کی سند بتائی پھر اس کے راویوں کے صدق وکذب اور ان کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے نیز ان کے حافظے کی قوت وضعف پر بحث کر کے نتائج مرتب کئے۔ پھر کسی حدیث پر کوئی حکم لگایا۔ اگر کسی حدیث کے موضوع اور غیر موضوع ہونے میں علمائے حدیث کا اختلاف ہوا تو وہ تمام اختلاف بھی من وعن بیان کر دیا تاکہ ہر کوئی خود دیکھ لے اور

کھرا کھوٹا الگ کر لے۔ اس قدر جد و جہد کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحیح و غیر صحیح احادیث آپس میں خلط ملط ہیں تو اس پر اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ روزِ روشن میں سورج کے وجود سے انکاری ہے۔

علماء حدیث نے قبول حدیث کے لیے جو اصول ابتداء ہی سے مقرر کر دیئے تھے ان کی موجودگی میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی جھوٹ نے مجموعہ ہائے حدیث میں اس طرح راہ پالی ہو کہ محدّثین اس کی نشاندہی کرنے سے قاصر رہ گئے ہوں۔

1.2 رُواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال

راویانِ حدیث پر نقد و جرح فن حدیث کا ایک اہم باب ہے اس کے ذریعہ علمائے حدیث نے احادیث صحیحہ و ضعیفہ کو باہم ممیز و ممتاز کرنے کا ایک ایسا عظیم الشان کام انجام دیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ محدّثین نے اس سلسلہ میں جد و جہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہوں نے تمام رواۃِ حدیث کو جانچا پرکھا ان کی زندگی، ان کی سیرت حتیٰ کہ ان کی عادات کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے ان کے تمام ظاہری اور باطنی امور کا بخوبی جائزہ لیا۔ اس راہ میں انہیں نہ کسی کی ملامت کا خوف دامن گیر ہوا نہ کسی لالچ نے ان کا راستہ روکا۔

نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کئے جانے والے جھوٹ کے قبول کرنے کا تو خیر سوال ہی کیا، محدّثین نے تو یہاں تک کیا کہ جس راوی کو کسی ایک حدیث میں انہوں نے غلط بیانی کرنے کا مرتکب پایا اس راوی کی باقی حدیث کو بھی انہوں نے مردود قرار دے دیا۔ یہی نہیں محدّثین نے اس شخص کی حدیث کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کا حدیث رسول کی روایت میں تو جھوٹ ثابت نہ ہو لیکن دیگر باتوں میں وہ جھوٹ بولنے کا عادی بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر محدّثین نے تو احتیاط کی انتہا کر دی اس سے زیادہ احتیاط عقل تصور کرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے ایک اصول کی حیثیت سے یہ طے کر دیا کہ جس شخص نے اپنی پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی جھوٹ بولنے کا ارتکاب کیا ہو اس کی حدیث قبول نہ کی جائے۔

اس بات سے بچنے کے لیے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کوئی غلط بات کہیں حدیث کا درجہ حاصل نہ

کرے محدثین نے یہاں تک اہتمام کیا کہ اس راوی کی روایت بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کے بارے میں یہ گمان ہی پیدا ہو گیا ہو کہ شاید بھولے سے کسی غلطی کی بنا پر یا کم فہمی کے نتیجہ میں وہ روایت کی صحت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ چنانچہ بالاتفاق سلسلۂ سند کے ہر راوی کے لیے انہوں نے یہ اصول قرار دے دیا کہ حدیث اس راوی کی قبول کی جائے گی جو:

۱- صحیح الفہم ہو۔ غبی، کم عقل اور کم فہم نہ ہو یعنی جو حدیث کے سمجھنے میں غلطی نہ کرتا ہو۔

۲- صحیح الحافظہ ہو۔ یعنی جس پر بھول چوک اور وہم کا غلبہ نہ ہو۔

۳- محتاط ہو۔ یعنی روایت میں تساہل سے کام نہ لیتا ہو۔

اور تو اور محدثین نے اس راوی کی روایت کو بھی قابل قبول نہیں سمجھا جو فاسق و فاجر اور بدکار ہو۔ حالانکہ ہر بدکردار شخص کا جھوٹا ہونا ضروری نہیں لیکن چونکہ بدکردار شخص کے بارے میں احتمال موجود ہے کہ فسق و فجور کی بنا پر اس کی نگاہ میں حدیث رسول کی روایت میں احتیاط کی اہمیت جس قدر کہ لازم ہے نہ رہی ہو اس لیے اس کی روایت کو بھی معتبر نہیں جانا اور یہ شرط لگا دی کہ روایت اس راوی کی قبول کی جائے جو ثقہ، عادل اور متقی ہو نیز معروف ہو۔ مجہول الحال نہ ہو یعنی اہل علم اس کے نام و نسب، سیرت و کردار اور اس کے علم، حفظ اور ثقاہت سے واقف ہوں اور ان کی نظر میں اس کی رفتار و گفتار، اس کے حال احوال اور اس کا عام کردار قابل اعتراض نہ ہو۔

غرض ایک طرف اگر واضعین حدیث تھے تو دوسری طرف محدثین کی مقرر کردہ نقد رواۃ و رجال کی کسوٹی تھی جس نے کھرے اور کھوٹے کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے میں ایسا محیر العقول کارنامہ انجام دیا کہ علم سیر وسوانح کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

1.3 متن حدیث

رُواۃ حدیث کی جانچ پڑتال کے ساتھ ساتھ محدثین نے متن حدیث میں بھی ایسی علامات کی نشاندہی کر دی جن سے صاف معلوم ہو جائے کہ کون سی حدیث موضوع ہے اور کون سی موضوع نہیں۔ چنانچہ امور ذیل میں سے کوئی امر اگر کسی حدیث میں پایا جائے تو علماء حدیث کا اصول یہ ہے کہ وہ موضوع ہے۔

۱- جو حدیث قرآن کی عبارۃ النص کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو۔

۲- جو حدیث کسی سنتِ متواترہ کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

۳- جو حدیث قرآن و سنت سے ماخوذ اصول عامہ کے صریحاً خلاف ہو۔

۴- جو حدیث اجماع قطعی یعنی اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف ہو اور کسی طرح اس کی توجیہہ و تاویل نہ کی جا سکتی ہو۔

۵- جو حدیث عہد رسالت کے معروف تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔

۶- جو حدیث کسی معمولی کام کے صلہ میں مبالغہ آمیز اجر و ثواب کا پتہ دیتی ہو یا اس میں معمولی کام کے مرتکب ہونے پر شدید عذاب کی وعید کا ذکر ہو۔

۷- جو حدیث کسی ایسے واقعہ پر مشتمل ہو جو بہت لوگوں کے سامنے وقوع پذیر ہوا ہو اور اس بنا پر اس کا متقاضی ہو کہ بکثرت لوگ اس کو روایت کریں مگر بایں ہمہ صرف ایک ہی راوی اسے روایت کرے یا اس واقعہ میں شریک ہونے والے اس کے خلاف اس قدر کثرت سے روایت کریں کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔

۸- جو حدیث کسی ایسے مضمون پر مشتمل ہو جس کو عقل بداہۃً رد کرتی ہو۔ لیکن اس میں عامۃ الناس کی عقل معیار نہیں بلکہ علماء اور ماہرین فن حدیث اس کو خلافِ عقل قرار دیں۔ محاورات عرب سے ناواقف اور حدیث کے علوم سے بے بہرہ افراد کی رائے اس باب میں قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتی۔

۹- جو حدیث ایسے علوم متعارفہ کے مخالف ہو کہ جن کے اصول مشاہدات اور بے شمار تجربات کے بعد قائم کئے گئے ہوں اور ان سے ہمیشہ ایک ہی جیسے نتائج برآمد ہوتے ہوں جن میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔

۱۰- جو حدیث ایسے مضمون کی حامل ہو جس کا جاننا تمام مکلّف افراد پر فرض ہو اور نہ جاننے کے لیے کوئی عذر بھی نہ ہو مگر بایں ہمہ اس کا روایت کرنے والا سوائے اس ایک راوی کے کوئی نہ ہو۔

۱۱- جو حدیث ایسے رکیک اور گھٹیا الفاظ پر مشتمل ہو جن کا صدور کسی عام فصیح و بلیغ شخص کی ذات سے

متوقع نہ ہو چہ جائیکہ نبی کریم ﷺ جیسی فصیح و بلیغ شخصیت کی ذاتِ مبارکہ سے ان کا صدور ہو۔

۱۲- جو حدیث فسادِ معنی کی حامل ہو یعنی جس میں ایسا مضمون بیان کیا گیا ہو جو عقلی بدیہیات کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو مثلاً ایسی حدیث جو حکم و اخلاق کے قواعد عامہ کے منافی ہو یا ایسی حدیث جو شہوت و فساد کی موجب ہو۔

۱۳- جو حدیث خود اپنے راوی کے اقرار کے مطابق موضوع ہو۔

اب منکرین حدیث بتائیں کہ ان اساسی و اصولی قواعد و ضوابط کے بعد جو محدثین نے متنِ حدیث کی چھان پھٹک اور جانچ پڑتال کے لیے وضع کیے، کیا کوئی امکان اس بات کا رہ جاتا ہے کہ صحیح و غیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہو گئی ہوں کہ ان میں باہم امتیاز کرنا دشوار ہو۔ حق یہ ہے کہ نقد رواۃ و رجال کی ان کڑی شرائط کی موجودگی میں جن کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا اور متن حدیث سے متعلق ان مذکورہ بالا تصریحات کے ہوتے ہوئے موضوع احادیث کی جو تعداد موجود ہے اس سے دگنی چگنی بھی ہوتی تو بھی کسی اندیشے اور خطرے کی بات نہ ہوتی۔

نوٹ: مندرجہ بالا بحث کو تفصیل سے دیکھنے کے لیے دیکھئے: کورس کوڈ ۴۵۵۵ کا یونٹ: اصول درایت۔

موضوع احادیث کی موجودگی کی بنیاد پر منکرین حدیث کا احادیث نبوی ﷺ کے پورے ذخیرہ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا ایک ایسی نرالی منطق ہے جو عقل کی کسی بھی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ منکرینِ حدیث کا منشا تو یہ ہے کہ وضع حدیث کے بہانے حدیث کی حجیت کو مشکوک بنا دیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وضع حدیث خود حجیت حدیث کی بڑی زبردست اور بنیادی دلیل ہے۔ اس لیے کہ اگر حدیث حجت نہ ہوتی تو وضع حدیث کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔ وضاعین و کذابین اپنے دل و دماغ سے گھڑی ہوئی باتوں کو حدیث کا نام اس لیے تو دیتے تھے کہ وہ حدیث کے نام پر قبول کر لی جائیں۔ یوں تو ان کی بات کوئی بھی قبول نہ کرتا مگر لوگوں کے درمیان حدیث کی حجیت چونکہ مسلّم تھی اس لیے وضاعین خیال کرتے تھے کہ ہم حدیث کا نام لیں گے تو ہماری بات بھی حجت کے طور پر تسلیم کر لی جائے گی۔ نقل اُس سکّے کی گھڑی جاتی ہے جو بازار میں چلتا ہو، جس سکے کو بازار میں کوئی قبول ہی نہ کرتا ہو بھلا اس کی نقل بنانے سے کسی کو کیا فائدہ۔ حدیث کا سکّہ بازارِ علم میں چلتا تھا تو موضوع احادیث کے نقلی سکّے گھڑے جا رہے تھے۔ مگر جہاں نقلی سکّے گھڑنے والے موجود تھے وہاں ایسے ماہر صراف بھی

موجود تھے جو جعلی اور اصلی سکوں کی خوب پہچان رکھتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف جعلی سکے بنانے والوں کے نام طشت از بام کر دیئے بلکہ ان کے بنائے ہوئے تمام جعلی سکے بھی الگ کر کے رکھ دیئے اور آئندہ آنے والوں کے لیے اس سلسلہ میں تمام ضروری معلومات مہیا کر گئے۔ تاکہ کسی بھی مرحلے پر یہ جعلی اور نقلی سکے دوبارہ رواج نہ پاسکیں۔ غرض موضوع احادیث کی موجودگی ذخیرۂ احادیث کو مشکوک بنانے کے بجائے اس کے اور زیادہ محفوظ ہونے کا ثبوت مہیا کرتی ہے۔ نیز اس کو وقیع تر بنانے کا موجب ہے۔

② خلافِ عقل و درایۃ روایات

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ بعض احادیث خلافِ عقل و درایت ہیں اس کے باوجود محدثین کے یہاں انہیں صحت کا درجہ حاصل ہے حالانکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا رسول کوئی ایسی بات کہے جو عقل اور درایت کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو۔ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں وہ چند ایسی احادیث بھی پیش کرتے ہیں جو انہیں خلافِ عقل نظر آتی ہیں۔

جہاں تک امر واقعہ کا تعلق ہے کوئی بھی صحیح حدیث خلافِ عقل ہے ہی نہیں۔ اتنی بات تو معترض بھی مانیں گے کہ خلافِ عقل وہ چیز ہوا کرتی ہے جس سے کوئی محال (ناممکن) لازم آئے تو پورے ذخیرۂ حدیث میں پوری تحقیق و جستجو کے بعد بھی کوئی ایک صحیح حدیث بھی خواہ وہ صحت کے نچلے درجہ میں ہی کیوں نہ ہو ایسی نہیں ملے گی جس سے کوئی محال لازم آتا ہو البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے عقل کی سلامتی ایک شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے وہ عقل جو مریض اور بیمار نہ ہو جو نفسانی ظلمتوں اور عامیہ نجاستوں سے آلودہ نہ ہو اور وہ عقل جو حق کی متلاشی ہو کسی تعصب کا شکار نہ ہو حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے ایسی ہی عقل کی ضرورت ہے۔ مریض اور بیمار عقل یا وہ عقل جو کسی تعصب کے زیر اثر ہو حدیث کی جانچ پرکھ کی صلاحیتوں سے محروم ہوتی ہے اس لیے کہ وہ مخصوص جذبات و احساسات سے مغلوب ہوتی ہے۔ نتیجۃً اپنے نظریات و افکار کی بنیاد ایسے شکوک و شبہات پر رکھتی ہے جو کوتاہی فکر و نظر اور غفلت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایسی عقل شتر بے مہار کی طرح ہوتی ہے۔ ایسی عقل کو نقد حدیث کی اجازت دے دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے خود اس بات کا سامان مہیا کر دیا ہے کہ سنت صحیحہ کے لیے سرے سے کوئی مضبوط اساس ہی باقی نہ رہے۔ علاوہ ازیں ہر ایرے غیرے کی عقل کو نقد حدیث کے لیے حکم ٹھہرانا یوں بھی خود خلافِ عقل ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مختلف اشخاص کے اعتبار سے عقل کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو ایک شخص درست اور صحیح سمجھتا ہے جبکہ اسی چیز کو دوسرا شخص غلط اور غیر صحیح خیال کرتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک چیز ایک شخص کی سمجھ سے بالاتر ہو مگر دوسرے شخص کے لیے وہی چیز اس کے فہم و ادراک کے بہت قریب نظر آتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امور میں رائے وہی وقیع خیال کی جاتی

ہے۔ جو متعلقہ امور کے ماہرین کی جانب سے دی گئی ہو۔ اس لیے کہ وہ ان امور کے ہر پہلو سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ نقد حدیث کا بھی بالکل یہی معاملہ ہے۔ اس کے لیے بھی اگرچہ ماہرین حدیث ہی کی رائے کو وقعت حاصل ہے تاہم معترضین اگر ماہرانہ صلاحیتوں سے محروم ہوں تو کم ازکم اپنی آنکھوں پر سے تعصب کی عینک اتار کر احادیث نبوی ﷺ میں غور کریں۔ ان شاء اللہ ان کو کوئی ایک حدیث خلافِ عقل ودرایت نظر نہ آئے گی۔

خود آزمائی ①

۱) منکرین حدیث کے اعتراضات کے اسباب وعوامل پر بحث کیجئے۔

۲) موضوع احادیث سے کیا مراد ہے؟ منکرین حدیث ان روایات کو بطور استدلال کیوں پیش کرتے ہیں۔

۳) رواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے محدثین نے کیا اصول وضع کئے ہیں۔ ان اصولوں کی نشاندہی کیجئے۔

۴) متنِ حدیث کو پرکھنے کے لیے علماء حدیث کو اصول وضع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ وضاحت کیجئے۔

۵) خلاف عقل ودرایۃ روایات سے کیا مراد ہے؟ منکرینِ حدیث ان روایات کو کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟ بیان کیجئے۔

2.1 سورج کی سجدہ ریزی

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب "بدأ الخلق" میں "باب صفة الشمس والقمر" میں حضرت ابوذر غفاری سے روایت کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((قال النبیﷺ لأبی ذرّ حین غربت الشمس: تدری أین تذهب؟ قلت: الله ورسوله أعلم. قال: فإنها تذهب حتی تسجد تحت العرش، فتستأذن، فیؤذن لها، وتوشک ان تسجد فلا یقبل منها، وتستأذن فلا یؤذن لها، یقال لها إرجعی من حیث جئتِ، فتطلع من مغربها، فذلک قوله تعالی: ﴿والشمس تجری لمستقرّ لها، ذلک تقدیر العزیز العلیم﴾)).

(الصحیح للإمام البخاری: کتاب بدء الخلق: باب صفة الشمس والقمر)

"نبی کریم نے ایک دن سورج غروب ہوتے وقت ابوذرؓ کو مخاطب کر کے پوچھا: آپ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ ابوذرؓ نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا: سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر (طلوع ہونے کی) اجازت مانگتا ہے اور اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور عنقریب وہ وقت آئے گا کہ وہ سجدہ کرے گا۔ مگر قبول نہ ہوگا اور اجازت مانگے گا مگر اسے اجازت نہ ملے گی اسے حکم ہوگا کہ پلٹ جا جہاں سے آیا ہے اور پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔ اور یہی مطلب ہے اللہ جل شانہ کے اس قول: ﴿والشّمس تجری لمستقرّ لها، ذلک تقدیر العزیز العلیم﴾ کا"۔

اس حدیث میں منکرینِ حدیث کو جو باتیں خلافِ عقل نظر آتی ہیں وہ مختصراً کچھ اس طرح ہیں:

۱- سورج بھلا سجدہ کس طرح کر سکتا ہے۔ سورج کا سجدہ میں گر پڑنا کسی طرح عقل میں آنے والی بات نہیں۔

۲- اس حدیث میں طلوع وغروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ حالانکہ آج ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ طلوع وغروب سورج کی گردش کا نہیں زمین کی گردش کا نتیجہ ہے۔

۳- سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی سراسر خلافِ عقل ہے۔

جہاں تک سورج کے سجدے میں گر پڑنے کا تعلق ہے تو حیرت ہے منکرینِ حدیث کی عقل اتنی سی بات نہ سمجھ سکی کہ سورج کا سجدہ وہ سجدہ نہیں جو زمین پر سر ٹیک کر کر لیا جاتا ہے بلکہ وہ سجدہ ہے جو اظہارِ عبودیت کے لیے اس کائنات کا ذرہ ذرہ ہمہ وقت اپنے رب کے سامنے کرتے رہنے پر مجبور ہے۔ قرآن، زمین وآسمان کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز قرار دیتا ہے:

﴿وللہ یسجد من فی السمٰوات والأرض طوعاً وکرھاً وظلالھم بالغدوّ والآصال﴾ (الرعد: ۱۵)

اسی طرح قرآن کریم ستاروں اور درختوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے سر بسجود ہیں۔ سورۃ الرحمٰن میں ہے:

﴿والنّجم والشّجر یسجدان﴾

تو اب کیا قرآنی آیات کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ چونکہ فلاں فلاں آیت میں خلافِ عقل مضمون بیان ہوا ہے جس کا صدور اللہ تعالیٰ سے ممکن نہیں اس لیے اس قسم کی تمام آیات معاذ اللہ موضوع اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ منکرین حدیث بتائیں کہ مذکورہ آیات میں سجدہ سے کون سا سجدہ مراد ہے؟...... جو مراد وہ ان آیات کی بیان کریں گے وہی مراد مذکورہ بالا حدیث نبوی ﷺ کے بارے میں سمجھ لیجئے۔ ظاہر ہے اس قسم کی آیات میں سجدہ سے مراد سجدۂ تسخیری ہے یعنی کلیتاً امرِ رب کا تابع ہونا۔ بس یہی سجدۂ تسخیری نبی کریم ﷺ کے

الفاظ: ((تسجد تحت العرش)) سے بھی مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے مخاطب کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سورج ہر آن اللہ جل شانہ کے حکم کا تابع ہے۔ اس کا طلوع بھی اللہ تعالی ہی کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کا غروب بھی۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ چونکہ سورج کا مغرب ایک نہیں ہے بلکہ قرآن کی رو سے بہت سے مغرب ہیں جیسے قرآن کہتا ہے:

﴿رب المشارق والمغارب﴾ (المعارج: ۴۰)

اور سورج ہر آن ایک خطۂ زمین میں غروب اور ہر آن دوسرے خطہ میں طلوع ہوتا رہتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی حدیث میں سجدہ ریز ہو کر طلوع و غروب کی اجازت مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ سورج ہر آن اور ہر لمحہ امر الٰہی کا تابع ہے۔

رہا منکرینِ حدیث کا دوسرا شبہ کہ اس حدیث میں طلوع و غروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ سمجھا گیا ہے جبکہ سائنسی تحقیق بتاتی ہے کہ طلوع و غروب زمین کی گردش کا نتیجہ ہے اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات کو جن کا ہمیشہ بدلتے رہنا تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے قرآنی آیات یا احادیث نبوی ﷺ کے لیے معیار ٹھہرانا خود خلافِ عقل ہے۔ عین ممکن ہے کہ جو سائنس آج سورج کو ساکن اور زمین کو متحرک قرار دیتی ہے کل اس کی تحقیق بدل جائے اور وہ زمین کو ساکن اور سورج کو متحرک قرار دینا شروع کر دے۔ چنانچہ اس رخ پر سائنس نے سوچنا شروع کر بھی دیا ہے۔ تو اول تو یہ معیار ہی غلط ہے۔ دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اتنی بات تو معترضین کو بھی تسلیم ہے کہ نبی کریم ﷺ طبیعیات یا ہیئت اور کیمیاء کے مسائل بنی نوع انسان کو سکھانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ عرفان حقیقت بخشنے اور فکر و عمل کی اصلاح کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ نے زمین یا سورج کا ذکر کیا ہے تو یہ بتانے کے لیے نہیں کیا کہ ان میں سے کون متحرک ہے اور کون ساکن۔ بلکہ یہ سمجھانے کے لیے کیا ہے کہ زمین اور سورج دونوں کا مالک و خالق صرف ایک ذات ہے جس کا نام اللہ ہے۔ اب اس حقیقت کی تعلیم دینے کے لیے عقل کیا کہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اس علم اشیاء سے مدد لینی چاہیے تھی جو آپ

کے زمانے میں موجود تھا یا اس کو چھوڑ کر ہزار ڈیڑھ ہزار سال بعد کے علم اشیاء کو اس حقیقت کی تعلیم کا ذریعہ بنانا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اپنے ہی زمانے کے علم اشیاء سے کام لینا حکمتِ تبلیغ کے عین مطابق ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ ان حقائق کو ذریعۂ تعلیم بناتے جو صدیوں بعد انسان کے علم میں آنے والے تھے تو آپ ﷺ کی تعلیم آپ ﷺ کے عہد کے لوگوں میں مقبول تو کیا ہوتی سمجھ ہی میں نہ آتی۔ لوگ اصل تعلیم کو چھوڑ کر اس بحث میں پڑ جاتے کہ آخر وہ کونسی ایسی عجیب وغریب دنیا ہے جس کی ایسی عجیب وغریب باتیں آپ ﷺ سنا رہے ہیں۔ ذرا سوچئے تو سہی اگر زیرِ بحث حدیث کا مضمون اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس انداز سے بیان کیا جاتا کہ سننے والا طلوع وغروب کا سبب سورج کی بجائے زمین کی حرکت کو سمجھتا تو آج کی دنیا کی نظر میں تو بے شک وہ ایک علمی معجزہ ہوتا مگر خود آپ ﷺ کے زمانے کے لوگوں کے بارے میں معترضین کا کیا خیال ہے وہ اس علمی معجزے کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے؟ اور پھر اس علمی معجزے کے معمہ کی بھول بھلیوں میں پھنس جانے کی بنا پر وہ مضمون ان کے دل ودماغ میں کہاں تک اترتا جو فی الحقیقت سمجھانا مقصود تھا؟...... اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کوئی ایک شخص بھی شاید نبی کریم ﷺ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر نہ دیتا اور جب آپ ﷺ کے زمانے کے لوگ ہی ایسے علمی معجزوں کی بدولت ایمان لانے سے محروم رہ جاتے تو یہ علمی معجزے بعد کی نسلوں تک پہنچتے ہی کیا ان سے داد وصول کرتے۔ غرض حکمتِ تبلیغ اسی طرزِ عمل کا متقاضی تھی جو آپ ﷺ نے اختیار فرمایا کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے علم وفہم کے مطابق ان سے کلام کیا اور جن حقائق کو آپ ﷺ لوگوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے ان کی تفہیم کے لیے ان معلومات سے کام نہیں لیا جو صدیوں بعد ظہور میں آئیں۔

رہی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی بات تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ جو ذات اس سورج کی خالق ہے اس کو تھامے ہوئے ہے اور جو ذات زمین کو ایک منضبط گردش میں رکھے ہوئے ہے وہی ذات اس پر بھی قادر ہے کہ اس سارے نظام کو الٹا چلا دے اور سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلتا ہوا نظر آئے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے بھی اس امر کا امکان موجود ہے کہ دنیا کا قانون جذب وکشش یکا یک ایک پلٹی کھائے اور تمام سیارے موجودہ رفتار کے مقابلہ میں بالکل الٹ رفتار سے چلنا شروع کر دیں۔ طبیعیات اور ہیئت کے موجودہ قوانین کو کوئی بھی اٹل نہیں مانتا۔ ان قوانین میں تغیّر واقع ہونے یا بالکلیہ اس کے درہم برہم ہو

جانے کے امکانات کی موجودگی کا ہر کوئی قائل ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ سورج کے طلوع و غروب کا موجودہ قانون یکا یک بدل جائے اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو۔

2.2 موسم سرما اور موسم گرما کی تبدیلی

دوسری حدیث جو منکرین حدیث کو خلاف عقل نظر آتی ہے وہ ہے جس کو امام بخاری نے کتاب مواقیت الصلاۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ حدیث کا متن یوں ہے:

((عن أبی هريرة عن النبی ﷺ أنه قال: إذا اشتد الحر فابردوا بالصلاة، فإن شدة الحر من فيح جهنم، فاشتكت النار إلى ربها فقالت: يا رب! أكل بعضی بعضاً فأذن لها بنفسين، نفس فی الشتاء، ونفس فی الصيف، وهو اشد ما تجدون من الحرّ، وهو اشد ما تجدون من الزمهرير)) (الصحيح للإمام البخاری، كتاب مواقيت الصلاة: باب إبراد بالظهر)

''ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب گرمی زوروں پر ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے (ٹھنڈے وقت) میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک سے ہے۔ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا: اے رب! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سانس کی جاڑے میں اور ایک سانس کی گرمی کے موسم میں اور وہ (گرمی کا سانس) اس سخت گرمی جیسا ہے جو تم محسوس کرتے ہو اور وہ سردی کا سانس اس سخت سردی جیسا ہوتا ہے جو تم محسوس کرتے ہو''۔

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہوئی ہے نیز سردی اور گرمی کے موسم جہنم کی دو پھونکوں کے سبب سے آتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ موسموں کا تغیر زمین کی مداری گردش اور سورج کے قرب و بعد کی بنا پر ہے۔

اس حدیث کے بارے میں بھی بنیادی بات یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مقصود ایک عالم طبیعیات کی حیثیت سے موسمی تغیرات کی وجوہ بیان فرمانا نہیں ہے بلکہ آپ ایک نبی کی حیثیت سے گرمی کی تکلیف محسوس کرنے والوں کو جہنم کا تصور دلانا چاہتے ہیں۔ دوپہر کے وقت صحرائے عرب کی گرمی کا جو حال ہوتا ہوگا با آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے ایسی گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے نکلنا واقعی بڑا شاق گزرتا ہوگا۔ چنانچہ مسند امام احمد میں حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول ہے کہ ظہر کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز صحابہ کرامؓ پر شاق نہ تھی۔ اس پس منظر میں دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس سے آپ کا مقصود دوزخ سے ڈرانا اور ان کاموں سے روکنا تھا جو انسان کو دوزخ کی طرف لے جانے والے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد قرآن کریم کے اس ارشاد سے ملتا جلتا ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کے لیے جو گرمی سے گھبرا کر جہاد پر نکلنے سے جی چرا رہے تھے فرمایا گیا تھا:

﴿قالوا لا تنفروا فی الحرّ، قل نار جهنّم أشد حرّاً﴾ (التوبة: ٨١)

جس طرح قرآن دنیا کی گرمی کا جہنم کی گرمی سے مقابلہ اس لیے کر رہا ہے کہ پس منظر میں وہ لوگ ہیں جو گرمی سے گھبرا کر جہاد پر جانے سے ہچکچا رہے ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی دنیا کی شدید گرمی اور شدید سردی کو دوزخ کی محض دو پھونکوں کے برابر اس لیے بتا رہے ہیں کہ پس منظر میں وہ لوگ موجود ہیں جو جاڑے میں صبح کی اور گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے گھروں سے نکلنا شاق سمجھ رہے ہیں۔ ((فان شدّة الحرّ من فیح جهنّم)) کہنے سے نبی کریم ﷺ کی مراد لازماً یہی نہیں ہے کہ دنیا میں گرمی جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ جہنم کی پھونک کی قسم یا جنس سے ہے اس لیے کہ عربی زبان میں لفظ "من" بیان جنس کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح گرمی اور سردی کے موسموں کے بارے میں آپ ﷺ کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ یہ دونوں موسم جہنم کی دو پھونکوں کے سبب سے آتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دو سانسوں کی اجازت دی۔ ایک سانس سردی کے موسم میں اور ایک سانس گرمی کے موسم میں اور یہ جو تم گرمی سردی محسوس کرتے ہو اس کو دوزخ کے انہی دو سانسوں پر قیاس کر لو۔ غرض جس شخص نے بھی قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ میں کچھ بھی غور کیا ہوگا وہ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث سن کر بلا تامل کہہ اٹھے گا کہ اس میں آپ ﷺ نے طبیعیات کے کسی مسئلہ کو نہیں بلکہ جہنم کی شدتِ گرمی کو ذہن نشین کرانا چاہا ہے۔

2.3 گرگٹ کی پھونکیں

ایک اور حدیث جس کا مضمون منکرین حدیث کو خلاف عقل نظر آتا ہے۔ صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت ہے:

((عن امّ شریک، أن رسول اللهﷺ أمر بقتل الوزغ، وقال: کان ینفخ علی ابراهیم علیه السلام)). (الصحیح للإمام البخاری: کتاب الانبیاء: باب قول الله تعالی: ﴿واتخذ الله إبراهیم خلیلا﴾)

''حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم پر آگ پھونکتا تھا''۔

اس حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کو عقلی مشکل یہ پیش آئی کہ آخر ایک گرگٹ کی پھونکوں میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آ گئی اور پھر ایک گرگٹ کے بدلے میں گرگٹوں کی ساری نسل کو سزا دینا کہاں کا انصاف ہے؟

منکرین حدیث اس حدیث پر اعتراض کرنے سے پہلے اگر ان احادیث پر بھی نظر ڈال لیتے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمﷺ نے وزغ یعنی گرگٹ کو فویسق یعنی موذی جانوروں میں سے قرار دیا ہے تو ان کو مذکوہ بالا حدیث میں کوئی عقلی استحالہ پیش نہ آتا اور بات بخوبی سمجھ میں آ جاتی۔

دراصل نبی کریمﷺ نے چند جانوروں کو فواسق (موذی) قرار دے کر یہ فرمایا تھا کہ انہیں حرم میں اور حالت احرام میں بھی مار دینے کی اجازت ہے۔ ان میں بچھو، باؤلا کتا اور چوہا وغیرہ شامل ہیں۔ ادھر بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپﷺ نے گرگٹ کو بھی موذی قرار دیا تھا۔ اب اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم میں غور کیجئے۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ گرگٹ کی پوری نسل کو اس لیے مار ڈالا جائے کہ اس کے ایک فرد نے حضرت ابراہیمؑ پر آگ بھڑکائی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک موذی جانور ہے اور اس کو دوسرے موذی جانوروں کی طرح انسان سے دشمنی ہے۔ چنانچہ اس کی انسان دشمنی کا

اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سارے جانوروں میں سے یہی ایک جانور تھا کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو اس نے اس آگ کو پھونکنے کی کوشش کی۔ رہی یہ بات کہ گرگٹ کی پھونک میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آ گئی تو حدیث میں یہ کہاں کب گیا ہے کہ وہ آگ گرگٹ کی پھونکوں سے بھڑک اٹھی تھی۔ حدیث میں تو صرف گرگٹ کی انسان دشمنی کی مثال دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کی یہ دشمنی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ بھڑکانے کی کوشش کرتا رہا۔ اگر چہ اس کوشش کا کوئی فائدہ نہ تھا لیکن جانور نے اپنی انسان دشمنی کے اظہار میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

2.4 احادیث نبوی ﷺ اور نامناسب مضامین

منکرین حدیث کا ایک اعتراض ان احادیث کے بارے میں ہے جو بقول ان کے نامناسب مضامین پر مشتمل ہیں ان کا کہنا ہے کہ بعض احادیث تو ایسے مضامین پر مشتمل ہیں جو اخلاقی لحاظ سے معیوب خیال کئے جاتے ہیں جبکہ بعض احادیث ایسی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے درمیان خالصتاً ازدواجی تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی اکثر و بیشتر خود ازواجِ مطہرات کی زبانی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ازواجِ مطہرات آپ ﷺ کی زندگی کے ایسے معاملات بھی لوگوں کو بتا دیں اور بتانے میں کوئی شرم محسوس نہ کریں جن کو عام طور پر میاں بیوی کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی دوسرے کو اس پر مطلع کرنا کوئی گوارا کرتا ہے۔

منکرین حدیث کا یہ اعتراض ان کی کج فہمی، کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے تاہم اتمامِ حجت کے طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث جو اس ضمن میں معترضین کی تختۂ مشق بنی ہیں ان میں سے چند احادیث کا نمونے کے طور پر تجزیہ کر کے یہ دکھایا جائے کہ اس قسم کی تمام احادیث دراصل ان مسائل پر مشتمل ہیں جو انسانی زندگی کے مخفی شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا انسان کے علم میں آنا اس کی اپنی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے از بس ضروری ہے۔ اس سلسلہ کی جتنی احادیث منکرین حدیث کی جانب سے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں ان کو راویوں کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ احادیث جو نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے مروی ہیں۔ دوسرے وہ احادیث جو ازواجِ مطہرات کے علاوہ دیگر صحابہ وصحابیات سے

منقول ہیں۔ یہاں ان دونوں قسموں میں سے چند احادیث کا نمونے کے طور پر تجزیہ کیا جاتا ہے تاکہ اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ منکرین حدیث کی سوچ کس قدر منفی اثرات کی حامل ہے۔

2.5 ازواجِ مطہّرات کی مرویّات

۱-((عن عائشة أن النبی ﷺ قبل بعض نسائه، ثم خرج إلی الصّلاة ولم یتوضأ)). (السنن للإمام الترمذی: الطهارة، باب ترک الوضوء من القبلة)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور وضو نہیں کیا''۔

۲- ((حدثنی ابو بکر بن حفص، قال: سمعت أبا سلمة یقول: دخلت أنا و أخو عائشة علی عائشة، فسألها أخوه، عن غسل رسول اللہ ﷺ، فدعت بإناء نحو من صاع، فاغتسلت، و افاضت علی رأسها وبیننا حجاب)) (الصحیح للإمام البخاری، الغسل، باب بالصاع ونحوه)

''ابوبکر بن حفص کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں اور حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور ان سے ان کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کا حال پوچھا۔ تو انہوں نے تقریباً ایک صاع پانی منگایا۔ پھر انہوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا، اس حال میں کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل تھا''۔

۳- عن أم سلمة، قالت: جاء ت ام سلیم إلی النبی ﷺ فقالت: یا رسول اللہ! إن اللہ عز وجل لا یستحیی من الحق، فهل علی

المرأة من غسل إذا احتلمت، فقال رسول اللهﷺ: نعم، إذا رأت الماء، فقالت أم سلمة: يا رسول الله! وتحتلم المرأة؟ فقال: تربت يداكِ، فبم يشبهها ولدها)) (الصحيح للإمام البخاري: الطهارة، باب وجوب الغسل علی المرأة)

''حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ام سلیمؓ رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اورعرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو!۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ہاں جبکہ وہ پانی (منی) دیکھے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا: ہاں! بالکل ہوتا ہے۔ احتلام نہیں ہوتا تو پھر بچہ عورت کے مشابہہ کیونکر ہوتا ہے''۔

۴- عن عائشة، قالت: كنت اغتسل أنا والنبيﷺ من إناء واحد كلانا جنب، وكان يأمرني، فأتزر، فيباشرني، وأنا حائض، وكان يخرج رأسه إليّ وهو معتكف فأغسله وأنا حائض)). (الصحيح للإمام البخاري: كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض)

''حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اور نبی کریمﷺ ایک ہی برتن سے نہاتے تھے اور ہم دونوں حالت جنابت میں ہوتے تھے۔ اور آپﷺ مجھے حالت حیض میں ازار اچھی طرح باندھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اس کے بعد ہم بستر میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ اور آپﷺ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر (مسجد سے باہر) میرے حجرہ کی طرف نکال دیتے تھے اور میں بحالت حیض آپ کا سر دھوتی تھی''۔

٥-((عن عائشة، قالت: كنت أشرب وأنا حائض ثم أناوله، النبيّ ﷺ فيضع فاه على موضع فيّ فيشرب، وأتعرّق بالعرق وأنا حائض، ثم أناوله النبيﷺ فيضع فاه على موضع فيّ)).
(الصحيح للإمام مسلم: كتاب الطهارة، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها)

''حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں (برتن سے) پانی پیتی تھی اور پھر اسے نبی کریم ﷺ کی جانب بڑھا دیتی۔ آپ ﷺ اسی جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھ کر پانی پیا ہوتا تھا حالانکہ میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی۔ اور اسی طرح میں حیض کی حالت میں ہڈی پر سے گوشت کھاتی تھی اور پھر اسے نبی کریم ﷺ کو دے دیتی تھی اور آپ ﷺ اس جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھا تھا''۔

یہ احادیث نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حدیث میں کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ بیان ہوا ہے جو یا تو انسانی زندگی کے مخفی شعبوں سے تعلق رکھتا ہے یا اس کا تعلق جسمانی طہارت ونفاست سے ہے۔ آیئے ان احادیث کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کیسے کیسے اہم مسائل کا حل بیان ہوا ہے۔

2.6 بوسہ ناقضِ وضو نہیں

پہلی حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اس میں حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ کے ایک عمل کی خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کا بحالت وضو بوسہ لیا اور اس کے بعد بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ نبی کریم ﷺ کے اس عمل کی اطلاع دینے سے حضرت عائشہؓ کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ بوسہ بجائے خود وضو توڑنے والی چیز نہیں ہے۔ دراصل بعض لوگ محض بوسہ لینے کو ناقض وضو سمجھنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے اگر وضو ٹوٹتا نہیں ہے تو کم از کم طہارت میں فرق ضرور آ جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو ان کا شک دور کرنے کے

ہے۔ اس عمل نبوی ﷺ کی خبر دینا پڑی تا کہ ثابت ہو جائے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ نے خود بوسہ لینے کے بعد بغیر وضو کیے نماز پڑھی ہے اس لیے بوسہ ناقض وضو نہیں ہے۔

2.7 غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہے؟

دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ ؓ ہی سے متعلق ہے اس میں ذکر ہے کہ غسل کے متعلق استفسار پر حضرت عائشہؓ نے پانی منگوا کر اور پردہ لٹکا کر حضرت ابوسلمہ اور اپنے بھائی کی موجودگی میں غسل فرمایا۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسلمہؓ حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھانجے تھے۔ جنہیں حضرت ام کلثوم بنت ابو بکر صدیقؓ نے دودھ پلایا تھا اس لحاظ سے اس حدیث میں مذکورہ دونوں شخص جن کے سامنے حضرت عائشہؓ نے پردہ لٹکا کر غسل فرمایا آپ کے محرم ہی تھے۔ ان میں سے غیر محرم کوئی نہ تھا۔

منکرین حدیث حقیقتِ حال سے ناواقف لوگوں کے سامنے اس حدیث پر تبصرہ کچھ ایسے انداز سے کرتے ہیں جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ کوئی غیر شخص تھے۔ اس کے علاوہ پھر ایک زیادتی یہ کرتے ہیں کہ روایت میں تو صرف ''حجاب'' یعنی پردے کا ذکر ہے مگر ان لوگوں کے تبصرے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ گویا پردہ باریک تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر پردہ باریک نہ ہوتا تو حضرت عائشہ نہاتی ہوئی نظر نہ آ سکتیں۔ اور اس طرح غسل کے عمل کا جو مظاہرہ کرنا مقصود تھا وہ پورا نہ ہوتا۔ حالانکہ اگر انہیں اس مسئلہ کا علم ہوتا جو اس وقت درپیش تھا اور جس کی تحقیق کے لیے یہ دونوں حضرات اپنی خالہ اور بہن کے پاس گئے تھے تو انہیں یہ سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ پردہ باریک ہونا چاہئے تھا۔ دراصل صحابہ کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہوسکتا ہے۔ بعض صحابہ کو نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ روایت پہنچی تھی کہ آپ ایک صاع بھر پانی سے غسل کر لیتے تھے جبکہ اتنے پانی کو لوگ غسل کے لیے ناکافی سمجھتے تھے۔ غلط فہمی کی بنیاد دراصل یہ تھی کہ وہ غسل جنابت اور غسل بغرض صفائی بدن کا فرق نہیں سمجھ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں سوال کرنے والوں کو مسئلہ کی نوعیت سمجھانے کے لیے اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈالا۔ پھر ایک صاع پانی منگوا کر اپنے اوپر بہایا۔ اس طریقہ سے سوال کرنے والوں کو حضرت عائشہؓ دو باتیں سمجھانا چاہتی تھیں: ایک یہ کہ غسل جنابت کے لیے صرف جسم پر پانی بہانا کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مقصد کے لیے صاع بھر پانی کفایت کرتا ہے۔

2.8 عورتوں سے مخصوص ایک شرعی حکم

تیسری حدیث حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ یہ حدیث خواتین کو ایک اہم شرعی حکم سے واقفیت مہیا کرتی ہے۔ مسئلہ جس سے ایک عرب خاتون کو سابقہ پیش آ گیا تھا یہ تھا کہ اگر ایک خاتون اسی طرح کا خواب دیکھے جیسا عام طور پر بالغ مرد دیکھا کرتے ہیں تو وہ کیا کرے؟ اسے پاک ہونے کے لیے مردوں کی طرح غسل کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟...... چونکہ یہ صورت خواتین کو بہت کم پیش آتی ہے اس لیے خواتین اس کے شرعی حکم سے ناواقف تھیں۔ چنانچہ وہ خاتون مسئلہ پوچھنے آئیں اور نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ بتا کر کہ عورت کو بھی مرد ہی کی طرح غسل کرنا چاہئے نہ صرف ان کو بلکہ تمام خواتین کو ایک ضروری تعلیم دے دی۔ اب بتایا جائے کہ اس میں کون سی بات اخلاقی لحاظ سے معیوب تھی۔ کیا اس عرب خاتون کا مسئلہ پوچھنا کوئی عیب کی بات تھی؟!!...... کیا انہیں مسئلہ پوچھنے کے بجائے شرم کا لحاظ کرتے ہوئے جو کچھ ان کی اپنی سمجھ میں آتا وہی کر لینا چاہئے تھا؟!!...... معلوم نہیں معترضین کو اس میں کون سی بات غیر اخلاقی نظر آتی ہے۔

2.9 جنابت اور حیض کے بارے میں قدیم توہمات کا ازالہ

چوتھی اور پانچویں احادیث میں جو مضمون حضرت عائشہؓ کی زبانی بیان ہوا ہے اس کی اصل حقیقت سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کا جاننا ضروری ہے۔ جو ان احادیث کو روایت کرتے وقت حضرت عائشہؓ کے پیش نظر تھا۔ دراصل جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے ناپاک ہونے کا تصور شریعت محمدیہ ﷺ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کی طرح قدیم شریعتوں میں بھی تھا۔ لیکن قدیم شریعتوں میں اس قدر بڑھا دیا تھا کہ وہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے وجود ہی کو ناپاک خیال کرنے لگے تھے۔ ان کے زیر اثر اہل حجاز میں بھی یہ تصور حدِ مبالغہ کو پہنچ گیا تھا خصوصاً حائضہ عورت کے ساتھ تو رہنا سہنا بھی گناہ خیال کیا جانے لگا تھا چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب عورت کو حیض آتا تھا تو یہودی اس کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ رہنا سہنا چھوڑ دیتے تھے۔ (مشکوۃ المصابیح: کتاب الطہارۃ، باب الحیض)۔

نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بتایا کہ اس حالت میں صرف فعل مباشرت ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ میل جول، رہن سہن، کھانا پینا غرض ہر قسم کی معاشرت حائضہ عورت کے ساتھ اسی طرح رہتی ہے جیسی اس کے پاک ہونے کی حالت میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگرچہ اس سلسلہ میں بنیادی غلط فہمی رفع ہوگئی تھی تاہم قدیم توہمات وتعصبات کے زیر اثر ایک عرصہ تک لوگ یہ سمجھتے رہے کہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کا وجود کچھ نہ کچھ گندا رہتا ہی ہے۔ اس لیے اس حالت میں اس کا ہاتھ جس چیز کو لگ جائے وہ بھی کم از کم مکروہ تو ضرور ہو جاتی ہوگی۔

یہ تھا وہ پس منظر جس میں زیر بحث دونوں حدیث اور اسی قسم کی دوسری احادیث روایت ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا مبالغہ آمیز تصورات کو اعتدال پر لانے کے لیے ازواج مطہرات کو یہ بتانا پڑا کہ نبی کریم ﷺ خود اس حالت میں کوئی اجتناب نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک حائضہ یا جنبی عورت کے ہاتھ لگانے سے جب پانی جیسی سیال اور تر چیز گندی نہیں ہوتی تھی تو کسی برتن یا کپڑے وغیرہ کے گندے ہو جانے کا تو سوال ہی کیا۔ بلکہ پانچویں حدیث میں تو یہ بتایا گیا کہ حائضہ عورت کا ہاتھ تو ہاتھ ہے، منہ بھی لگ جائے تو کوئی چیز گندی نہیں ہوتی۔ نیز اس قسم کی احادیث میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ حائضہ بیوی کے ساتھ اُس کا شوہر صرف مباشرت کا مخصوص فعل نہیں کر سکتا باقی ہر قسم کا میل جول جائز ہے۔ اب ذرا سوچیے!...... اگر ازواجِ مطہرات نے نبی کریم ﷺ کے ان افعال پر ہمیں مطلع نہ کیا ہوتا تو قدیم تعصبات اور توہمات کے زیر اثر ہمیں اپنی عائلی زندگی میں کیسی کیسی مشکلات سے سابقہ پیش آتا۔

③ خلافِ علم و تجربہ روایات

منکرینِ حدیث کا ایک اعتراض یہ ہے کہ صحیح احادیث کے ذخیرے میں بعض روایات ایسے دعاوی پر مشتمل ہیں جو تجربے کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اور ظاہر ہے نبی کے دعاوی کبھی غلط نہیں ہوتے۔ بنا بریں یہی سمجھا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف ان تمام دعاوی کی نسبت غلط ہے منکرین حدیث اگر اپنی سوچ کا رخ درست کرلیں تو خود اس بات کا اقرار کرتے نظر آئیں گے کہ کوئی ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں جو انسانی علم وتجربہ کے خلاف ہو۔ ان کی جانب سے جتنی بھی روایات اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں اگر ذرا بھی بنظرِ غور ان کا جائزہ لیا جائے تو کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں رہتی جس پر خلاف علم وتجربہ ہونے کا اعتراض صادق آسکے۔ مثال کے طور پر ان کی طرف سے پیش کی جانے والی مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ کیجئے۔

3.1 سو سال بعد دنیا کا خاتمہ

اس روایت میں ذکر ہے کہ سو سال کے بعد زمین پر کوئی جاندار زندہ نہیں رہے گا۔ یہ روایت دراصل اس حدیث کا ایک جزو ہے جس کو امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کتاب العلم میں نقل کیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

((قال: صلى بنا النبي ﷺ العشاء في آخر حياته، فلما سلّم، قام، فقال: أرأيتم ليلتكم هذه، فإن رأس مائة سنة منها لا يبقى ممّن هو على ظهر الأرض أحد)). (الصحيح للإمام البخاري: كتاب العلم، باب السمر في العلم)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اخیر عمر میں ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تم نے اس رات کو دیکھا (اسے یاد رکھنا)۔ اب سے سو برس کے بعد جتنے لوگ اس

وقت زمین پر ہیں ان میں سے کوئی بھی (زندہ) نہیں رہے گا''۔

منکرین حدیث نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا کہ دنیا سو سال کے بعد ختم ہو جائے گی اور پھر اسی بنیاد پر اسے موضوع ٹھہرایا ہے کہ یہ تاریخی حقائق اور حس ومشاہدہ کے خلاف ہے۔

یہاں منکرین حدیث سے پوچھنا چاہئے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الصلاۃ میں بھی لیا ہے۔ کیا وجہ ہے اس کو اختیار کرنے کی بجائے منکرینِ حدیث کی نظر انتخاب اسی کتاب العلم والی روایت پر کیوں پڑی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ کتاب الصلاۃ والی روایت انہوں نے صرف اس لیے نہیں لی کہ اس میں ان کے اعتراض کا جواب موجود تھا۔ اس روایت میں چونکہ ''الیوم'' کا لفظ اس ارشاد نبوی ﷺ کا صحیح مفہوم متعین کر دیتا تھا جس کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ اس لیے منکرینِ حدیث کا فائدہ اسی میں تھا کہ اس روایت سے صرفِ نظر کر لیا جائے۔

دراصل نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت جبکہ میں یہ الفاظ کہہ رہا ہوں دنیا میں جتنے لوگ ہیں سو سال کے اندر اندر سب مر جائیں گے۔ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سو سال کے بعد دنیا ہی ختم ہو جائے گی۔ اگرچہ کتاب العلم والی روایت میں بھی لیلتکم ھذہ کے الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ تاہم کتاب الصلاۃ والی روایت تو اس مفہوم کی تعیین میں بالکل ہی صریح ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((فقال: أرأیتکم لیلتکم هذه، فإن رأس مائة سنة منها، لا یبقی ممّن هو الیوم علی ظهر الأرض أحد)). (الصحیح للإمام البخاری: کتاب الصلاة، باب ذکر العشاء والعتمة)

اس ارشاد سے نبی کریم ﷺ کا مقصود اس بات پر متنبہ کرنا تھا کہ تمہاری عمریں پہلی امتوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اس لیے عبادت کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔ نیز اس کے ساتھ ہی ان الفاظ میں معجزانہ طور پر ایک پیشین گوئی بھی موجود تھی کہ پوری ایک صدی گذرنے پر موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری بھی ہوئی۔ صحابہؓ میں سے جس کی موت سب کے بعد واقع ہوئی وہ حضرت ابو

طفیل عامر بن واثلہؓ تھے۔ جنہوں نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ اس طرح اس ارشاد کے دن سے لے کر آخر صحابیؓ حضرت ابو طفیل کی وفات تک پورے سو سال بنتے ہیں۔

3.2 عجوہ کھجور کی تاثیر

ایک اور حدیث جسے منکرینِ حدیث اپنے موقف کے استدلال میں پیش کرتے ہیں وہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الطب میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کیا ہے۔ حدیث کا متن یہ ہے:

((من اصطبح كل يوم تمرات عجوة لم يضره سمٌّ ولا سحر ذلک اليوم إلى الليل وقال غيره سبع مرات)). (الصحيح للإمام البخاري: كتاب الطب، باب الدواء بالعجوة)

''جس نے ہر روز علی الصبح عجوہ نامی کھجوریں کھائیں اس پر اس رات تک زہر اور جادو اثر انداز نہ ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں سات کھجوروں (کے الفاظ) ہیں''۔

منکرین حدیث کو عجوہ نامی کھجور کی اس تاثیر سے انکار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ طب جدید نے اس مخصوص کھجور میں کوئی ایسی تاثیر یا خاصیت نہیں پائی جو زہر یا جادو کے علاج میں مفید ہوتی ہو اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

''عجوہ'' نامی کھجور کے بارے میں طب جدید کیا رائے رکھتا ہے کیا نہیں۔ اس سے پہلے یہ بات قابل غور ہے کہ کیا طبِ جدید نے دنیا کے تمام ماکولات و مشروبات، نباتات اور میوہ جات کی خاصیات کا احاطہ کر لیا ہے یا دوسری صورت میں طبِ جدید نے کہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ''عجوہ'' کی تمام تاثیرات اور تمام خاصیات معلوم کر لی ہیں۔ اگر ایسا کوئی دعویٰ طب کی دنیا میں موجود نہیں تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ عجوہ میں فلاں تاثیر سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر عجوہ میں ابھی تک جادو اور زہر کے لیے مفید خواص کا سراغ نہیں لگایا جا سکا تو کیا یہ ممکن نہیں کہ مستقبل میں جب اس کھجور پر باقاعدہ طبی تحقیق کی جائے تو بہت سے ایسے خواص کا پتہ چلے جو مفید زہر یا مفید سحر ہوں۔ علاوہ ازیں تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجئے کہ طبِ جدید نے عجوہ نامی کھجور پر پوری طبی

تحقیق کے بعد یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ اس میں مذکورہ تاثیرات میں سے کوئی تاثیر موجود نہیں ہے۔ تو اس کے بعد یہ امکان پھر بھی باقی رہے گا کہ آئندہ طب کا علم مزید ترقی کرے اور تحلیل وتجزیہ کا کوئی ایسا نیا طریقہ دریافت ہو جائے جس کی مدد سے عجوہ کی کچھ مزید تاثیرات وخاصیات کا انکشاف ہو۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ طب کا علم اپنی آخری حد تک پہنچ گیا ہے اور اب اس پر مزید کسی اضافے کا کوئی امکان نہیں۔

یہ تو تھی ایک اصولی بات، رہا عجوہ کے بارے میں طب جدید کی رائے کا معاملہ، تو یہ کہنا سرے سے ہی غلط ہے کہ طب جدید نے اس مخصوص کھجور میں کوئی ایسی تاثیر یا خاصیت نہیں پائی جو زہر یا جادو کے علاج میں مفید ہوتی ہے۔ اس لیے کہ طب جدید میں یہ امر ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ عجوہ غذا بخش اور ملین معدہ ہوتی ہے۔ یہ کھجور جسم میں حرارت کے ساتھ ساتھ فرحت اور نشاط پیدا کرتی ہے۔ نتیجۃً اس کو اگر نہار منہ کھانا معمول بنا لیا جائے تو جس مادے سے معدہ میں کیڑے بنتے ہیں وہ کمزور پڑ جاتا ہے اور کیڑے مر جاتے ہیں اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اندرونی امراض کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ انتڑیوں میں بدبو اور کیڑوں کا پیدا ہو جانا ہے۔ جب یہ معاملہ بڑھ جاتا ہے تو جسم میں زہر پیدا ہو جاتا ہے جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ بنابریں حدیث میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ عجوہ زہریلے اثرات کو ختم کر دیتی ہے معلوم ہوا کہ بالکل درست ہے۔

اسی طرح عجوہ سے جادو کے اثرات کا زائل ہو جانا بھی کوئی ایسی بات نہیں جو بعید از عقل وقیاس ہو۔ اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ جادو ایک نفسیاتی مرض ہے۔ طب جدید نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ تخیلات وتوہمات بعض امراض میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تو نفسیاتی مرض ہونے کی بنا پر ظاہر ہے جادو کا علاج بھی نفسیاتی ہی ہونا چاہیے۔ اب ذرا تجزیہ کیجیے کہ جب ایک سحر زدہ شخص عجوہ کے ان پہلوؤں پر غور کرے گا کہ یہ جسم انسانی کو حرارت بخشتی ہے اور فرحت ونشاط بہم پہنچاتی ہے۔ بدن کو تقویت دیتی ہے۔ کیڑوں کو مار ڈالتی ہے اور فضلات کے تعفن کو دور کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب وہ اس حقیقت میں غور کرے گا کہ عجوہ کھجور کو اللہ کے رسول ﷺ نے جس کی بات ہمیشہ قطعی اور حتمی ہوتی ہے جادو کے مرض کے لیے مفید بتایا ہے تو نفسیاتی طور پر اس کے اندر قوت مدافعت بڑھے گی جو جادو کے ازالہ میں مؤثر ہوگی۔

3.3 کھمب کی خاصیت

طب ہی کی بنیاد پر منکرین حدیث نے اس حدیث کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جس میں ذکر ہے کہ کھمب (جس کو سانپ کی چھتری بھی کہا جاتا ہے اور جو برسات کے زمانے میں عموماً کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر ازخود اُگ آتی ہے) کا پانی آنکھ کے لیے باعثِ شفا ہے۔ اس حدیث کا متن یہ ہے:

((الكمأة من المنّ وماء ها شفاء للعين)). (الصحيح للإمام البخاری: كتاب الطهارة، باب المن شفاء للعين)

''کھمب (سانپ کی چھتری) ترنجبین کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے باعثِ شفا ہے''۔

اس حدیث کے بارے میں بھی اول تو اصولی بات یہی ہے کہ آج اگر انسان کی تحقیق میں کھمب کی یہ تاثیر نہیں آئی جو مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہوئی ہے تو اس کا امکان ختم نہیں ہوتا کہ کل انسانی تحقیق میں اس تاثیر کا وجود ثابت ہو جائے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ منکرین حدیث ایک طرف تو اخبارِ آحاد کے پورے ذخیرہ کو صرف اس بنیاد پر بے کار اور ناقابلِ اعتماد ٹھہراتے ہیں کہ ان سے علمِ ظنی حاصل ہوتا ہے جو کہ فی الحقیقت یقین ہی کی ایک قسم ہے۔ دوسری طرف محض اندازوں اور تخمینوں پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ان کو احادیث نبوی ﷺ کے صحیح و غیر صحیح ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔ کسی چیز کی کوئی خاصیت جو اطباء بیان کرتے ہیں وہ سب ان کے اندازے اور تخمینے ہی تو ہوتے ہیں۔ ان اندازوں اور تخمینوں کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو جو وحی و برہان پر مبنی ہونے کی وجہ سے یقیناً قطعی اور حتمی ہیں مشکوک اور غلط قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ آج اگر ایک حدیث اس لیے قابل قبول نہیں کہ وہ طب کی تحقیق کے خلاف ہے تو کل اگر طب کی تحقیق اس کے حق میں ہو گئی تو یقیناً وہ قابل قبول بن جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ طبیب کی بات تو قابلِ قبول ہے جو ایک عام انسان سے زیادہ کچھ نہیں مگر نبی کریم ﷺ کی بات قابل قبول نہیں ہے جو معترضین کے نزدیک بھی اللہ کے رسول ہیں۔

علاوہ ازیں یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کھمب میں وہ تاثیر نہیں پائی جاتی جو حدیث میں بیان ہوئی ہے اس لیے کہ ابو سہیل مسیحی اور بوعلی سینا جیسے مسلّم اور مشہور اطباء کی تحقیق تو یہ ہے کہ کھمب کا پانی بصارت کو تیز کر دیتا ہے۔ نیز اگر اس کو سرمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے ظلمتِ بصر دور ہوتی ہے اور دکھتی آنکھ ٹھیک ہو جاتی ہے۔ حافظ ابنِ قیم نے "زاد المعاد" میں ان دونوں اطباء کی اس تحقیق کو زیر بحث حدیث کی صداقت پر گفتگو کرتے ہوئی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔ انہوں نے مشہور طبیب غافقی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طبیب کی مفردات میں لکھا ہے کہ اگر کھمب کے پانی کو مشہور دوا اثمد کے پانی میں گوندھ کر سرمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے آنکھ کی پلکوں کو تقویت پہنچتی ہے اور قوتِ بصارت میں اضافہ ہوتا ہے۔ (زاد المعاد لابن قیم الجوزیہ: ج ۲، ص ۱۸۱)

3.4 باہم متعارض روایات

منکرین حدیث کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اکثر صحیح احادیث باہم متعارض ہیں اور یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ متعارض اشیاء ساقط الاعتبار ہوتی ہیں۔ اس لیے احادیث بھی باہم متعارض ہونے کی بناء پر ساقط الاعتبار قرار پائیں۔

یہ اعتراض دراصل معترضین کی کم علمی اور کج فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ منکرینِ حدیث کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ کتبِ حدیث کا تقابلی مطالعہ انہیں حاصل نہیں۔ وہ احادیث کے بارے میں جو فیصلہ کرتے ہیں اپنے محدود مطالعہ کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ کبھی نہ کہتے کہ اکثر احادیث باہم متعارض ہیں۔ جن لوگوں کی احادیث کے پورے ذخیرہ پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ احادیث کے درمیان اتفاق بہت زیادہ اور اختلاف بہت کم ہے۔ مثلاً احادیثِ صفات وفضائل میں کوئی تعارض نہیں۔ احادیث اخلاق ورقاق میں بھی کہیں تعارض نظر نہیں آتا۔ اسی طرح احادیث معجزات تعارض سے پاک ہیں۔ نیز احوال جنت وجہنم کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں بھی ننانوے فی صد احادیث ایسی ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ لے دے کے وہ احادیث رہ جاتی ہیں جو یا تو بعض واقعات پر مشتمل ہیں اور یا پھر ان کا تعلق احکام سے ہے۔

جہاں تک احادیث وواقعات کا تعلق ہے تو ان میں اگر چہ ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسی حدیثوں کی ضرور

ملتی ہے جو باہم متعارض تو نہیں البتہ باہم مختلف دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن ان کا باہمی تعارض و اختلاف صرف ظاہر نظر میں ہی محسوس ہوتا ہے۔ غور و فکر کے بعد اور احادیث نبوی ﷺ کے تقابلی مطالعہ کے بعد اکثر و بیشتر رفع ہو جاتا ہے۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ یا تو مختلف راویوں نے ایک ہی بات یا واقعہ کو مختلف الفاظ میں بیان کیا ہوتا ہے جو بظاہر باہم متعارض و مختلف نظر آنے لگتا ہے۔ حالانکہ معانی و مفہوم کے لحاظ سے ان کے درمیان کوئی تعارض و اختلاف نہیں ہوتا۔ یا پھر مختلف راویوں نے ایک ہی واقعہ کے مختلف اجزاء بیان کئے ہوتے ہیں۔ ناواقف سمجھتا ہے کہ ان کے بیانوں میں اختلاف ہے۔ جبکہ احادیث کے ذخیرے سے واقف اس واقعہ کے تمام اجزاء کو یکجا کر کے ان کے باہمی تطابق کو پالیتا ہے۔

یہی حال احادیثِ احکام کا ہے جو احادیث باہم متعارض نظر آتی ہیں وہ اس قدر کم ہیں کہ غیر متعارض احادیث کی نسبت وہ شاید ایک فیصد بھی نہیں۔ ان میں سے بھی اکثر کا حال یہ ہے کہ ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے اور تحقیق و جستجو کی جائے تو تعارض رفع ہو جاتا ہے۔ ان احادیث کے ساتھ بھی صورت حال یہ ہے کہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے عمل فرمایا ہوتا ہے اور جس راوی نے جو طریقہ مشاہدہ کیا اسے روایت کر دیا یا پھر ہوتا یہ ہے کہ احادیث میں باہم تقدم و تاخر زمانی موجود ہوتا ہے جن لوگوں کو علوم حدیث پر عبور حاصل ہوتا ہے وہ اس تقدم و تاخر زمانی کو معلوم کر لیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر پہلی حدیث کو ''منسوخ'' اور بعد والی کو ''ناسخ'' قرار دیتے ہیں۔

احادیثِ احکام کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ بہت سے اعمال و افعال کی تشریح دفعتاً نہیں ہوتی بلکہ بتدریج ہوتی ہے۔ مثلاً نماز ابتدا میں دو رکعت فرض ہوئی۔ بعد میں رکعات کی تعداد چار ہو گئی۔ یا مثلاً ابتداءِ اسلام میں صرف دو ہی وقت صبح اور عصر کی نماز فرض تھی بعد میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو احکام پر مشتمل احادیث کے معاملے میں اس تدریج کے عمل کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس تدریج کے عمل سے پیدا ہونے والے اختلاف کو تعارض یا تناقض کا درجہ دینا غلط ہوگا۔

غرض ایسی احادیث جن کا باہمی تعارض و اختلاف رفع کرنا مشکل ہو تعداد میں اتنی کم ہیں کہ ان کو غیر متعارض و غیر مختلف احادیث سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کے عدد کو ہزار کے عدد سے ہوتی ہے۔ اب سوال یہ

ہے کہ اس قدر اقل قلیل احادیث متعارضہ کی بنیاد پر پورے ذخیرہ حدیث کو غیر معتبر قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟!!...... احادیث نبویہ کسی ایک نا قابلِ تقسیم کل کا نام تو ہے نہیں کہ اس کا ایک جزء ساقط ہوا تو کل کے کل کا ساقط ہونا لازم آ گیا۔ ہر حدیث اپنے اپنے مقام پر اپنی ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اور ہر ایک اپنی جداگانہ سند کے ساتھ روایت ہوتی ہے۔ بنا بریں دو چار روایات کیا دو چار سو روایات بھی ساقط ہو جائیں تو بقیہ ہزاروں روایات کا سقوط لازم نہیں آ سکتا۔ اول تو ایسی روایات کے بارے میں جن کا باہمی تعارض واختلاف رفع کرنا مشکل ہو درست اور صحیح طریقۂ عمل یہ ہے کہ راجح اور احوط پر عمل کیا جائے۔ لیکن اگر ترک ہی کرنا ہوں تو ظاہر ہے صرف انہی روایات کو ترک کیا جائے گا جو باہم متعارض ہوں گی ان کی وجہ سے غیر متعارض روایات کو ترک کرنے والا نامعقول ہی کہلائے گا۔

یہاں منکرین حدیث کی طرف سے پیش کئے جانے والے چند بنیادی اعتراضات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ آپ اس یونٹ کو پورے غور وخوض اور توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ اس سے آپ کو ان کی بنیادی فکر اور اہداف واغراض کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب آپ منکرین حدیث کا لٹریچر براہِ راست مطالعہ کریں گے تو امید ہے کہ آپ کو اس کی خدوخال سمجھنے میں دقت محسوس نہیں ہوگی۔

خود آزمائی ②

۱) سورج کی سجدہ ریزی سے متعلق حدیث پر منکرین حدیث کو کیا اعتراض ہے؟ اس اعتراض کا جواب دیجئے۔

۲) موسمِ سرما اور گرما کی تبدیلی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ منکرینِ حدیث اس روایت کو ماننے سے کس بنیاد پر انکار کر رہے ہیں؟

۳) احادیث نبوی ﷺ میں نامناسب مضامین کے حوالہ سے منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لیجئے۔

۴) ازواجِ مطہرات کی روایات پر منکرینِ حدیث کو جو اشکال ہے اس کو رفع کیجئے۔

۵) خلافِ علم وتجربہ روایات کے بارے میں منکرین حدیث کا موقف پیش کیجئے اور اس کا جواب دیجئے۔



یونٹ نمبر (18)

پاکستان میں
علم حدیث کا جائزہ

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں اس کا عنوان 'پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ' ہے۔ اس سے پہلے آپ برصغیر میں علم حدیث کے حوالے سے قدرے تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اور یہ دیکھ چکے ہیں کہ برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کس طرح ہوئی اور کن کن علماء اور اداروں کے ذریعہ سے ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد صورتحال ایسی ہوئی کہ جو دینی مراکز متحدہ ہندوستان میں علماء نے قائم کئے تھے وہ بھارت کے حصہ میں آئے اور پاکستان کے حصہ میں ایک بھی دینی مدرسہ نہیں آیا۔ قیام پاکستان کے بعد جو علماء ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے انہیں یہاں کوئی ایسی فکر نہیں تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان بن جانے کے بعد اب علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کا کام خود ریاست کرے گی۔ کیونکہ یہ ریاست بنیادی طور پر نظریاتی ریاست ہے اور یہ اسلامی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی ہے۔ لیکن جب اس نظریاتی ریاست کے اہل اقتدار نے علوم دینیہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو استعمار نے کیا تھا تو علماء کو پھر اپنے تراث کی حفاظت کے لیے میدان میں آنا پڑا۔ ان علماء نے اپنی گنجائش کے مطابق جدوجہد کی۔ ان کی کوشش اور کاوش کے نتیجہ میں پاکستان میں کئی ادارے قائم ہو گئے۔ ان اداروں میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں۔ شروع شروع میں ان اداروں کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ ادارے مضبوط ہو گئے۔ اس یونٹ میں اُن اداروں کا جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے حدیث کی ترویج کے لیے بنیادی اور اساسی کام کیا۔ کئی ادارے ایسے ہوں گے جن کا تذکرہ رہ گیا ہو گا۔ لیکن یونٹ میں چونکہ اتنی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے اختصار اور اجمال کے ساتھ اہم مراکز کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس یونٹ کے مطالعہ سے آپ کو بنیادی معلومات مل جائیں گی۔ اگر آپ مزید مطالعہ کرنا چاہیں تو ان اہم اداروں کے بانی حضرات کے تذکروں کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس یونٹ کا انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے کہ آپ اسے دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- تقسیم ہند سے پہلے علم حدیث کے اہم مراکز پر روشنی ڈال سکیں۔
- تقسیم ہند کے بعد جو مدارس اور جامعات قائم ہوئے ان کا تعارف کرا سکیں۔
- علم حدیث کی اشاعت میں دینی مدارس کے کردار پر بحث کر سکیں۔
- جدید جامعات کے کردار اور تحقیق کے بارے میں تجزیاتی نوٹ لکھ سکیں۔
- پاکستان میں علم حدیث کی اشاعت وترویج کے لیے موجودہ حالات میں اپنی تجاویز پیش کر سکیں۔

① پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ

1.1 استعمار کی منصوبہ بندی کا ردعمل

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب برصغیر پر استعمار کا باقاعدہ قبضہ ہوا اور استعمار نے مختلف اسباب وعوامل اور تجزیات کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرلیا کہ برصغیر میں رہنے والے مسلمانوں کو ہر پہلو اور ہر جانب سے زیر کر دیا جائے، ان کی ظاہری قوت کے ساتھ ساتھ ان کی فکری اور باطنی قوت کو بھی پارہ پارہ کر دیا جائے، تو ان حالات میں اس وقت کے علماء نے استعمار کی اس سازش اور ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لیے علمی اور فکری اداروں کے قیام کی طرف توجہ دی۔ حکومت وقت نے جو سب سے مؤثر اور بنیادی وار کیا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے نصاب تعلیم کو ناقابل قبول قرار دیا۔ عربی اور فارسی زبانوں کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے انگریزی زبان کو رائج کر دیا۔ سرکاری اداروں کے دروازے ان لوگوں کے لیے کھول دیئے جو انگریزی جانتے تھے اور ان لوگوں کے لیے بند کر دیئے جو عربی، فارسی اور اردو زبان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دور میں مسلمانوں کے اندر دو قسم کے مصلحین نمایاں ہو گئے۔ ایک طبقہ ان حضرات کا تھا جو مسلمانوں کو انگریزی نصاب تعلیم پڑھنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ اس طبقہ کی خواہش یہ تھی کہ مسلمان جدید نصاب پڑھ کر سرکاری ملازمتوں میں اپنا حصہ حاصل کریں۔ اور اس طرح معاشی اور معاشرتی لحاظ سے ہندوؤں کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن بہتر بنا سکیں۔ اس طبقہ کے سرخیل سر سید احمد خان تھے جنھوں نے علی گڑھ میں جدید خطوط پر ایک کالج قائم کیا۔ دوسرا طبقہ ان علماء کا تھا جن کا مدعا یہ تھا کہ مسلمان اپنی روایات، ثقافت، تشخص اور علوم وفنون کے ساتھ منسلک رہیں۔ اگر جدید نصاب تعلیم کے ظاہری اور عارضی مفادات کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے علوم وفنون کو نظر انداز کر دیا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سارا ورثہ مٹ جائے گا اور آنے والی نسلوں کو اس بات کا علم ہی نہیں ہوگا کہ ان کے آباء واجداد مسلمان تھے، ہندو تھے یا کچھ اور تھے۔ ان علماء کے سامنے اندلس کی ان نسلوں کی مثال تھی جن کے آباء واجداد نے سات سو سال اندلس میں حکومت کی اور جنھوں نے قرطبہ، غرناطہ، شاطبہ، اور اشبیلیہ کے کتب

خزانوں کو علوم دینیہ کی لاکھوں تالیفات وتصنیفات سے بھر دیا۔ لیکن اب ان نسلوں کو عربی زبان کی ''ا'' اور ''ب'' تک نہیں آتی۔علماء کے اس طبقہ نے نجی طور پر عوام کے تعاون سے علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے لئے ''دارالعلوم'' قائم کیے۔ ان اداروں نے ایسے افراد پیدا کئے جنہوں نے بغیر کسی لالچ اور بغیر مفاد کے علوم اسلامیہ کی ترویج کے لئے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ اور پوری دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے اسلاف کے علوم وفنون کو آگے منتقل کرنا شروع کر دیا۔ برصغیر میں ان علماء کی جدوجہد کی وجہ سے چھوٹے بڑے سینکڑوں مراکز قائم ہوئے۔ ان میں جن کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور جامعہ امینیہ دہلی کے مدارس ہیں۔ فتح اللہ الظا کی اپنی کتاب " الهند كما رأيتها " میں لکھتے ہیں:

"وفى بلاد الهند عدد كبير من الكليات العلمية، مثل كلية ديوبند" وهى اكبر كلية لتدريس اللغة العربيه فى وسط الهند، وكلية كلكوتا، والكلية العثمانية فى حيدر آباد دكن، وكلية لكنوء ، والكلية الاسلامية فى دلهى ، وكلية عليكره".

''ہندوستان میں تعلیمی اداروں کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ یہاں دارالعلوم دیوبند ہے جو علوم عربیہ اور دینیہ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اسی طرح کلکتہ میں ایک کالج ہے۔ حیدر آباد دکن میں جامعہ عثمانیہ ہے، لکھنؤ میں ایک کالج ہے اور دہلی میں بھی ایک اسلامی علوم کا مرکز ہے۔ علاوہ ازیں علی گڑھ میں بھی ایک کالج قائم ہے''۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے چھ سال بعد ۱۸۷۲ء میں صوبہ یوپی میں بریلی کے مقام پر 'مصباح التہذیب' کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہوا جو 'مصباح العلوم' کے نام سے مشہور ہوا تھا۔

ان اداروں میں عام طور پر وہ نصاب جو درس نظامی کہلاتا ہے رائج اور متداول رہا۔ درسِ نظامی میں آخری دو سالوں میں حدیث کے بنیادی مصادر کا مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ اور خاص کر 'صحاح ستہ' پڑھائی جاتی ہیں۔ جو

طالب علم درس نظامی کا نصاب شروع سے آخر تک اہتمام کے ساتھ پڑھ لیتا ہے اسے باقی علوم وفنون کے علاوہ حدیث کا اچھا خاصا ذخیرہ مل جاتا ہے۔ دینی مدارس میں وہ اساتذہ جو حدیث پڑھاتے ہیں انہیں باقی اساتذہ کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اور جو استاذ 'صحیح البخاری' اور 'جامع الترمذی' پڑھاتا ہے وہ 'شیخ الحدیث' کہلاتا ہے۔

1.2 تقسیم ہند کے اثرات

برصغیر کے دینی مدارس میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور دو ایسے مراکز ہیں جن میں حدیث اور علوم الحدیث پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے اطراف واکناف کے طلبہ حدیث پڑھنے کے لیے ان دو مراکز کا رخ کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں افغانستان، ترکستان، انڈونیشیا، ملائیشیا، مصر، الجزائر، شام، افریقہ اور دنیا بھر کے ممالک سے ہر سال ہزاروں طلبہ حدیث پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ ان دونوں مراکز کے قیام کی وجہ سے برصغیر کے طلبہ نے حجاز جانا چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ حجاز کے طلبہ خود یہاں سے مستفید ہونے کے لیے آتے تھے۔ جب تک ہندوستان متحد رہا تب تک یہ مراکز پوری آب وتاب سے کام کرتے رہے۔ لیکن ۱۹۴۷ھ میں جب تقسیم ہند عمل میں آئی تو یہ سارے مراکز ہندوستان کے حصہ میں آئے۔ اور پاکستان کے موجودہ خطہ میں کوئی قابل ذکر مدرسہ نہیں تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستان کے قیام کے بعد حکومت ایسا نصاب تعلیم وضع کرتی جو یہاں کے مسلمانوں کی ظاہری اور باطنی ضروریات کو پورا کرتی۔ لیکن تقسیم ہند کے بعد پاکستان کی صورت حال وہی ہوئی جو ایک سو سال پہلے ہندوستان کی تھی۔ یہاں بھی انگریزی نصاب تعلیم کو فوقیت دی گئی اور علوم اسلامیہ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ عربی، فارسی اور اردو کو انگریزی کے مقابلہ میں کمتر قرار دیا گیا۔ قومی زبان اردو قرار دی گئی لیکن سرکاری زبان انگریزی ہے۔ اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ امیدوار کسی جدید یونیورسٹی سے گریجویٹ ہو۔ اس صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد علماء نے پھر اپنی ذمہ داریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دینی علوم کی ترویج واشاعت کے لیے نجی مراکز قائم کرنا شروع کر دیئے۔ اس ضمن میں پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں علوم اسلامیہ کے ادارے قائم کر دیئے گئے۔

کراچی میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے 'دار العلوم قائم کیا۔ علامہ سید محمد یوسف بنوری نے 'جامعۃ العلوم الاسلامیۃ' قائم کیا۔ مولانا منتخب الحق قادری اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے دار العلوم امجدیہ قائم ہوا۔ ٹنڈوالہ یار میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے ایک مدرسہ قائم کیا۔ مولانا خیر محمد جالندھری نے ملتان میں خیر المدارس تعمیر کرایا۔ مولانا سعید احمد کاظمی نے انوار العلوم کے نام سے ملتان میں مدرسہ قائم کیا۔ میڑھی (سندھ) میں دار الہدیٰ کے نام سے ایک بہت بڑا مرکز نمایاں ہوا۔ مولانا عبدالحق نے اکوڑہ خٹک میں دار العلوم حقانیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔ اوکاڑہ میں مولانا لکھوی نے جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ ان دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے مطابق صرف ان طلبہ کو سند دی جاتی ہے جنہوں نے دورۂ حدیث کا امتحان پاس کر لیا ہو۔ شروع شروع میں ہر مدرسہ کا اپنا داخلی امتحان ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں مختلف مکتب ہائے فکر کے مدارس نے اپنی اپنی تنظیم قائم کی۔ اور اس تنظیم کے تحت اجتماعی امتحانات کا انعقاد شروع ہوا۔ اب الحمدللہ پاکستان میں دینی مدارس کا ایک مربوط نیٹ ورک ہے جو علوم دینیہ کی ترویج واشاعت میں مصروف ہے۔ تقسیم ہند کے بعد ابتدائی تین دہائیوں تک یہاں کے دینی مدارس میں حدیث اور علوم حدیث کی خدمت وہ علماء اور شیوخ کرتے رہے جنہوں نے تقسیم ہند سے پہلے دار العلوم دیوبند، دار العلوم ڈابھیل، اور مظاہر العلوم سہارنپور کے شیوخ الحدیث سے استفادہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اسلوب اور انداز تدریس وہی رہا جو تقسیم ہند سے پہلے کے شیوخ کا تھا بعد میں رفتہ رفتہ وہ اساتذہ حدیث کی مسند پر آ گئے جنہوں نے تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں قائم دینی جامعات کے شیوخ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے اساتذہ بھی جامعات میں آ گئے جنہوں نے بین الاقوامی جامعات مثلاً جامعۃ الازہر اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا۔ ان شیوخ نے جدید اسلوب اور انداز تدریس کے ذریعہ اپنے تلامذہ کو مستفید کیا۔ مثلاً پیر کرم شاہ الازہریؒ نے اپنے جامعہ میں درس نظامی کے نصاب کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں مفید ترامیم کیں۔ اور حدیث کی ان تالیفات کو بھی متعارف کروایا جو پہلے غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے متداول نہیں تھیں۔ علامہ سید محمد یوسف بنوری نے جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کراچی میں جامعہ کے ساتھ ساتھ ادارۂ تحقیق وتالیف بھی قائم کیا۔ اور اس ادارہ کی لائبریری میں ہر علم وفن کی امہات الکتب جمع کیں۔ اور سینئر طلبہ کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ نصابی کتب کے علاوہ مختلف فنون کے مصادر ومراجع کا بھی مطالعہ کریں۔ اس کے

علاوہ انہوں نے ایک باقاعدہ سکیم کے تحت ہر سال جامعہ کے پوزیشن ہولڈرز طلبہ اور اساتذہ کو ترتیب کے ساتھ باہر کی جامعات میں بھیجنا شروع کیا اور جامعہ کے اندر ابتدائی درجات کے طلبہ کو عربی زبان سکھانے کے لیے عرب اساتذہ مقرر کئے۔

1.3 جامعۃ العلوم الاسلامیہ

ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کا علمی معیار باقی تمام جامعات کے مقابلہ میں اعلیٰ رہا اور خاص کر دورۂ حدیث کے طلبہ نے جوق در جوق اس میں داخلہ لینا شروع کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں علم حدیث کی ترویج واشاعت میں اس ادارہ کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ خود علامہ بنوریؒ نے جامع الترمذی کی شرح 'معارف السنن' کے نام سے مرتب کی جو اس وقت بین الاقوامی جامعات میں مصدر ومرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے 'سنن ابن ماجہ' پر کام کیا۔ ان کے اس کام کی وجہ سے سنن ابن ماجہ کی طرف طلبہ اور اساتذہ نے بھرپور توجہ دی اور اس کے مطالعہ میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی نے مسند ابوعوانہ پر بہت جامع، وقیع اور مفید مقدمہ لکھا اور اس کا اردو ترجمہ کیا۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب قابل استفادہ ہوگئی۔ آپ نے حدیث کی مشہور کتاب ''مشارق الانوار'' کو مرتب کیا اور اس کا اردو ترجمہ شائع کرایا۔ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار نے بھی جامع الترمذی پر بہت مفید اور معلوماتی کام کیا۔ مفتی نظام الدین شامزئی نے تراجم بخاری اور مقدمہ صحیح مسلم پر تعلیق وتحقیق کی۔ ادارۂ تحقیق وتالیف کے محققین اور اساتذہ کی زیر نگرانی علمی مقالات لکھوانے کا بھی سلسلہ رہا۔ وہ طلبہ جو دورۂ حدیث کے بعد تخصص فی الحدیث میں داخلہ لیتے ہیں انہیں حدیث اور علوم الحدیث سے متعلق علمی مقالہ لکھنا پڑتا ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کی علمی مصروفیات بڑھانے کے لیے جامعہ سے ایک علمی مجلّہ ماہنامہ 'بیّنات' کے نام سے شروع کرایا گیا۔ اس مجلّہ میں چھپنے والے مقالات اس معیار کے ہوتے ہیں کہ پاکستان کی جدید جامعات میں انہیں قبول کیا جاتا ہے۔

1.4 دارالعلوم کراچی

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کی طرح کراچی میں 'دارالعلوم کراچی' بھی ایک بہت بڑا علمی مرکز ہے۔ اس مرکز

کے بانی مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ہیں۔ مفتی صاحب جب تک حیات رہے ان کی زندگی کا ہر لمحہ علمی مشاغل ہی میں صرف ہوتا رہا۔ آپ کا رجحان اور میلان اگر چہ فقہ کی طرف تھا لیکن آپ حدیث کے بہت ماہر شیخ تھے۔ صحیح بخاری اور جامع الترمذی دونوں کتابیں آپ خود پڑھاتے تھے۔ آپ نے دارالعلوم میں شعبۂ تصنیف وتالیف قائم کیا اور ماہنامہ 'البلاغ' کے نام سے علمی مجلّہ جاری کیا۔ مفتی محمد شفیعؒ کے پاس علامہ انور شاہ کشمیری کے وہ سارے علمی ذخائر موجود تھے جن کا تعلق فقہ اور حدیث سے تھا۔ آپ کے درس حدیث سے یوں لگتا تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیری کا درس ہو رہا ہے۔ مفتی صاحب کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادوں نے دارالعلوم کا نظم ونسق سنبھال لیا۔ ان حضرات نے دارالعلوم کو بالکل جدید انداز میں استوار کر لیا۔ نصاب میں بہت مفید ترامیم کیں۔ جدید علوم کو بھی متعارف کرایا۔ اور ایک بہت بڑی لائبریری قائم کی جس کے لیے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی۔ اس لائبریری مین ہر علم وفن کی امہات الکتب دستیاب ہیں۔ شروح، حواشی اور ضمنی وذیلی کتب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دونوں بالترتیب اس دارالعلوم کے ذمہ دار ہیں۔ اس وقت پاکستان میں جن علماء کی معلومات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جنہیں علمی حلقوں میں وقعت واہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک مولانا تقی عثمانی ہیں۔ مولانا تقی عثمانی نے 'درس ترمذی' کے نام سے اردو میں اپنے درس حدیث کو مرتب کرایا۔ یہ ایک بہت مفید اور علمی کام ہے جس کی وجہ سے جامع ترمذی کو سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس 'درس ترمذی' کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا تقی عثمانی کو اللہ تعالی نے اس مجال میں کتنا نوازا ہے۔ مولانا تقی عثمانی نے صحیح مسلم کی شرح 'فتح الملہم' کی تکمیل کی۔ یہ شرح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے شروع کی تھی لیکن مکمل نہیں کر سکے تھے۔ اس شرح کا مقدمہ بہت مفید اور پر از معلومات ہے۔

1.5 جامعہ فاروقیہ

مولانا سلیم اللہ خان صاحب، جو شروع میں دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث تھے بعد میں انہوں نے جامعہ فاروقیہ کے نام سے اپنا الگ مرکز قائم کیا اس مرکز کے قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کے طلبہ نے جوق

در جوق یہاں کا رخ کر لیا۔ ابتدائی درجات طلبہ جہاں بھی پڑھتے لیکن آخری دو درجات پڑھنے کے لیے جامعہ فاروقیہ کا انتخاب کرتے تھے۔ مولانا سلیم اللہ خان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جس طالب علم نے ان سے مشکوۃ پڑھ لی اس کے لیے صحاح ستہ کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں۔ مولانا سلیم اللہ خان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا تقی عثمانی اور مولانا رفیع عثمانی بھی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ ایران میں آپ کے تلامذہ کا ایک مضبوط نیٹ ورک ہے جو وہاں علمی اور فکری کام کر رہے ہیں۔ حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے مولانا کی خدمات آنے والی نسلیں نہیں بھلا سکیں گی۔ مولانا کے دروس اب مطبوعہ شکل میں بھی آ گئی ہیں۔ جو حدیث کے طلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہو رہی ہیں۔

1.6 جامعہ حنفیہ

کراچی شہر میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے بھی جامعہ حنفیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ میں درس نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی لیکن تعلیم وتدریس کا کام یہاں ضمنی تھا۔ مولانا کا اصل ہدف یہ تھا کہ ایک ایسی لائبریری قائم کی جائے جس میں ہر علم وفن سے متعلق کتابیں ہوں اور خاص کر وہ کتابیں جو مصر، حجاز، بیروت اور دمشق میں محقق ہو کر شائع ہو رہی ہیں۔ مولانا کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ دینی مدارس کے طلبہ محض نصاب کی کتابیں پڑھتے ہیں اس کے علاوہ بہت کم مطالعہ کرتے ہیں حالانکہ دینی مدارس کے طلبہ کو نصاب کے علاوہ متعلقہ کتب کو پڑھنا چاہیے۔ آپ فرماتے تھے کہ محض صحیح بخاری پڑھنے سے صحیح بخاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے لیے عمدۃ القاری کو بھی پڑھنا چاہیے۔ اس منصوبہ کا آغاز آپ نے پیر کرم شاہ الازہریؒ کی تجویز پر کیا تھا۔ لیکن مولانا چونکہ بنیادی طور پر خطیب تھے اس لیے ان کا بیشتر وقت سفر میں گزرتا تھا۔ اس منصوبہ کا آغاز تو آپ نے کر لیا لیکن اس کے لیے جتنی توجہ اور انہماک کی ضرورت تھی وہ آپ کے پاس نہیں تھی۔ اگر یہ منصوبہ مولانا کی زندگی میں معقول حد تک چل جاتا تو بعد میں پیش رفت بھی ہو جاتی لیکن ہوا یہ کہ ابتدائی مراحل میں رک گیا۔

1.7 دارالعلوم امجدیہ

حدیث کی ترویج واشاعت میں دارالعلوم امجدیہ روایتی انداز میں چل رہا ہے۔ کوئی ایسی قابل ذکر لائبریری یہاں قائم نہیں ہوسکی۔ تصنیف وتالیف اور تحقیق کا شعبہ بھی یہاں نہیں ہے۔ دورۂ حدیث میں طلبہ کی معقول تعداد ہوتی ہے اور ہر سال سالانہ جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوتا ہے۔

1.8 جامعہ ابوبکر

کراچی میں جب جامعہ ابوبکر کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا تو بہت سارے طلبہ نے اس میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جامعہ کا ظاہری معیار بہت عمدہ اور اعلیٰ تھا۔ عمارت بہت خوبصورت تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ نصاب بالکل جدید تھا۔ عربی پڑھانے کے لیے عرب اساتذہ مقرر کئے گئے تھے۔ جامعہ کے اندر عربی زبان بولی جاتی تھی۔ ترتیب اور نظم ونسق میں بہت کشش تھی۔ جامعہ ابوبکر شروع میں بہت منظم اور مرتب انداز میں چلا۔ اس جامعہ میں جو نصاب رائج کیا گیا وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب کے مطابق تھا۔ پڑھانے والوں میں بھی اکثریت ان اساتذہ کی تھی جو باہر کی جامعات سے فارغ التحصیل تھے۔ اس ادارہ میں لائبریری بھی معقول تھی اور طلبہ کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ لائبریری سے استفادہ کریں۔ اس نظم ونسق کی وجہ سے ادارہ کے فارغ التحصیل طلبہ باقی جامعات کے مقابلہ میں زیادہ پر اعتماد ہوتے تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ ادارہ بھی یہاں کے ماحول میں رنگتا چلا گیا اور وہ سنجیدگی، توجہ اور انہماک جو اس جامعہ کا خاصہ تھی رفتہ رفتہ اس میں کمی آتی گئی۔ بہر حال اس ادارہ کا وجود دینی جامعات کے سلسلہ میں ایک بہت قیمتی اور مفید اضافہ ہے۔ اور اس جامعہ کی خدمات حدیث اور علوم حدیث کی ترویج واشاعت کے میدان میں قابل ذکر ہیں۔

1.9 مظہر العلوم

کراچی میں دینی علوم کی ترویج واشاعت میں مدرسہ مظہر العلوم (شاہ ولی اللہ روڈ نزد لی مارکیٹ) نے بھی بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ مدرسہ اپنے عروج کے دور میں دیو بند ثانی کہلاتا تھا۔ اس کے بانی مولانا محمد صادقؒ جہاں صاحب علم وفضل اور حامل قرطاس وقلم تھے وہاں صاحب سیف وسنان بھی تھے۔ اس مدرسہ میں زیادہ تر اندرون سندھ اور بلوچستان کے طلبہ آتے تھے اور مستفید ہوتے تھے۔ مولانا محمد صادق کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیلؒ اس ادارہ کے مہتمم رہے۔ مولانا اسماعیل کے دور میں بھی مدرسہ میں طلبہ کی تعداد معقول ہوتی تھی اور نظم ونسق مناسب تھا۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اور مولانا اسماعیلؒ کے انتقال کے بعد اس ادارہ کی حالت وہ نہ رہی جو پہلے تھی۔ اس مدرسہ میں بڑے بڑے شیوخ الحدیث رہے۔ دورہ حدیث کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔ مدرسہ اتنا معیاری تھا کہ حکومت نے اس کی سند کو وفاق المدارس کے علاوہ تسلیم کر لیا تھا۔ اس مرکز سے ہزاروں طلبہ نے دورۂ حدیث کیا اور اسناد حاصل کیں۔

1.10 دار الہدیٰ

مظہر العلوم کی طرح اندرون سندھ میں جس دینی مدرسہ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ 'دار الہدیٰ' ہے۔ یہ مدرسہ ٹیڑھی خیر پور میں واقع ہے۔ اس مدرسہ کو بھی اپنے عروج وکمال کے دنوں میں دار العلوم دیو بند سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ دار الہدیٰ نے اندرون سندھ اور بلوچستان کے طلبہ کو مستفید کیا۔ یہاں باقاعدہ دورۂ حدیث ہوتا ہے۔ دار الافتاء بھی قائم ہے۔ طلبہ کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ حدیث کی اشاعت میں اس مدرسہ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

1.11 انوار العلوم

ملتان میں مولانا سعید احمد کاظمیؒ نے انوار العلوم کے نام سے جو مدرسہ قائم کیا وہ خالصتاً روایتی انداز کا

مدرسہ تھا۔ مولانا کاظمی چونکہ معقولات کی طرف بھی میلان رکھتے تھے اس لیے انہوں نے درس نظامی کے نصاب کو جوں کا توں رکھا۔ اور اس میں وہ تمام فنون برقرار رکھیں جو دیگر جامعات میں تخفیف کا شکار ہو گئی تھیں۔ مولانا کاظمی اپنے دور کے بہت بڑے عالم، مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ ان کی شخصیت اور علمیت کی وجہ سے اس مدرسہ نے بہت تیزی کے ساتھ ترقی کی۔ مولانا کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادوں مولانا مظہر سعید کاظمی اور مولانا حامد سعید کاظمی نے اس ادارے کا نظم ونسق سنبھالا اور اسے جدید خطوط پر استوار کیا۔ ملتان میں علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے ضمن میں اس مدرسہ کا بہت اہم کردار ہے۔

1.12 خیر المدارس

ملتان ہی میں مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے بھی 'خیر المدارس' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ آپ نے یہ مدرسہ ۱۹۳۱ء میں جالندھر کے مقام پر قائم کیا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب آپ نے ہجرت کی تو مدرسہ بھی آپ کے ساتھ منتقل ہو گیا۔ خیر المدارس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ اس مدرسہ سے جو بھی طالب علم فارغ التحصیل ہوا وہ اپنے علم وفضل اور عمل کے ذریعہ پہچانا گیا۔ مولانا خیر محمد ذاتی طور پر نمونہ اسلاف تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انتہائی سادہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ اور بہت معمولی غذا تناول فرماتے تھے۔ عوام میں گھل مل کر رہتے تھے اور یہ تاثر بالکل نہیں دیتے تھے کہ وہ کوئی بڑی اور بھاری بھرکم شخصیت ہیں۔ مولانا خیر محمد جالندھری کے خلوص اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ یہ ادارہ اب تک رواں دواں ہے اور اپنا علمی سفر طے کر رہا ہے۔ مولانا اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ جن میں سے اکثر درس وتدریس کے ساتھ وابستہ رہے۔ یہ ادارہ اب مولانا جالندھری کے پوتے قاری محمد حنیف جالندھری کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ ادارہ سے ایک ماہنامہ 'الخیر' کے نام سے بھی نکل رہا ہے۔ لائبریری کا معقول انتظام ہے۔ دارالافتاء بھی ہے۔ مولانا خیر محمد جالندھری نے صحیح بخاری پر ایک مختصر شرح تالیف کی۔

1.13 قاسم العلوم

ملتان میں ایک اور مرکز' قاسم العلوم' کے نام سے قائم ہے۔ اس مرکز کو شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب مولانا مفتی محمودؒ نے شیخ الحدیث کی حیثیت سے یہاں تدریس کا کام شروع کیا۔ مولانا مفتی محمود جہاں سیاسی قائد، عوامی خطیب، اور ہمہ وقت مصروف رہنما تھے وہاں اپنے دور کے ممتاز محدث اور فقیہ تھے۔ مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ان کی سیاسی بصیرت حدیث اور فقہ کے ساتھ تعلق کی بنا پر ہے اور مقبولیت تعلق مع اللہ کا نتیجہ ہے۔ مفتی صاحب جہاں بہت بڑے عالم، فاضل اور یگانہ روزگار شخصیت تھے وہاں انتہائی متقی، عابد، متواضع اور زاہد تھے۔ نماز پڑھتے وقت ان کی کیفیت دیکھنے والی ہوتی تھی۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے اس کیفیت کو باقاعدہ محسوس کرتے تھے۔ مفتی صاحب حدیث کا درس بہت اہتمام اور انہماک کے ساتھ دیتے تھے۔ آپ جب مسند پر بیٹھ جاتے تو ادب کی وجہ سے شروع سے آخر تک ایک ہی کیفیت میں بیٹھے رہتے۔ اپنی عام گفتگو میں آپ ہاتھوں سے اشارے کیا کرتے تھے لیکن حدیث کا درس اتنے سکون کے ساتھ دیتے تھے کہ ہاتھوں کو بالکل بھی حرکت نہیں دیتے تھے۔ دو دو گھنٹے تک ایک ہی حالت میں بیٹھے رہتے اور تسلسل کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ مفتی صاحب ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا کرتے تھے۔ زندہ مثالوں کے ساتھ روایات کی وضاحت کرتے تھے۔ سائنسی ایجادات اور جدید معلومات واکتشافات کا تذکرہ بھی دوران درس کیا کرتے تھے۔ مفتی صاحب چونکہ رقیق القلب تھے اس لیے حدیث پڑھاتے وقت ان پر جذباتی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا اس لیے رواۃ حدیث کے تراجم زیادہ تر آپ کو ازبر تھے۔

مذاہب اربعہ کے علاوہ دیگر فقہاء کے اقوال اور مواقف بھی آپ کو یاد رہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ فقہاء اور محدثین سب کے سب قابل احترام ہیں اور ہمیں ان سب کو ایک جیسا احترام دینا چاہئے۔ آج جو شخص پہلی، دوسری، اور تیسری صدی ہجری کے فقہاء اور محدثین کے مراتب پر بحث کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ ان سب حضرات کا تعلق خیر القرون سے ہے۔ سب ہمارے امام اور پیشوا ہیں۔ مفتی صاحب کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ آپ نے وفاق المدارس کو باقاعدہ منظم کیا اور حکومت وقت سے اس کی ڈگری کو ایم اے (علوم

اسلامیہ) کے برابر قرار دلوایا۔ مفتی صاحب کے دروس غیر مطبوعہ شکل میں ان کے شاگردوں کے پاس محفوظ ہیں۔ لیکن مطبوعہ شکل میں اب تک یہ کام سامنے نہیں آیا۔

1.14 جامعہ اشرفیہ

لاہور میں جس مرکز کی وجہ سے علم حدیث کی ترویج و اشاعت ہوئی وہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسن امرتسریؒ ہیں۔ اس جامعہ کو دو اساتذہ کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور دوسرے مولانا رسول خان ہزاروی کی وجہ سے۔ یہ دونوں حضرات جامعہ اشرفیہ میں آنے سے پہلے دارالعلوم دیوبند میں مدرّس رہ چکے تھے اور علمی حلقوں میں مقبولیت اور شہرت حاصل کر چکے تھے۔ مولانا رسول خان علوم وفنون میں مہارت کی وجہ سے 'شیخ الکل فی الکل' کہلاتے تھے۔ پاکستان میں جتنے بڑے بڑے علماء آئے ان میں سے بیشتر آپ کے شاگرد تھے۔ آپ سے حدیث پڑھنا اور سند حاصل کرنا باعث سعادت سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا رسول خان کے ہوتے ہوئے حدیث کے طلبہ کسی اور ادارہ کا بہت کم رخ کرتے تھے۔ مولانا رسول خان اپنے دور کے ممتاز محدّث تھے۔ آپ کا حافظہ غضب کا تھا۔ آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ آپ اس صدی کے نہیں بلکہ پہلی یا دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اسناد اور متون دونوں آپ کو ازبر تھیں۔ بلکہ بیشتر مصادر حدیث کے حواشی اور شروح بھی آپ کو یاد تھیں۔ آپ نے اپنے جن شیوخ سے استفادہ کیا ان شیوخ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ وکلمات پوری ترتیب کے ساتھ آپ کو یاد تھے۔ آپ اس دور میں 'آیۃ من آیات اللہ' تھے۔ آپ کے اوپر طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ ہر وقت تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ ٹائم ٹیبل کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ طلبہ کے ہجوم کی وجہ سے آپ کو خلوت اور تنہائی کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تصنیف وتالیف کا کام بالکل نہیں کر سکے۔ آپ کے طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ حدیث کی ترویج واشاعت میں آپ کا بہت اہم اور بنیادی کردار ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے دارالعلوم دیوبند کے کبار شیوخ سے استفادہ کیا۔ مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا خلیل احمد مدنی، اور مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ آپ کے شیوخ ہیں۔ مولانا کاندھلوی اپنے

دور کے بہت بڑے محدّث تھے۔ آپ کا تعلق تفسیر، حدیث، سیرت اور کلام سے رہا۔ لیکن آپ کو شہرت اور مقبولیت حدیث کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ مولانا کاندھلوی جہاں ماہر اور تجربہ کار مدرّس تھے وہاں بہت اعلیٰ درجہ کے ادیب اور مصنف بھی تھے۔ آپ نے زندگی بھر تدریس اور تصنیف وتالیف کا کام ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ تفسیر میں آپ نے 'معارف القرآن' کے نام سے بہت اہم تفسیر مرتب کی۔ سیرت میں 'سیرۃ المصطفیٰ' کے نام سے کتاب لکھی۔ حدیث میں آپ نے 'تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری'، 'التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح'، 'مقدمۃ الحدیث'، 'منحۃ المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث' اور 'حجیت حدیث' پانچ اہم تالیفات کیں۔

تحفۃ القاری کے مقدمہ میں مولانا کاندھلوی اس کتاب کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "فیه حل أبوابه وتراجمه، وشرح مشکلاته، وایضاح مغلقاته، لا شرح الکتاب بتمامه، ولا حل جمیع الفاظه وعباراته".
>
> "اس کتاب میں صحیح بخاری کے تراجم ابواب کا حل ہے۔ اس کے مشکل مقامات کی شرح ہے اور وضاحت طلب مقامات کی وضاحت ہے اس کتاب میں پوری صحیح بخاری کی شرح نہیں اور نہ پوری کتاب کے الفاظ ونصوص کا تجزیہ ہے"۔

مولانا کاندھلویؒ کا طرز اس کتاب میں یہ ہے کہ سب سے پہلے صحیح بخاری کے باب کے عنوان کی عبارت کو نقل کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اگر ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے کوئی آیت یا حدیث نقل کر لی ہو تو اس آیت اور حدیث کی تشریح بیان کرنے کے بعد اس آیت کو یا حدیث کو ترجمۃ الباب کا حصہ بنانے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

'التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح' سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ مشکوٰۃ المصابیح کی عربی شرح ہے۔ مولانا کاندھلوی نے اس کتاب کی ترتیب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس کی زبان سلیس، عام فہم اور تراکیب آسان ہوں۔ تاکہ اساتذہ اور طلبہ دونوں اس سے مستفید ہوسکیں۔

مولانا کاندھلوی نے اصول حدیث میں 'مقدمۃ الحدیث' کے نام سے ایک تالیف کی۔ یہ تالیف آپ کی حیات میں نہیں چھپ سکی۔ یہ مخطوط محفوظ رہا تا آنکہ حال ہی میں ڈاکٹر تاج الدین الازہری نے اس پر تعلیق وتحقیق کی اور پنجاب یونیورسٹی سے اس پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرلی۔

جامعہ اشرفیہ میں جب تک یہ دونوں حضرات حدیث پڑھاتے رہے حدیث کے طلبہ اطراف واکناف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے استفادہ کرتے رہے۔ مولانا محمد ادریس کاندہلوی کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا محمد مالک کاندہلوی بھی جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث رہے۔ مولانا مالک کاندہلوی اپنے والد کی طرح جاذب نظر اور پرکشش شخصیت کے حامل تھے۔ علم وفضل کے آثار آپ کے چہرہ پر نظر آتے تھے۔ آپ کی زبان اتنی شستہ، رواں اور خوبصورت تھی کہ سامعین گھنٹوں تک آپ کو سننا چاہتے تھے۔ حافظہ بہت قوی تھا۔ آیات اور روایات کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کو ازبر تھا۔ آپ نے زندگی بھر تدریس اور تصنیف وتالیف کا کام کیا۔ آپ نے اپنے والد کی تفسیر معارف القرآن کا تکملہ دو جلدوں میں لکھا۔ اس کے علاوہ اصول تفسیر پر ایک کتاب لکھی۔ ہدایہ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ زندگی کا طویل عرصہ حدیث کی تدریس میں گزارا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جو کہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد مالک کاندہلویؒ کے علاوہ جامعہ اشرفیہ میں مولانا موسیٰ خان صاحب کی شخصیت بھی حدیث کی اشاعت کے حوالہ سے قابل ذکر ہے۔ مولانا موسیٰ خان علوم وفنون کے جامع تھے۔ آپ معقولات اور منقولات دونوں کے شیخ تھے۔ تصوف سے بھی بہت گہرا تعلق تھا۔ آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی پر آپ نے بہت سارا مواد جمع کیا۔ آپ کا میلان چونکہ عربی کی طرف تھا اس لیے جو کچھ لکھا عربی میں لکھا۔ مولانا موسیٰ خان حدیث کے طلبہ کے حلقوں میں بہت مقبول تھے۔ آپ اپنے طلبہ کے ساتھ بہت شفقت اور پیار سے پیش آتے تھے۔ تدریس کے سلسلہ میں ٹائم ٹیبل کے پابند نہ تھے۔ مغرب سے لیکر رات کو جب تک چاہتے پڑھاتے رہتے تھے۔ دن کی تدریس اس کے علاوہ تھی۔

1.15 نصرۃ العلوم

حدیث اور علوم الحدیث کی اشاعت وترویج کے ضمن میں ایک اہم نام مولانا سرفراز خان صفدر کا بھی ہے۔ مولانا سرفراز خان صاحب اس دور میں گذرے ہوئے قافلے کے بچھڑے ہوئے مسافر ہیں۔ مولانا کی شخصیت میں ایسی جاذبیت ہے کہ ان سے ملنے والا شخص بہت دیر تک ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ مولانا کا حافظہ اس عمر میں بھی اتنا قوی ہے کہ متون اور اسناد کی بہت بڑی تعداد انہیں ازبر ہے۔ اس وقت مولانا ہی کی شخصیت ہے جنہیں علم رجال کے مجال میں بہت مہارت حاصل ہے۔ مولانا سرفراز خان صاحب مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی پوری زندگی تدریس اور تصنیف وتالیف میں گذری۔ آپ کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرب کے علماء آپ کی تحقیق کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتے ہیں۔ تصنیف وتالیف میں آپ کا انداز بالکل تحقیقی اور علمی ہے۔ آپ مکمل حوالہ جات دیتے ہیں۔ حواشی اور تعلیقات کے ذریعہ اپنے قاری کو مزید معلومات بھی دیتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ 'الکلام الحاوی علی الطحاوی'، 'شوق حدیث' اور 'انکار حدیث کے نتائج' آپ کی اہم تالیفات ہیں۔

1.16 جامعہ امدادیہ

حدیث اور علوم حدیث کی ترویج واشاعت کے ضمن میں مولانا محمد نذیر صاحب کا نام بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مولانا نے فیصل آباد میں جامعہ امدادیہ کے نام سے جو مرکز قائم کیا تو ابتدا دورۂ حدیث سے کی۔ آپ نے یہ مرکز جدید خطوط پر استوار کیا۔ آپ کے پڑھانے کا انداز چونکہ بہت دلچسپ اور عمدہ ہے اس لیے حدیث کے طلبہ نے اس جامعہ کی طرف رخ کیا۔ مولانا نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا۔ مشکوٰۃ المصابیح پر آپ کی شرح بہت مفید اور معلوماتی ہے۔

1.17 دارالعلوم حقانیہ

صوبۂ سرحد میں جس ادارہ کی وجہ سے حدیث کی اشاعت اور ترویج باقاعدہ طور پر ہوئی وہ 'دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک ہے۔ شروع میں صوبۂ سرحد میں علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ درسوں کی شکل میں تھا۔ یہ مراکز عام طور پر مساجد میں قائم ہوتے تھے اور مختلف فنون، مختلف مراکز میں پڑھائے جاتے تھے۔ حدیث کے حوالہ سے جس مرکز کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ مولانا نصیر الدین غورغشتوی کا درس تھا۔ مولانا نصیر الدین حدیث اور علوم الحدیث کے بہت جید عالم تھے۔ آپ نے مشکاۃ المصابیح کے حواشی مرتب کئے۔ اور زندگی بھر حدیث کے مصادر کی تدریس کی۔ مولانا عبدالحق نے جب اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ قائم کیا تو اس مدرسہ میں درس نظامی کے نصاب کے مطابق جملہ علوم وفنون کی تعلیم کا انتظام کیا اور ہر فن کی تدریس کے لیے مختلف علاقوں میں جو اساتذہ پھیلے ہوئے تھے ان کو یہاں جمع کر دیا۔ مولانا عبدالحق خود حدیث کے بہت ماہر اور تجربہ کار استاد تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند کے ممتاز محدثین سے براہِ راست استفادہ کیا تھا۔ جب آپ نے خود حدیث پڑھانا شروع کیا تو صوبۂ سرحد، افغانستان اور بلوچستان کے طلبہ نے جوق در جوق دارالعلوم حقانیہ کا رخ کیا۔ مولانا عبدالحق جب حیات تھے تو دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ دارالعلوم میں چونکہ تدریس پشتو میں ہوتی ہے اس لیے یہاں وہی طلبہ آتے ہیں جو پشتو بولتے ہیں۔ مولانا کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ دارالعلوم میں ایک بہت عمدہ لائبریری بھی ہے۔ یہاں سے ایک علمی مجلہ 'الحق' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ دارالافتاء بھی قائم ہے اور مختلف علوم وفنون میں تخصص بھی ہوتا ہے۔ مولانا عبدالحقؒ کے انتقال کے بعد اس مرکز کا اہتمام مولانا سمیع الحق اور مولانا انوارالحق کے پاس ہے۔ یہ دونوں مولانا کے صاحبزادے ہیں۔ دارالعلوم اب روز بروز جدید اسلوب اور انداز کی طرف بڑھ رہا ہے۔ شعبۂ تصنیف وتالیف بھی ترقی کر رہا ہے اور دوسرے شعبے بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

1.18 دارالعلوم تعلیم لقرآن

راولپنڈی ڈویژن میں جس مرکز نے حدیث اور علوم الحدیث کی ترویج واشاعت کے لیے بنیادی خدمات انجام دیں وہ 'دارالعلوم تعلیم القرآن' کے نام سے مشہور ہے۔ اس مرکز کے بانی مولانا غلام اللہ خان تھے۔ مولانا غلام اللہ خان نے شہر کے وسط میں اپنا مرکز قائم کیا۔ مولانا کا موقف یہ تھا کہ عوام کو کتاب وسنت کی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے تاکہ معاشرہ میں پھیلے ہوئے غلط رسوم ورواج اور توہمات کا خاتمہ ہو سکے۔ اپنے اس موقف اور تجزیہ کی بنیاد پر آپ نے درس قرآن اور درس حدیث پر خاص توجہ دی۔ آپ نے ملک کے مختلف اطراف سے ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کو جمع کیا۔ خود حدیث کے بنیادی مصادر کی تدریس کرتے تھے۔ دارالعوم تعلیم القرآن بنیادی طور پر ایک روایتی مدرسہ رہا۔ یہاں نہ تو کوئی معقول قسم کی لائبریری قائم ہوئی نہ تصنیف وتالیف اور تحقیق کا شعبہ سامنے آیا۔ یہاں طلبہ نصابی کتب تک محدود رہتے ہیں۔ ہم نصابی مطالعہ اور سرگرمیوں کا سلسلہ یہاں نہیں ہے۔ مولانا کے انتقال کے بعد قاضی احسان الحق مدرسہ کے مہتمم رہے اور ان کے بعد مولانا اشرف علی صاحب مدرسہ کے مہتمم ہیں۔ مولانا غلام اللہ خانؒ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اس مرکز نے پوٹھوہار کے علاقہ میں کتاب وسنت کی تعلیمات کی اشاعت میں بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔

1.19 جامعہ رضویہ ضیاء العلوم

راولپنڈی میں ایک اور مرکز جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے نام سے قائم ہے۔ اس مدرسہ کے بانی اور مہتمم مولانا محی الدین شاہ صاحب تھے۔ مولانا نے اس مدرسہ کو بہت خلوص اور توجہ کے ساتھ قائم کیا۔ ادارہ بہت منظم ہے۔ یہاں ایک معقول لائبریری ہے جس سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔ ہم نصابی مطالعہ اور سرگرمیاں بھی ہوتی ہیں۔ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ بیرون ملک بھی مختلف مراکز میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں درس نظامی کے نصاب کے مطابق کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور دورۂ حدیث کے طلبہ معقول تعداد میں ہوتے ہیں۔

1.20 جامعہ سلفیہ

جمعیت اہل حدیث کے زیرِ اہتمام اسلام آباد میں 'الجامعۃ السلفیۃ' قائم ہے۔ اس ادارہ کی تاسیس وتعمیر میں مولانا حبیب الرحمٰن بخاریؒ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جامعہ سلفیہ میں وفاق المدارس السلفیہ کے نصاب کے مطابق علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں۔ یہاں معقول لائبریری بھی ہے اور حدیث کے تجربہ کار اساتذہ بھی۔

1.21 جامعہ فریدیہ

اسلام آباد ہی میں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیۃ کے نام سے بھی ایک مدرسہ قائم ہے۔ اس مدرسہ کے بانی اور مؤسس حاجی اختر حسن صاحب بہت دور اندیش اور مخلص انسان تھے۔ حاجی صاحب نے اس ادارہ کو بالکل نئے خطوط اور جدید نصاب ومنہاج کے مطابق قائم کیا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ ملک کے متمول اور بااثر طبقہ کے بچوں کو ایسا ماحول اور ایسی فضا فراہم کی جائے جس میں وہ علوم دینیہ کے حصول کے لیے آئیں۔ آپ کی اس سوچ اور فکر کو بعض متموّل اور مخیّر حضرات نے بہت سراہا اور انھوں نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ جامعہ فریدیہ ابتداء میں ایک روایتی مدرسہ تھا لیکن بعد میں اس کے لیے اسلام آباد کے خوبصورت ترین علاقہ ای سیون میں شایان شان عمارت تعمیر کی گئی۔ جامعہ فریدیہ کے لیے نیا نصاب مرتب کیا گیا۔ عربی زبان کی تدریس کے لیے عرب اساتذہ رکھے گئے۔ باقی علوم وفنون کے لیے بھی بہت ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کا تقرر کیا گیا لیکن ۱۹۸۵ء میں جب حاجی صاحب کا اسلام آباد سے کراچی تبادلہ ہو گیا تو مدرسہ کے انتظامی معاملات متاثر ہو گئے۔ اور بالآخر مولانا عبداللہ صاحبؒ نے مدرسہ کا انتظام وانصرام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ مولانا صاحب نے مدرسہ کا انتظام وانصرام روایتی طرز پر استوار کر دیا اور وہ نصاب ومنہاج جو حاجی اختر حسن صاحب نے تیار کیا تھا اسے نظر انداز کر دیا۔ اگر حاجی صاحب کے وضع کردہ نظام کے مطابق یہ مرکز کامیاب ہو جاتا تو یہ علوم وفنون کا ایک امتیازی ادارہ ہوتا جہاں طلبہ حدیث اور علوم الحدیث کے مصادر چار سال میں پڑھتے اور اس طرح ایسے طلبہ تیار ہوتے جو تفسیر، حدیث اور فقہ میں متخصص ہوتے۔ بہرحال جامعہ فریدیہ میں درس نظامی کا نصاب رائج ہوا۔

یہاں دورۂ حدیث ہوتا ہے۔ ہم نصابی مطالعہ کا کوئی خاص انتظام نہیں۔ نہ ہی لائبریری سے استفادہ کا کوئی سلسلہ ہے۔ شعبہ تحقیق وتالیف اور اس سے منسلک جس لائبریری کا منصوبہ اس جامعہ کے آغاز میں ڈیزائن کیا گیا تھا وہ بعد میں آنے والے احوال وظروف کی نذر ہو گیا۔

1.22 جامعہ محمدیہ

اسلام آباد میں ایک اور ادارہ جامعہ محمدیہ کے نام سے بھی کام کر رہا ہے۔ اس ادارہ کے بانی و مہتمم مولانا ظہور احمد علوی صاحب ہیں۔ مولانا علوی چونکہ حاجی اختر حسن صاحب کے دور میں جامعہ فریدیہ کے ناظم رہے اس لیے انہوں نے حاجی صاحب سے بہت کچھ سیکھا۔ جامعہ محمدیہ بنیادی طور پر روایتی مدرسہ ہے جہاں درس نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ دورہ حدیث بھی ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کو جدید اسلوب اور انداز میں تربیت بھی دی جاتی ہے۔ انگلش اور عربی زبان پر دوسرے مدارس کے مقابلہ میں یہاں زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ عام طور پر یہاں درجۂ اولیٰ میں وہ طلبہ آتے ہیں جو میٹرک کر چکے ہوتے ہیں۔ اساتذہ بھی معیاری رکھے گئے ہیں۔ لائبریری میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ یہاں طلبہ کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ہم نصابی مطالعہ کریں۔

1.23 جامعہ اسلامیہ

راولپنڈی میں جامعہ اسلامیہ کے نام سے بھی ایک مدرسہ کام کر رہا ہے۔ اس مدرسہ کے بانی قاری سعید الرحمٰن صاحب ہیں۔ قاری صاحب اپنے ہم عصر علماء میں ایک ممتاز علمی مقام رکھتے ہیں۔ اس مدرسہ میں دورۂ حدیث ہوتا ہے۔ قاری صاحب خود حدیث پڑھاتے ہیں۔ دورۂ حدیث کے طلبہ کی معقول تعداد ہوتی ہے۔

1.24 جامعة العلوم الشرعیہ

راولپنڈی میں جامعة العلوم الشرعیة حدیث کے حوالہ سے ایک بہت معروف ومشہور مرکز رہا ہے اس

مدرسہ میں جب تک مولانا انور شاہ صاحب شیخ الحدیث رہے حدیث کے طلبہ بڑی تعداد میں یہاں آتے تھے۔ مولانا انور شاہ صاحب نے دار العلوم دیوبند کے ممتاز محدثین سے براہ راست استفادہ کیا تھا اور زندگی بھر حدیث کی تدریس کی۔ آپ راولپنڈی آنے سے پہلے قاسم العلوم فقیر والی (بہاولنگر) میں شیخ الحدیث تھے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ حدیث کے متون اور حدیث سے متعلقہ فنون میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ حدیث کا مطالعہ آپ کا مشغلہ تھا۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا بیشتر حصہ آپ کو ازبر تھا۔

1.25 جامعہ اسلامیہ عالمیہ

اسلام آباد میں ۱۹۸۰ء میں جب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی تو اس میں ایک فیکلٹی 'اصول الدین' کے نام سے رکھی گئی۔ اس فیکلٹی میں تفسیر وحدیث کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔ تفسیر وحدیث کے اس شعبہ کے تحت بہت سارے طلبہ نے ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہاں بہت عمدہ لائبریری ہے۔ طلبہ اس لائبریری سے خوب استفادہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ادارہ میں چونکہ غیر ملکی طلبہ بھی ہوتے ہیں اور وہ بہت انہماک کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو دیکھا دیکھی یہاں کے مقامی طلبہ بھی مطالعہ کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

1.26 ادارۂ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے قیام سے پہلے 'ادارہ تحقیقات اسلامی' میں بھی شعبہ تفسیر وحدیث کام کر رہا تھا۔ اس شعبہ سے متعلق سکالرز نے بہت وقیع اور مفید علمی کام کیا۔ ادارہ سے نکلنے والے علمی مجلات 'فکر ونظر'، 'الدراسات الاسلامیۃ' اور "Islamic Studies" میں حدیث وسیرت کے حوالے سے اردو، عربی اور انگریزی میں کئی علمی مقالات چھپے۔ یہ تینوں مجلات اب تک باقاعدگی سے چھپتے ہیں۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی کی لائبریری پاکستان کی لائبریریوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اس لائبریری میں جہاں دیگر علوم وفنون کی کتابیں جمع کی گئی ہیں، وہاں حدیث اور علوم حدیث کے تقریباً جملہ مصادر موجود ہیں۔ محققین، اساتذہ اور طلبہ کی بہت بڑی

تعداد اس لائبریری سے استفادہ کرتی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں جب 'دعوۃ اکیڈمی' کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس یونٹ کے تحت دعوتی نکتہ نگاہ سے تفسیر اور حدیث کے مراسلاتی کورسز شروع کیے گئے۔ کاتب حروف نے چوبیس یونٹوں پر مشتمل حدیث کا ایک کورس مرتب کیا۔ اس کورس کو الحمد للہ بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور ہر سال تین ساڑھے تین ہزار افراد اس میں رجسٹرڈ ہوتے رہے۔ اس کورس کے اجراء کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ معاشرہ کے عام افراد کو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور تعلیمات سے روشناس کروایا جائے۔

اس وقت پاکستان کے تمام جامعات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کے پروگرام چل رہے ہیں۔ ان پروگراموں کے تحت کئی طلبہ حدیث کے موضوعات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حدیث کے طلبہ کو حدیث کے بنیادی مصادر اور علوم الحدیث کے اساسی مآخذ کا مطالعہ کرایا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر طلبہ اپنے موضوع تک محدود رہتے ہیں۔ انہیں اس موضوع کے بارے میں تو معلومات ہوتی ہیں جس پر انہوں نے مقالہ لکھا ہوتا ہے لیکن موضوع کے علاوہ انہیں حدیث اور علوم الحدیث کے بارے میں بنیادی معلومات بھی نہیں ہوتیں۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ انہیں عربی آتی ہو تاکہ وہ براہ راست مصادر حدیث کا مطالعہ کر سکیں۔

1.27 شعبۂ حدیث وسیرت

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے کلیہ علوم اسلامیہ کے تحت حدیث وسیرت کا جو شعبہ قائم ہے۔ اس شعبہ کی کوشش یہ ہے کہ حدیث کے طلبہ کو عام فہم اور سلیس زبان واسلوب میں بنیادی معلومات فراہم کی جائیں اور ان موضوعات پر مواد جمع کر کے طلبہ کو دیا جائے جن کا مطالعہ حدیث کے طالب علم کے لیے از حد ضروری ہے۔ اس شعبہ کے تحت اب تک الحمد للہ 'تخصص فی الحدیث' کے چار کورسز تیار ہو چکے ہیں۔ جنہیں طلبہ اور اساتذہ نے سراہا ہے۔ مستقبل میں ایم فل کی سطح پر بھی کورسز تیار کرنے کا منصوبہ ہے۔ یہاں ایم-اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کئی طلبہ حدیث وسیرت کے مختلف موضوعات پر مقالے لکھ رہے ہیں۔

پاکستان میں کئی علماء کرام اور سکالرز انفرادی طور پر علم حدیث کی اشاعت کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یہ حضرات زیادہ تر تصنیف و تالیف سے وابستہ ہیں۔ ان میں سے اکثریت ان علماء کی ہے جو اس یونٹ میں مذکورہ دینی مدارس اور جامعات میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں یا انجام دیتے رہے ہیں۔ بہر حال پاکستان میں حدیث اور علوم حدیث کی اشاعت کا سہرا دینی مدارس اور جامعات کے سر پر ہے۔ ان اداروں سے ایسے علماء اور سکالرز پیدا ہو رہے ہیں جو اس سلسلہ کو آگے بڑھانے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہ اس سلسلہ کو تا قیام قیامت جاری و ساری رکھے۔ آمین!